مجموعۂ مجالس

(حصّہ دوئم)



مولانا سیّد محمد جعفر زیدی شہید

افتخار بک ڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ لاہور۔ پوسٹ کوڈ 54000

Iftikhar

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجموعۂ مجالس

(حصہ دوم)

تقاریر

مولانا سیّد محمد جعفر زیدی شہید رضوان اللہ تعالیٰ علیہ

(سابق خطیب شیعہ جامع مسجد، اسلام پورہ لاہور)

ناشر

ڈاکٹر نصیر عالم زیدی

ملنے کا پتہ:

افتخار بک ڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ لاہور

نام کتاب ---------------------- مجموعہ مجالس حصہ دوم

خطیب ---------------------- مولانا سید محمد جعفر زیدی شہید

کمپوزنگ ---------------------- سید قارب حسین زیدی

تدوین ---------------------- محترمہ انجم مسعود

اشاعت ---------------------- ستمبر 2009

تعداد ---------------------- 500

قیمت ----------------------

طباعت ---------------------- حیدر

ناشر

ڈاکٹر نصیر عالم زیدی

ملنے کا پتہ

افتخار بک ڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ لاہور

بسم الله الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی

مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

فہرست

انتساب

امامِ مظلوم سید الشہداء

امام حسین علیہ السلام

کے عزاداروں کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

(بقلم جناب علامہ طالب جوہری صاحب مدظلہٗ)

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں حوزہ علمیہ نجف اشرف کا طالب علم تھا اور گاہ گاہ ایامِ عزا کی تعطیلات میں پاکستان آیا کرتا تھا۔ حسن اتفاق سے ایک سال مجھے لاہور میں محرم الحرام کے عشرۂ اولیٰ میں قیام کا موقع ملا اور مختلف مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ غالباً محرم کی چوتھی یا پانچویں تاریخ تھی جب میرے میزبان مجھے ایک ایسی مجلس میں لے گئے جس میں بظاہر حالات دوسری مجالس کی نسبت فضلاء اور دانشوروں کا اجتماع زیادہ تھا۔ ایک ایسے بزرگ رونق افروزِ منبر تھے جن پر لباسِ علم پوری طرح سج رہا تھا۔ جلد ہی کوثر و تسنیم کی دھلی ہوئی زبان اور لہجہ کی شیرینی نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ مجلس میں خطابت کا عنصر کم تھا لیکن علمیت کا تناسب بہت زیادہ تھا۔ مدلل گفتگو تھی اور اس آیت پر تھی جس پر ایک ہزار سال سے گفتگو ہو رہی ہے، جسے صاحبانِ علم آیۂ تطہیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ آیۂ مبارکہ جسے منبر سے بہت زیادہ پڑھا گیا ہو، اس میں نئے نکات کا پیدا کرنا بہت دشوار ہوتا ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ صاحبِ ذکر نے بعض ایسے نکات اور اچھوتے مطالب پیش کیے جو اس سے قبل سامعین کیلئے ناآشنا تھے جن سے انتہائی گہرے اور وسیع مطالعہ کا اظہار ہو رہا تھا۔ یہ میرا پہلا تعارف تھا حضرت مولانا سید محمد جعفر زیدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ سے۔

حوزہ علمیہ نجف اشرف میں پاکستان سے جو مختلف جرائد و رسائل آیا کرتے تھے، ان میں گاہ گاہ حضرت مولانا رضوان اللہ علیہ کی بعض تحریریں بھی دیکھنے کو مل جایا کرتی تھیں۔ مولانا کی علمیت، وسعتِ مطالعہ اور فکری تعمق کا پہلا تاثر جو مجلس کے ذریعہ مجھ پر قائم ہوا تھا، ان کی گرانقدر تحریروں نے نہ صرف یہ کہ اسے باقی رکھا بلکہ اس تاثر میں مسلسل اضافہ کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مذہبی رسائل مناظرانہ مباحث کو پیش کرنے میں بہت مستعد ہوا کرتے تھے اور کم و بیش ہر شمارہ میں کسی نہ کسی نزاعی مسئلے پر کوئی نہ کوئی مقالہ یا مضمون موجود ہوتا تھا۔ حضرت مولانا نے ان موضوعات پر بھی قلم اٹھایا لیکن اس شان کے ساتھ کہ ان میں مناظرہ کم اور ادلہ و براہین کا امتزاج زیادہ ہوتا تھا، البتہ کہیں کہیں آپ کے لہجہ میں ذوالفقار کی کاٹ بھی نمایاں ہو جاتی تھی لیکن اس کے باوجود منتخب الفاظ، شائستہ طرزِ بیان اور محکم استدلال ان مقالوں کا طرۂ امتیاز ہوتا تھا۔

مجھے یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوئی کہ حضرت مولانا کے خلفِ صالح ڈاکٹر نصیر عالم زیدی صاحب نے آپ کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مقالات کا ایک معتد بہ حصہ شائع کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ خدا اُن کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ وہ مقالے جو زیورِ طبع سے آراستہ ہونے والے ہیں ___ خالص علمی اور تحقیقی ہیں۔ ان میں بعض ایسے اہم موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں جن کی اہمیت گزرتے ہوئے زمانوں میں بھی کم نہ ہوگی۔ ان مقالوں میں مولانا نے غیر جانبدارانہ علمی و منطقی تحقیقات سے اسلامی حقائق و معارف کو جمع فرما دیا ہے۔ حوالے مستند ہیں، عبارت سلیس اور رواں ہے اور تعبیر و استدلال دل نشین ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وطالبانِ حکمت اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے اور ان مطالب کی قدر کریں گے جن پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

میں دست بدعا ہوں کہ رب العزت بہ طفیل محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام حضرت مولانا سید محمد جعفر زیدی رضوان اللہ علیہ کے درجات میں اضافہ فرمائے اور اربابِ فکر ودانش کو ان کے معارف سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

طالب جوہری

۷/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ، لاہور

(اطلاعاً عرض ھے کہ علامہ طالب جوھری نے یہ تقریظ بنیادی طور پر علامہ شھید کے مجموعۂ مقالات کیلئے تحریر کی)۔

مولانا سید محمد جعفر زیدی (شہید)

تاریخ وجائے ولادت

1908ء میمن سادات، ضلع بجنور، یو پی، ہندوستان۔

تعلیم

مدرسہ منصبیہ، میرٹھ، یو پی، ہندوستان۔ مجتہد قبلہ یوسف حسین مرحوم امروہوی آپ کے اُستادِ خاص رہے۔ یو پی بورڈ سے ادیب فاضل کی سند اور قبلہ یوسف حسن صاحب سے جمعہ و جماعت کی امامت کا اجازہ حاصل کیا۔

1934ء میں آپ بحیثیت امامِ جمعہ و جماعت بریلی، یو پی تشریف لے گئے اور 1956ء تک بریلی میں پیش نمازی کے فرائض ادا کرتے رہے۔ پیش نمازی کے علاوہ ہندوستان کے مختلف شہروں (میرٹھ، مراد آباد، کلکتہ، بہاول نگر، فیض آباد، فیروز پور، بدایوں، سہارنپور وغیرہ) میں بے شمار مجالس میں علومِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے گرانقدر اور انمول موتی بکھیرتے رہے اور بے حد مقبول ہوئے۔

1955ء میں عارضی طور پر کچھ دنوں کیلئے پاکستان تشریف لائے۔ پاکستان میں پہلا عشرۂ محرم ملتان میں پڑھا۔ 1957ء میں ہجرت کر کے مستقل طور پر پاکستان تشریف لے آئے۔ 1957ء میں مؤمنینِ لاہور کے اصرار پر شیعہ جامع مسجد کرشن نگر کی پیش نمازی قبول فرمائی اور 1980ء تک یہ فرائض انجام دیتے رہے۔ اس عرصہ میں بے شمار مجالس میں فضائل و مصائبِ محمدؐ و آلِ محمدؐ بیان فرما کر اہلِ علم سے

اپنی قرآن فہمی پر داد لیتے رہے۔

3/نومبر 1980ء کو مسجد میں محفل عید مباہلہ سے خطاب فرما کر تشریف لا رہے تھے کہ گھر کے گیٹ پر ایک ظالم نے شدید زخمی کر دیا۔ 7/نومبر بروز جمعہ زخموں کی تاب نہ لا کر شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ ہزاروں مداحوں کی زبردست آہ و زاری کے ساتھ کربلا گامے شاہ میں دفن ہوئے۔

ظہور حیدر جارچوی صاحب نے قطعہ تاریخ وفات یوں کہا:

اب کہاں پائیں گے شیدائے علوم ایسی ذات
وقف تھی مدحِ آئمہ کیلئے جس کی حیات

پنجتن خلد میں دیں گے اُسے اونچے درجات
ہاں ظہورؔ! اچھا کہا مصرعۂ تاریخِ وفات

جادۂ گلشنِ رضواں ہیں محمد جعفر (1980ء)

عاشقِ بزمِ شہیداں ہیں محمد جعفر (1400ھ)

مولانا محمد جعفر زیدیؒ کی خطابت

(از علامہ سید مختطر عباس نقوی مدظلہٗ)

فقہ اور ذاکری دو جداگانہ شعبے ہیں لیکن برصغیر کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ یہاں تقریباً ہر عہد میں ایسے نابغہٗ روزگار افراد ہوتے رہے ہیں جو بیک وقت بلند مرتبہ فقیہ بھی رہے ہوں اور دنیائے خطابت میں بھی ان کے نام کا ڈنکا بجتا ہو، بلکہ سچ پوچھئے تو دنیائے شیعیت میں برصغیر وہ منفرد مقام ہے جہاں ذاکری پر فقہ کے نگران اثر نے خطابت کو تبلیغ، تدریس اور دفاعِ مذہب کا مضبوط ترین، مستقل محتاط اور ذمہ دار ادارہ بنا دیا ہے۔ وہ جامع صفات و کمالات شخصیات جن کے دم سے فقہ و ذاکری کی دنیا آباد ہے، ان میں ایک نام ___ بلکہ بہت بڑا اور نمائندہ نام جناب سید محمد جعفر زیدی شہید کا ہے۔

نرم خوشگوار آواز، لہجے میں پُر وقار، عالمانہ ٹھہراؤ، صاف ستھرے، اُلجھاؤ سے پاک، مختصر جملے جو خطیب کے واضح ذہن کے عکاس ہوں، انتہائی سادہ اور عام فہم زبان اور ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ مضبوط قرآنی منطق پر مبنی استدلال، گفتگو میں فکری تسلسل اور معلوم حقائق سے کام لے کر اپنے سامعین کو اَن دیکھی اور نظر انداز شدہ دنیاؤں کے حسن سے مسحور کر دینے والا بیان ___ یہ اور اس جیسی اجتماعی خوبیوں کی مالک شخصیت کا دوسرا نام محمد جعفر زیدی تھا۔

خطابت بہر طور لوگوں سے اجتماعی گفتگو ہوتی ہے اور صرف یک طرفہ گفتگو

نہیں، جب تک سننے والے اس گفتگو سے تاثر نہ لیں، یہ گفتگو خطابت نہیں بنتی۔ لیکن اپنا اثر منتقل کرنے کیلئے خطیب سامع کی کونسی حس کو متوجہ کرتا ہے، یہ ہر مقرر کا اپنا انتخاب اور اپنا طریق کار ہے۔ ہمیں گزشتہ ایک صدی کے دوران، بعض افرادی رویوں سے قطع نظر، دو مکاتبِ فکر نمایاں نظر آتے ہیں:

پہلی نصف صدی میں جو خطابت منظر عام پر آئی، اسے ہم تدریسی خطابت کہہ سکتے ہیں۔ اس انداز کا بنیادی مقصد اپنے سامع کو باخبر کرنا، سمجھانا، سکھانا اور اس کو فکری سطح پر واضح اور مستحکم کرنا تھا۔

دوسری نصف صدی کا نمایاں رنگ، سکھانے، سمجھانے کی بجائے اپنے سامع کو مرعوب کرنا اور حیرت زدہ کرنا ہو گیا۔ سکھانے والا خطیب اپنے لب و لہجہ، اپنے افکار و خیالات کو زیادہ سے زیادہ عام فہم بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنی برتری قائم رکھتے ہوئے عوامی سطح پر اُتر کر اپنی بات دوسروں کے ذہنوں تک پہنچاتا ہے جبکہ مرعوب کرنے والے خطیب کا طریق کار مختلف ہوتا ہے۔ وہ عوامی سطح سے بہت بلند مقام پر بیٹھ کر وہاں سے آواز دیتا ہے: جس میں ہمت ہو، وہ اس بلندی تک آنے کی کوشش کرے۔ وہ کبھی اپنے حافظے سے، کبھی حسن بیان سے، کبھی ذہنی دوررسی اور نازک خیالی سے اور کبھی زبان و لغت پر اپنی گرفت سے اپنے سامع کو للکارتا ہے:

''کیا تم بھی یہ کمال دکھا سکتے ہو؟''

دونوں طریقوں کی اپنی اپنی افادیت اور اہمیت ہے۔ درس و تدریس کے انداز کی خطابت اپنے پورے مجمع میں علم کی تقسیم اس انداز سے کرتی ہے کہ تھوڑا تھوڑا علم ہر ایک کے حصہ میں آجاتا ہے۔ اس کے برعکس مرعوب کن خطابت گنتی کے چند

لوگوں کو علمی فیض پہنچاتی ہے۔ لیکن ان چند لوگوں کی سطح، مقابلتاً کافی بلند ہوتی ہے۔

قبلہ محمد جعفر زیدی درس و تدریس کے مکتبہ خطابت سے صرف تعلق نہیں رکھتے بلکہ اس اندازِ خطابت کے نمائندہ فرد تھے۔ یہیں سے ہی ان کی خطابت کا پہلا حسین پہلو سامنے آتا ہے کہ ہر چند مقصودِ بیان کم علم مجمع کو بہت سی باتوں سے باخبر کرنا ہوتا تھا لیکن کیا مجال کہ کسی مرحلہ پر اُستادانہ رعونیت کا شائبہ بھی آجائے۔ وہ دھیمے دھیمے لہجہ میں، ''جہاں تک میں سمجھا ہوں''، ''جہاں تک میری نظر ہے''، قسم کے منکرانہ جملوں کا سہارا لیتے ہوئے، مخاطب کی انا کو ذرا سی بھی ٹھیس پہنچائے بغیر، اس کے ذہن کو فکر و معانی کے لاتعداد چراغوں سے منور کر دیتے ہیں۔

ان کی تقریر کو اگر سامع کی نفسیات کے حوالہ سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اندازِ خطابت سب سے پہلے سامع سے ایک ہمدردانہ سماعت کی درخواست کرتا ہے۔ سامع جیسے ہی اپنی توجہ ان کی طرف مرکوز کرتا ہے تو دو تین جملے ایسے کہتے ہیں کہ سامع کا تجسس بیدار ہو جاتا ہے۔ بیان کی پہلی گرہ کھلتی ہے لیکن ساتھ ہی اشارہ ملتا ہے کہ ابھی ایک منزل اور ہے، ایک مرحلہ اس سے بھی اہم تر، اس سے آگے آنے والا ہے۔ دوسری منزل طے ہوتی ہے کہ مقرر کا ہاتھ ایک اور پردے کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ یہ تجسس اور انکشاف اور پھر ایک نیا تجسس اور ایک نیا انکشاف اس غیر محسوس انداز میں قدم بہ قدم آگے بڑھتا جاتا ہے کہ پھر سامع گردوپیش سے بے خبر ہو جاتا ہے اور انجامِ کار جب اور جہاں زیدی صاحب تقریر ختم فرماتے ہیں، سامع ایک جھرجھری لے کر بیدار ہو جاتا ہے اور اسے بے ساختہ احساس ہوتا ہے کہ وہ بہت کچھ سیکھ گیا، بہت کچھ جان گیا۔

اب نہ زیدی صاحب کی فرمائش تھی، نہ انہوں نے اشارتاً اس خواہش کا اظہار کیا تھا، لیکن سامع ہے کہ ان کے احترام وعقیدت میں سراپا نیاز بنا ہوا اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہوتا ہے کہ کاش! انہیں ایک مرتبہ پھر سننے کا موقعہ مل جائے۔

ماضی بعید کا خطیب اس اعتبار سے بدقسمت تھا کہ اس کی شاہکار خطابت بھی محض سامعین کے کمزور حافظوں کے تصرف میں تھی۔ لیکن آج کی خطابت ہر اعتبار سے محفوظ کی جاتی ہے اور کم وبیش تمام قابل ذکر ذاکرین کی تقاریر شائع بھی ہو چکی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خطابت ایک فن ہے، لیکن اگر اس فن کا اصل کام خیالات کو موثر انداز میں پیش کرنا ہے تو کئی ایسے مقررین جو دورانِ خطابت مجمع پر چھا جایا کرتے تھے، جب تحریری شکل میں سامنے آئے تو بہت مایوسی ہوئی اور معلوم ہوا کہ وہ صرف الفاظ، جملوں اور لہجے کی خطابت کرتے تھے، ورنہ اُن کے کلام میں کوئی ایسی بات نہ تھی جسے ان کی عظمت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکے۔

مولانا محمد جعفر زیدی کی تقاریر بھی شائع ہوئیں اور ان کے متعدد مضامین اور مقالے بھی۔ چنانچہ تقریر اور تحریر کے ان نمونوں کا مقابلہ کیجئے تو پہلے تو اس بات پر خوشگوار حیرت ہوگی کہ ان کی تحریر اور تقریر میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ وہ تقریر کے دوران بھی اپنے افکار اور اُن کی ادائگی پر یکساں گرفت رکھتے تھے۔ وہی منطقی استدلال، مطالعہ قرآن میں وہی باریک بینی، وہی خوب سے خوب تر کی جستجو اور زینہ بہ زینہ، قدم بہ قدم بڑھتے ہوئے غیر محسوس طور پر مقصودِ بیان تک پہنچ جانے کا وہی طریقہ کار۔ اس طرح ان کی تحریر ہو یا تقریر، دونوں یکساں طور پر وزن دار ہیں۔

چنانچہ ان کی تقریر کے مجموعے باقاعدہ کتاب کی سی منزلت اور شرف رکھتے ہیں۔ اس مطالعہ کا دوسرا نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ زیدی صاحب بہت سے خوش بیان مقررین کے برعکس، جملوں پر بہت کم توجہ دیتے تھے۔ وہ جملوں کے مقرر نہیں تھے، وہ افکار اور نظریات پیش کرتے تھے اور فکر پیش کرنے والا کبھی جملوں کو اتنا آراستہ نہیں کرتا کہ وہ خیال کے حسن پر غالب آجائیں۔

اس کے باوجود یہ تو ان کے شاعرانہ اور ادبی مزاج کی فطری مجبوری تھی کہ بارہا خوبصورت ادبی جملے بے ساختہ طور پر زبان پر آجاتے اور جب بھی ایسا کوئی جملہ زبان سے ادا ہوتا تو حسن بیان اپنی طرف متوجہ کرنے کی بجائے زیر بحث خیال کو اور نمایاں کر دیتا۔ ان کے بیان میں خوبصورت جملے ہمیشہ پس منظر کے طور پر آتے، منظر وہی رہتا جو وہ دکھا رہے ہوتے۔

شافعی کے ایک شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمانے لگے:

''جو جنت میں لے جائیں، اُن کی محبت گناہ ہو تو کیا جہنم میں لے جانے والوں سے محبت کروں؟ جو جہنم میں لے جائیں، ان سے محبت کیوں کروں؟ جائیں جہنم میں ــــ''

سورۂ نور کی پینتیسویں (۳۵) آیت کا یہ جزو زیر بحث تھا کہ اللہ کے نور کی مثال ایک ایسے چراغ کی ہے جس کا روغن اُسے روشن رکھتا ہے، حالانکہ آگ نے اسے چھوا تک نہیں، تو کہنے لگے:

''چراغ آگ سے بھی روشن ہوتے ہیں، روشن بھی ہوتے ہیں مگر جلتے بھی ہیں اور جو جلتے ہیں، وہ جلاتے بھی ہیں۔ خداوند عالم نے اس چراغ کو چراغ رحمت

قرار دیا___ بچائے گا وہی جو خود بچا ہوگا۔ نار سے روشن ہونے والے چراغ نام کے روشن ہوتے ہیں، مگر سوزش ہوتی ہے، جلتے بھی ہیں اور جلاتے بھی ہیں___ یہی وجہ تھی کہ نار کی ایک مخلوق تھی بلندئ فلک پر___ تو جو نار سے پیدا ہوا تھا، وہ جل اُٹھا۔ سجدہ کرنے والے سجدہ کر رہے تھے، نہ کرنے والا سرکش بنا ہوا تھا۔ آدم مسجود بھی ہو رہے تھے اور محسود بھی ہو رہے تھے"۔

آنحضورؐ کی معروف حدیث پر بات کر رہے تھے کہ "علیؑ کے چہرے پر نظر ڈالنا عبادت ہے"، فرماتے ہیں:

"نظر روئے علیؑ پر بھی عبادت ہے، نظر کعبہ پر عبادت ہے، نظر حروفِ قرآن پر عبادت ہے۔ لیکن یہ نظر جو ان چیزوں پر ہو تو کیا ہر نظر عبادت ہے؟ ہر ایک نظر ایک نہیں ہوتی، نظر تو ایسی بھی ہوتی ہے کہ جس سے بچایا بھی جاتا ہے___"۔

ہشام بن حکم اصحابِ امام جعفر صادق علیہ السلام میں سے تھے، ایک دن بصرہ کے ایک شیخ سے اپنے مناظرے کا ذکر کرنے لگے، زیدی صاحب نقل روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں نے سنا ہے کہ بصرہ میں بڑا زبردست علامہ آیا ہوا ہے اور وہاں کی جامعہ مسجد میں وہ بڑے مغلق اور اُلجھے ہوئے مسائل حل کرتا جاتا ہے۔ فرزندِ رسولؐ! مجھے بھی اشتیاق ہوا کہ میں بھی تو اس شیخ کو دیکھوں، اس کی شیخی کو دیکھوں___"۔

مولانا محمد جعفر زیدی کی خطابت اور تحریر کا سب سے بڑا فیض یہ نہیں کہ اُنھوں نے بے مثال تفسیری نکتے بیان کیے، ذہنی گتھیوں کو سلجھایا، یا اپنے مؤقف کی تائید و حمایت میں ٹھوس اور مضبوط دلائل فراہم کیے۔ یہ سب تو بیشتر صاحبانِ علم اور

صاحبانِ کمال کرتے ہی رہتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کا فیضانِ خاص یہ ہے کہ ان کی خطابت ظاہری طور پر کسی ایک آیت کی تشریح اور کسی ایک مسئلہ کی وضاحت ہوتی، لیکن در حقیقت وہ انتہائی غیر محسوس انداز میں اپنے سامع (اور اب اپنے قاری) کے ذہن میں عظمتِ قرآن کا ایسا نقش اُبھارتے جاتے ہیں کہ اختتامِ کلام تک پہنچتے پہنچتے اسے قرآنِ حکیم کے معجزہ ہونے، اس کے ہر لفظ، ہر حرف اور ہر حرکت کے با مقصد اور با معنی ہونے کا ایک نیا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر توفیق الٰہی شاملِ حال ہو اور وہ طلبِ علم قرآن پر آمادہ ہو تو اس میں قرآن فہمی کا ایک ایسا مزاج پیدا ہو جاتا ہے جو کبھی لفظی معنی کی سطح پر نہیں رُکتا بلکہ مفاہیم کے بحرِ ناپیدا کنار میں غوطہ زنی کرتا ہے اور انجامِ کار اُسے علم و آگہی کی نئی دنیاؤں تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ بات ذرا وضاحت طلب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کی زیادہ تفاسیر اور خصوصاً اُردو زبان میں تمام مسالک کے علماء کی تالیف کردہ کم و بیش تمام تفاسیر، پورے قرآنِ حکیم کی تفسیر ہونے کی بجائے اس کے منتخب مقامات کے وضاحتی حواشی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی اکثر اوقات مفسر کسی ایک آیت کے محض ایک لفظ کی یا زیادہ سے زیادہ اس آیت کے مجموعی مفہوم کی تشریح کو کافی سمجھتا ہے۔ اس کے بعد آیت کے باقی اجزاء کو اور بعض اوقات اس کے بعد کی تین تین، چار چار آیات کو محض ترجمہ کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔

مفسر کے اس طرزِ عمل کی وجوہات سے قطع نظر، اس کا ایک منفی نتیجہ یہ ہے کہ تفسیر کا قاری نفسیاتی طور پر سمجھنے لگتا ہے کہ قرآنِ حکیم کے توجہ اور غور و فکر کے تمام تر مقامات وہی تھے جن کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے۔ باقی الفاظِ قرآن مجید توجہ کے

طلبگار نہیں ہیں۔ اس طرح پڑھے لکھوں کی عوامی سطح پر آیاتِ قرآنی کے مفہوم سے سرسری گزر جانے کا خطرناک رجحان پیدا ہوگیا۔ ان کو تو ایک طرف رکھئے جو اس کتاب کی تلاوت ہی پر اکتفا کرتے ہیں، وہ لوگ جو تلاوت سے آگے بڑھ کر اللہ کے کلام کو سمجھنے کی کاوش کر رہے ہوتے ہیں، وہ بھی مفسرین کی حاشیہ نویسی کی وجہ سے مفاہیم قرآن کا یک رُخا، جزوی اور محدود مشاہدہ کرتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے تفصیلی اور تفسیری مطالعہ کیلئے اوّلاً زبان کے قواعد اور لغت پر بھرپور دسترس کے ساتھ ساتھ، جزئیات پر توجہ دینے اور ہر قدم پر رُک کر غور وفکر کرنے کا مزاج اور اس مزاج کے تقاضے پورے کرنے کیلئے مطلوبہ بے پناہ محنت کا جذبہ درکار ہے۔ ان تمام بنیادی شرائط کی موجودگی کے باوجود حاصل شدہ حقائق کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے کسی نتیجہ تک پہنچنے کیلئے جس ذہنِ رسا اور عقلِ سلیم کی ضرورت ہوتی ہے، اگر اس کی مدد حاصل نہ ہو تو یہ ساری تگ ودو طالب علم کو تھکا دیتی ہے لیکن اس کے سامنے معنی ومفہوم کا کوئی ایسا منظر نہیں بن پاتا کہ وہ اپنی سعی کو مشکور سمجھے اور حصول ودریافت کے احساس سے سرشار ہو کر "ھل من مزید" کا نعرہ لگاتے ہوئے دریائے معنی کی غواصی میں مشغول ہو جائے۔

زیدی صاحب کا بنیادی موضوع تفسیر قرآن ہے۔ وہ جس آیت کو عنوان بناتے ہیں، اُس کی شرح اور وضاحت اس قدر باریک بینی سے کرتے ہیں کہ گفتگو کے اختتام پر سامع اپنا وزن بڑھا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اسے روز کی سنی ہوئی آیت ایک نئے انداز سے دکھائی دینے لگتی ہے۔ اسے احساس ہوتا ہے کہ اب تک وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔

یہ سب تو ہوتا ہے لیکن اس سے بڑھ کر، بالکل غیر محسوس انداز میں ان کا قاری قرآن مجید کو دیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کا ایک نیا انداز سیکھ جاتا ہے۔ اگر وہ قرآن کے مفہوم پر توجہ دینے کا عادی رہا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اب تک وہ کچھ نہیں جانتا تھا بلکہ وہ تو انتہائی بدقسمت تھا کہ قسمت نے اسے ایک عظیم الشان خزانے تک پہنچادیا تھا، پھر بھی وہ فقط ایک آدھ موتی کو کل خزانہ سمجھ کر، انہیں ہی مٹھی میں دبا لایا تھا۔

زیدی صاحب کا یہ ہمیشہ کا معمول تھا کہ وہ کسی آیت قرآنی کو سرنامہ تقریر قرار دیں، یا دورانِ کلام کوئی آیت یا اس کا جزو بطور حوالہ زبان پر آجائے، وہ الفاظ قرآن کا تفصیلی تجزیہ کرتے تھے۔ ان کے اندازِ بیان کو ملاحظہ فرمائیں، وہ آیات کا تجزیہ کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ پہلے تو اس کا ترجمہ کرتے ہیں، پھر ایک ایک لفظ کی تحلیل کرتے ہیں، لغت اور قواعد کے اعتبار سے اس کا جائزہ لے کر معنی میں جو تغیرات ہوتے ہیں، اُن کو زیرِ بحث لاتے ہیں، اس کے ساتھ یہ بھی بتاتے جاتے ہیں کہ اس کے مترادف اور ہم معنی الفاظ کون سے ہیں اور ان کے استعمال کرنے سے مفہوم کیا ہو جاتا ہے۔

یہ ساری گفتگو اس سلیقہ اور حسن سے ہوتی ہے کہ سننے والا ایک پُر تجسس انہماک میں کھو جاتا ہے۔ زیدی صاحب اُسے قدم بہ قدم آگے بڑھاتے جاتے ہیں۔ لیکن ہر قدم پر رُک کر اُسے سوچنے، غور کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ یکے بعد دیگرے نگاہوں کے سامنے سے پردے اُٹھتے جاتے ہیں۔ ہر لحہ منظر بدلتا جاتا ہے، نئی نئی کیفیت چونکاتی جاتی ہے، حتیٰ کہ آخری حجاب اُٹھتا ہے اور پھر سامع انکشاف و

دریافت کے اس خوش کن منظر سے آشنا ہوتا ہے کہ بے ساختہ زبان پر ''سبحان اللہ'' کا نعرہ آجاتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک بالکل غیر محسوس انداز میں اسے قرآن مجید کی گہرائی اور معنوی وسعتوں کا یقین کامل تر ہوتا جاتا ہے اور یہ یقین کئی جہتوں میں سفر کرتا ہے۔ کبھی اُسے احساس ہوتا ہے کہ اللہ کا کلام کتنا معنی خیز ہے، اس کا کوئی حرف، کوئی لفظ، نہ تو بے مقصد ہے، نہ بے محل ہے۔ کیا کوئی بشر اس جامعیت کے ساتھ، اس مقصدیت کے ساتھ، اس حسن کے ساتھ، اتنی طویل گفتگو کرسکتا ہے؟ نہیں! یہ بشر کی طاقت سے بالاتر ہے۔ یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام نہیں ہوسکتا۔ کبھی اسے علم قرآن کے سامنے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے اور قرآن فہمی کیلئے ایک شدید تڑپ، ایک اشتیاق بیدار ہوجاتا ہے۔

میں نے زیدی صاحب کے اندازِ بیان کے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے، ان کا ہر بیان اور ہر تحریر میرے مشاہدے کی صداقت کی گواہ ہے۔ ان کا کوئی بیان لے لیجئے، آپ تفسیر کا یہی انداز پائیں گے۔ یہاں صرف ایک تقریر کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ مولانا کی تقاریر کا پہلا مجموعہ، ان کی شہادت کے بعد، اہلیہ شاہد ذوالفقار نے، مجموعۂ تقاریر کے نام سے کراچی سے شائع کروایا تھا، اس مجموعہ میں پانچویں تقریر تقریباً دو گھنٹے کے دورانیہ کی ہے، اس تقریر میں ان کا موضوع سورۂ احزاب کی تیئسویں (۲۳) اور چوبیسویں (۲۴) آیت ہے۔

مولانا صاحب نے حسب عادت پہلے تو آیات کو اجزاء میں منقسم کرکے اس کا ترجمہ کیا:

''ایمان والوں میں سے ہیں کچھ مرد، کچھ مردانِ ملت، مردانِ وفا، جو سچ کر دکھاتے ہیں اس معاہدے کو جو وہ خدا سے کیے ہوئے ہیں، کوئی اپنے عہد کو پورا کر چکا ہے اور کوئی اپنے عہد کو پورا کرنے کے انتظار میں ہے۔ نظر ہے اس کی اس پر کہ کب وقت آئے اور کب وہ اپنا عہد پورا کرے''۔

دوبارہ پھر اسی داستان کو مختصر الفاظ میں دہرایا جاتا ہے کہ یہ ہیں ایسے عہد کے پورا کرنے والے کہ انہوں نے اپنے عہد میں اور وفائے عہد میں ذرہ کے برابر تبدیلی نہیں کی۔ جس شان سے عہد کیا، اسی شان سے اپنے عہد کو پورا کر دکھایا۔ اللہ ان صادقین کو ان کی صداقت کی بہترین جزا دے گا اور ضرور منافقین پر عذاب نازل کرے گا۔ ہاں! ہمارے عذاب سے بچ جائے گا وہ جو اس گروہ سے توبہ کرتا ہوا نکل آئے گا۔

اس فصیح اور ذمہ دارانہ ترجمے کے بعد مولانا نے ایک دعویٰ کیا، دیکھنے میں ایک قول ہے یہ آیت مگر حقیقتاً یہ وہ آیت ہے جو دنیا سے منوا رہی ہے کہ یہ کلام غیر خدا کا کلام نہیں ہے۔ یہ خود خدا کا کلام ہے۔ اس کے بعد جب انہوں نے آیات کی تفسیر کی تو پھر یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ رہی کہ ''پس ثابت ہوا کہ یہ اللہ کا کلام ہے''۔ یہ بات تو کلام کا ہر لفظ جہاں جہاں تھا، وہاں سے پکار کر کہہ رہا تھا۔

مولانا نے پہلی بحث آیت کے پہلے لفظ پر کی کہ یہاں ''الذین آمنوا'' نہیں کہا گیا، ''من المؤمنین'' کہا گیا ہے۔ یعنی موضوعِ گفتگو وہ نہیں جو ایمان لانے کے مدعی ہیں بلکہ ان کی بات ہے جن کو مومن کہہ کر اللہ خود ان کے ایمان کی تصدیق کر رہا ہے۔ پھر ایک دلکش گفتگو ہے اس فرق پر کہ مومن کی طرف سے دعوائے

ایمان میں اور اللہ کی طرف سے سندِ ایمان میں کیا فرق ہے؟

اس کے بعد لفظ رجل (مرد) پر بحث شروع ہوئی کہ یہ لفظ اگر خواتین کے مقابل بولا جاتا تو کیا معنی ہوتے اور جب مردوں کے مجمع میں کسی کو مرد کہا جائے تو یہ لفظ کیا معنی دے گا!

اس تشریح سے آگے بڑھے تو یہ سوال ہوا کہ اللہ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ان مؤمنین نے اپنا عہد پورا کیا بلکہ ارشاد ہوا ہے کہ اُنہوں نے معاہدہ پورا کیا۔ اب عہد اور معاہدہ میں فرق یہ ہے کہ عہد صرف ایک فریق کرتا ہے جبکہ معاہدہ فریقین کے ایک دوسرے سے عہد کرنے کو کہتے ہیں۔

یہاں سے گفتگو ایک اور طرف مڑی اور سوال پیدا ہوا کہ مؤمن نے تو عہد اطاعت کیا تھا، معاہدے میں عہد الٰہی کیا تھا؟ اس سوال کا جواب انہیں سورۂ بقرہ کی آیت 124 میں ''لا ینال عھدی الظالمین'' میں ملا۔

پھر یہ نہیں کہ وہ تبدیل نہیں ہوئے بلکہ ''وما بدلوا تبدیلا'' کہہ کر فعل مطلق استعمال ہوا اور اگر فعل مطلق اثباتی طور پر استعمال ہو (جیسے یطھر کم تطھیرا' میں) تو اس سے معنی کیا بنتے ہیں اور اگر نفی کی صورت ہو (جیسے زیر بحث آیت میں ہے) تو کیا مطلب ہوں گے؟

اس کے بعد اس بات پر غور وفکر شروع ہوا کہ اجر دیتے ہوئے یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے ایفائے عہد پر اجر دیا جا رہا ہے بلکہ ارشاد ہوا کہ ان صادقین کی صداقت کا اجر ہے۔ ایفائے عہد کی بجائے یہ کہنا کہ انہوں نے اپنے قول کو سچ کر دکھایا، یہ انداز بیان تکمیلِ عہد کے عمل کی عظمت کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

جزاء کا ذکر کرتے ہوئے "لیجزی" میں حرف 'ل' آیا ہے، اس 'ل' نے جزاء کو ان کا واجب حق قرار دے دیا۔

پھر اس پر بحث کہ مؤمنین کے وعدہ کو سچا کر دکھانے کے تذکرہ میں منافقین پر عذاب کا ذکر کیا اہمیت رکھتا ہے اور پھر مؤمن کے مقابل شرک آتا، کافر آتا، منافق ہی کیوں؟

اس کے بعد توبہ کرنے والوں کو عذاب سے مستثنیٰ قرار دیا جانا اور ان توبہ کرنے والوں کا صیغہ جمع میں بیان ہونا ___

غرض زیدی صاحب آیاتِ قرآنی کے ہر جزو پر ٹھہر کر، ذہنوں کو مہمیز کرتے ہوئے، جب ایک ایک لفظ اور حرف کی معنویت اور مقصدیت پر بحث کرتے ہیں تو قرآن مجید کی عظمت ہر سامع کا ذاتی مشاہدہ بن جاتی ہے اور اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا عقیدہ محض ایک تقلیدی عقیدہ نہیں رہتا بلکہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ ایک عظیم الشان کتاب کے ہر لفظ میں معنی و مفہوم کا بحر بیکراں کسی قابل سے قابل انسان کے بس کی بات نہیں اور قرآن یقیناً کلامِ الٰہی ہے۔

مناسب ہوگا کہ زیدی صاحب کی تقاریر کے اس مجموعے کے مطالعہ سے پہلے آپ ان کے کچھ اور فکری شاہ پاروں کا نمونہ ملاحظہ فرمالیں۔ البتہ یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ جیسے پہلے کہا جاچکا ہے کہ زیدی صاحب جملوں کے خطیب نہیں، افکار و نظریات کے مقرر ہیں۔ ظاہر ہے کہ فکر ہو یا آیاتِ قرآنی کی تاویل، ان سب کا حقیقی حسن اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب بیان اپنے پورے پس منظر کے ساتھ سامنے آئے۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں، اس لئے اختصار کے ساتھ صرف

کچھ مقامات ہی نقل کیے جاسکیں گے۔

امام حسینؑ کا بیعت یزید سے انکار

’’حق اپنے منوانے کیلئے کبھی تشدد نہیں کرتا مگر باطل اگر تشدد سے کام نہ لے تو وہ مانا کیسے جائے؟ اور نہ مانا جائے تو رہے کیا؟ یہی وجہ ہے کہ خدا اور رسولؐ اور اولی الامر اپنے منوانے کیلئے کبھی نبرد آزما نہیں ہوئے۔ خدائی کا دعویٰ ہو یا نبوت و امامت کا، اگر محض دعویٰ کی حد میں رہے تو ان میں سے کسی کو حرب و قتال کی ضرورت نہیں۔ اپنی جگہ جس کا جو دل چاہے، کہتا رہے۔ یہ سب برداشت کیا جا سکتا ہے اور برداشت کیا گیا ہے۔ لیکن اگر خدائی کا مدعی چاہے کہ خود خدا بھی اس کو خدا مان لے، رسالت کا مدعی اگر چاہے کہ رسولؐ برحق بھی اپنی رسالت کو خیرباد کہہ کر اس کو رسول مان لیں، ولایت اور امامت کے مدعی اگر یہ چاہیں کہ اولی الامر بھی ان کو اولی الامر تسلیم کر لیں تو یہ ہر ایک کیلئے ناقابل برداشت، ناممکن اور محال ہے۔

اگر خدا نے غیر خدا کو خدا مان لیا تو یہ بات تو بعد کی ہے کہ وہ مانا ہوا حقیقتاً خدا ہو گیا یا نہ ہوا، لیکن خدا تو خدا نہ رہا۔ رسول نے اگر غیر رسول کو رسول مان لیا تو رسول، رسول نہ رہا۔ اب رسول کے رسول نہ رہنے سے اور ولی الامر کے ولی الامر نہ رہنے سے صرف ان ہی کے منصب کو زوال نہ ہوگا بلکہ جس خدا نے ان کو اپنے کمالِ علم اور انتہائے اعتماد سے منتخب کیا تھا، وہ جاہل اور بے بس ثابت ہوا‘‘۔

اہلیت اور نااہلیت کی انتہائیں

’’مجھے ایک نبی وہ نظر آتا ہے جس نے خدا سے اپنے فرزند کے بارے میں کہا اور جواب ملا کہ ہمارے نبی ایک بار تو کہہ چکے، اب اگر کہو گے تو ڈوبنے والا تو نہ

بچے گا لیکن تمہارا نام فہرستِ انبیاء سے نکال دیا جائے گا۔ اب اگر تم نے کہا تو نبی نہ رہو گے ــــ ایک وہ مقام ہے کہ جہاں نبی کہے تو نبی نہ رہے، ذہن میں رکھے گا اسے، اور ایک مقام وہ ہے کہ اگر نبی نہ کہے تو نبی نہ رہے:

"وَاِن لَّم تَفعَل فَمَابَلَّغتَ رِسَالَتَہٗ"

"رسولؐ! اگر تم نے یہ نہ پہنچایا تو کچھ بھی نہ پہنچایا"۔

"کچھ بھی نہ پہنچایا" کے معنی پھر یہی نکلے کہ نہ کہا تو رسول نہ رہے۔ وہاں اگر نبی کہے تو نبی نہ رہے اور یہاں اگر نبی نہ کہے تو نبی نہ رہے۔

سبع مثانی کی تاویل

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: (الحجر: 87)

"وَلَقَد آتَینٰکَ سَبعَامِنَ المَثَانِی وَالقُرآنَ العَظِیم"۔

"اے انسان! دے دیئے ہم نے تجھے سرمایہ ہدایت قرار دے کر ایک سبعامن المثانی اور پھر وہ قرآن جو با عظمت ہے"۔

تو حضراتِ والا! مفسرین نے اگرچہ بڑی بڑی بحثیں قائم کی ہیں مگر قرآن مجید کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس سے پہلے جس شے (سبعامن المثانی) کا ذکر ہے، وہ قرآن العظیم سے وابستہ تو ضرور ہے مگر ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز۔

سبعامن المثانی میں سبع کے معنی سات ہیں۔ سات کو جب مکرر کیجئے تو چودہ خود بخود آپ کے سامنے آئیں گے۔ تو آپ محسوس فرمالیں گے کہ یہاں چودہ معصومینؑ کا ذکر ہے اور وہ سات وہ ہیں جو مکررات میں سے ہیں۔

اب یہ بحث واقعتاً بڑی دلچسپ ہوگی کہ چودہ کے ذکر کیلئے چودہ ہی کیوں نہ

کہا، چودہ ہی کا عدد کیوں نہ پیش کر دیا؟ تو حضرات! ایک عجیب راز ہے اس میں کہ اگر چودہ کا عدد کھلم کھلا استعمال ہو جاتا تو کوئی اس چودہ کو بتاتا اور کوئی اُس چودہ کو۔ خداوند عالم نے چودہ کا تعارف اس حیثیت سے کروایا کہ سوائے اصل موقف کے دوسری جگہ کوئی جا ہی نہ سکے۔

سات کہا اور پھر سبعا من المثانی کہہ کر یہ بتا دیا کہ مراد یہاں چودہ ہیں، جو خود چودہ ہیں۔ مگر ان کے نام چودہ نہیں۔ گنتے جایئے تو چودہ ضرور کہیے گا۔ لیکن اگر ناموں کو گنیں گے تو وہ سات ہی نظر آئیں گے۔ انہی میں سے گھوم پھر کر چودہ کی گنتی پوری ہو جاتی ہے، مثلاً اگر پنجتنؑ پاک ہیں، وہ جس طرح خود پانچ ہیں، اسی طرح ان کے نام بھی پانچ ہیں، ان کے درمیان کوئی نام مکرر نہیں آیا۔ ان کے بعد جو نو ہیں، ان کے ناموں پر نظر کی جائے تو جو نام بالکل نئے آئے ہوئے ہیں اور پہلے سے نہ آئے ہوں، وہ صرف دو ہیں: جعفرؑ اور موسیٰؑ ____

یہاں مراد یہ ہے کہ وہ چودہ حضرات دیکھو جن کے نام سات سے آگے نہ بڑھیں"۔

❁❁❁

اظہارِ تشکر

الحمدللہ! اباجان مرحوم کے مجموعۂ مجالس کا حصہ دوم شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکرگزار ہوں کہ اُس رحمان و رحیم نے مجھے اِس نیک کام کو بجالانے کی توفیق عطا فرمائی۔ درحقیقت یہ کام میری بیٹی انجم مسعود کی انتھک اور جانفشاں محنت اور کوششوں کے نتیجہ میں پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ اس کارِ خیر کا انعام تو میری بیٹی کو انشاء اللہ امامِ مظلوم کی مادرِ گرامی کی طرف سے عطا ہوگا۔ خداوند عالم چہاردہ معصومینؑ کے صدقہ میں انجم کو ہمیشہ شادو آباد رکھے، آمین۔

''مجموعۂ مجالس، حصہ اوّل'' اور ''مقالاتِ شہیدِ لاہور''، دونوں ہی مؤمنین میں بہت مقبول ہوئے۔ دینی اخبارات و جرائد اور رسائل میں اِن دونوں کتب پر سیر حاصل تبصرے بھی شائع ہوئے۔ الحمدللہ! دینی اور علمی ذوق رکھنے والے حضرات نے اِن کتابوں کی افادیت اور علمی حیثیت کے متعلق بہت کچھ کہا اور لکھا۔

مجموعۂ مجالس حصہ اوّل کی طباعتِ ثانی کا تقاضہ بھی ہو رہا ہے۔ اس حصہ دوم میں والد صاحب کی دس مجالس پیش کی جارہی ہیں۔ اُمید ہے کہ علمی ذوق رکھنے والے، خصوصاً علماء اور خطباء، بہت مستفیض ہوں گے۔ والد صاحب نے اپنے احباب اور عقیدت مندوں کی فرمائش پر زیارتِ ناحیہ کا تعارف اور ترجمہ تحریر فرمایا تھا جو بہت ہی مقبول ہوا اور کئی بار مختلف ذرائع سے لاہور اور کراچی میں شائع ہوا۔

مجھے یاد ہے کہ اِس ترجمہ کے متعلق علامہ حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ

(مرحوم) نے فرمایا تھا:

"اس ترجمہ کی صحت کی سند کیلئے قبلہ جعفر صاحب کا نام ہی کافی ہے"۔

اس مجموعۂ مجالس، حصہ دوم میں مؤمنین کے استفادہ کیلئے زیارتِ ناحیہ اور اس کا ترجمہ بھی شائع کیا جارہا ہے۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ قبلہ مولانا منتظر عباس صاحب نقوی نے میری درخواست پر اس حصہ دوم کے متن کا اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود بغور مطالعہ فرمایا اور بہت ہی عالمانہ اور پر زور انداز میں اپنے گرانقدر خیالات اور قبلہ جعفر شہید سے اپنی عقیدت کا بھرپور طریقہ سے اظہار فرمایا۔ قبلہ نقوی صاحب کی تحریر پڑھ کر آپ کی علم پر دسترس اور گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک جوہری ہی ایک جوہری کو صحیح طور پر پرکھ سکتا ہے۔

میں تہہ دل سے قبلہ منتظر عباس صاحب کا مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبلہ کو خوشیوں بھری طویل عمر عطا فرمائے اور اُن کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے، آمین

اس حصہ دوم کی کمپوزنگ بھی حصہ اوّل کی طرح قارب حسین زیدی سلمہٗ نے بڑی محنت اور عقیدت سے کی ہے۔ میں قارب حسین صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُن کی صحت وسلامتی اور ترقیوں کیلئے دست بدعا ہوں۔

میں اپنی بیگم اور چاروں بیٹیوں کا بھی مشکور ہوں کہ ان سب نے اس کام کی تکمیل میں میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

میں یہاں اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ان کتب کی اشاعت کا مقصد کوئی مالی منفعت حاصل کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اپنے والد قبلہ سید محمد جعفر شہید کے

علمی ذخیرہ کو کتب کی شکل میں محفوظ کر کے علوم محمدؐ و آلِ محمدؐ کے شیدائیوں تک پہنچانا ہے۔ رحیم و کریم مجھ گناہگار کے اس قلیل کارِ خیر کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقہ میں درجۂ قبولیت عطا فرمائے، آمین۔

آخر میں قارئین کرام سے التماس ہے کہ مجھ گناہگار کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور میرے والدین کی مغفرت کیلئے دعا فرمائیں۔

مؤمنین کی دعاؤں کا محتاج

ڈاکٹر نصیر عالم زیدی

عقیدت کے آنسو

(بیادِ شہیدمولانامحمدجعفرزیدی اعلی اللہ مقامہٗ)

اتنا حاوی تھا فہم قرآں پر اُس سے معنی کوئی نہاں نہ رہا

وحیدالحسن ہاشمی

نورِ معبود کی تنویر محمد جعفر تابع صاحب تطہیر محمد جعفر
عاشق شبرؑ و شبیرؑ محمد جعفر ذاکر زینبؑ دلگیر محمد جعفر
کر کے قرآن کی تفسیر بڑی خوبی سے
پا گیا خلد کی جاگیر بڑی خوبی سے

سیدظہورحیدرجارچوی

عمر بھر کرتے رہے آلِ عبا کا تذکرہ سرخ رو ہو کر گئے جعفر خدا کے سامنے

(ڈاکٹرمسعودرضاخاکی)

شریف فطرت ، عظیم جعفر وہ علم وعرفان، کیف، مستی کا ایک پیکر
اگرچہ تھی موت اُس پہ طاری دکھائی اُس نے نہ بیقراری
غشی کے عالم میں ذکر باری
زباں پہ ہر دم درود جاری

سیف زلفی

زینتِ منبر، فصاحت اور بلاغت کی زباں ذاکر آلِ محمدؐ نازشِ علم البیاں

جعفر رضا ترمذی

کوئی کلمہ ذکر اہل بیت سے خالی نہ تھا   دم لبوں پر تھا مگر قرآں سناتے ہی رہے

راحت نقوی

دے کے پیغام گئے سب کو یہ سید جعفر
زندگی ہی کی طرح موت سے ہم کرتے ہیں پیار
وقف ہیں سانسیں غم سبط پیمبر کیلئے
ہم پہ آتا ہے ہر اک دور میں اس غم سے نکھار

سید طاہر ناصر علی

خطابت اُن کو ملی تھی عجب فصیح و بلیغ   ہر ایک زاویہ تقریر کا نرالا تھا

مظفر نقوی

پہلی

مجلس

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ
مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم.
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن والصلوٰة والسلام على سيد الاولين والآخرين اشرف الانبياء والمرسلين خاتم النبيين شفيع المذنبين حبيب قلوب الصادقين رسول الله العالمين سيدنا ومولانا و طبيب نفوسنا وحبيب قلوبنا وشفيع ذنوبنا ابى القاسم محمدٌ واله الطيبين الطاهرين الغر الميامين المعصومين امابعد فقد قال اللّٰه الحميد فى الفرقان المجيد.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ. اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ. اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ. يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ. نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. (نور: ۳۵)

''اللہ کے نور کی مثال ایک ایسے چراغ کی ہے جس کی روشنی شب تار کو روز روشن کر دے گی۔ وہ چراغ جس کی حفاظت کیلئے شیشہ بھی ہے اور شیشہ اتنا شفاف گویا کہ وہ کوکب دُرّی ہے۔ روشن کیا جاتا ہے یہ چراغ ایک ایسے شجر طیبہ سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔ قریب ہے کہ روغن اُس چراغ کا روشن ہو جائے اگرچہ آگ نے اُسے چھوا بھی نہ ہو۔ سلسلہ نور پیہم ہے، متواتر ہے، بلافصل ہے، اللہ کے اُس نور کی طرف راہ وہی پائے گا جس کو خدا چاہے''۔

ذکر ہو رہا ہے اُس نور کا جس کی شعاعیں دلِ مومن میں جاگزیں ہیں۔ یہی وہ نور ہے جس سے کتابِ خدا پُر نور ہے۔ یہی وہ نور ہے جس کی شعاعوں سے دلِ مومن معمور ہے۔ معمورہ عالم اسی نور سے روشن ہے اور اسی نور سے روشن رہے گا۔

خداوند عالم اس آیہ مبارکہ میں اپنے روشن کیے ہوئے چراغ کی روشنی دکھا رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اللہ کے نور کی مثال ایک چراغ کی ہے۔ روشنی اُس چراغ کی اتنی تیز کہ رات کو دن بنا دے، ''المصباح فی زجاجہ''، جہاں اُس چراغ کی تابانیوں کا یہ عالم، وہاں اُس کی حفاظت کیلئے ہم نے شیشہ بھی قرار دیا ہے اور وہ شیشہ

گویا کہ کوکبِ دُرّی ہے۔

"یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ".

"یہ چراغ مبارک شجرے سے روشن ہوتا ہے جس کا زیت اُسی شجر میں موجود ہے"۔

"یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ".

یہ نور نار سے بالکل بے تعلق ہے۔ بغیر نار کے روشن ہو جانے والا ہے۔ آگ اُسے چھوتی نہیں۔ پھر نور بالا نور ہے۔ آخر میں فرما رہا ہے کہ:

"یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ".

"ہمارے اس نور تک راستہ ہی وہ پائے گا جس کو خدا چاہے گا"۔

ورنہ گمراہ۔ گمراہ کہاں راہ پر آئے گا؟

غرضیکہ حضرات! یہ ذکر اُس چراغ کا ہو رہا ہے کہ جس کی لَو خدا سے لگی ہوئی ہے۔ خداوند عالم کے دستِ قدرت سے جو چراغ روشن ہو، اُس کی روشنی کا اور اُس کی تابانی کا، کس کی زبان ہے جو ذکر کر سکے! ایک طرف آیۂ نور میں اُس چراغ کا ذکر، دوسری طرف خطابِ قدرت ہے کہ:

"یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا. وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا". (احزاب: ۴۵،۴۶)۔

"اے نبیؐ! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کی اجازت سے اُس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے"۔

خداوند عالم نے آپ سے پہلے جس نبی کا بھی ذکر کیا، قرآن پاک میں اُسے ہر جگہ نبی کہا مگر جب آخری نبی کا ذکر کیا تو نبی ایک جگہ بھی نہیں کہا۔ جب کہا "اَلنَّبِی"۔ لفظ نبی پر "ال" داخل کر کے کہا۔ اُن کو نبی کہا جو آپؐ سے پہلے تھے اور اِن کو النبی کہا۔

حضرات! حمد اور چیز ہے اور الحمد اور چیز ہے۔ حمد تو غیر خدا کیلئے بھی ہے۔ خدا کیلئے حمد نہیں ہے، الحمد ہے۔ ال آجائے حمد پر تو پھر نہ وہ کسی نبی کیلئے ہے، نہ کسی ولی کیلئے ہے۔ جیسے ہی الحمد نکلے زبان سے، فوراً کہئے للہ۔ الحمد تو بس اللہ کیلئے جو عالمین کا رب ہے۔ بڑا فرق ہے بیت میں اور البیت میں۔ ہر گھر بیت ہے، شاہ کا گھر ہو، گدا کا گھر ہو، فقیر کا گھر ہو، امیر کا ہو، چھوٹا ہو یا بڑا ہو، ہر گھر عالم کا بیت۔ بلکہ یہ کہوں کہ عالم کے بیت کا شمار ہو ہی نہیں سکتا۔ کتنے کچھ گھر ہیں، جتنے بھی گھر ہیں، سب گھر ہیں مگر جب البیت آجائے:

"وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ". (آلِ عمران:۹۷)

آیت میں حضرات بیتیہ نہیں ہے، بیت اللہ بھی نہیں ہے۔ بس البیت۔ لوگوں پر فرض ہے کہ وہ البیت کا حج کریں۔ اب خدا کی خدائی بھر میں وہ صرف ایک گھر۔ نہ وہ کسی نبی کا گھر ہے، نہ وہ کسی ولی کا گھر ہے۔ اُس سے مراد کعبے کے سوا اور کوئی گھر نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک مسیحی عربی لغت "المنجد" جس کا نام ہے، وہ تک بیان کرتا ہے کہ "البیت اسم من اسمائے کعبہ" البیت کعبہ کے ناموں میں سے اُس کا ایک نام ہے۔ تو ایک طرف البیت ہے، دوسری طرف اہل البیت ہیں۔

حضراتِ والا! خداوند عالم نے دونوں ہی کو شرف عطا کیا۔ البیت کے

بارے میں قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے کہ:

"فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ". (آلِ عمران: ۹۷)

"البیت میں ہماری آیاتِ بینات ہیں اور خصوصیت سے اُن آیاتِ بینات میں سے مقامِ ابراہیم لائقِ ذکر ہے"۔

البیت کا یہ شرف بیان کیا جارہا ہے:

"فیه آیاتٌ بیناتٌ"

اور اہل البیت کا یہ شرف بیان کیا جارہا ہے کہ:

"آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ". (عنکبوت: ۴۹)

آیاتِ بینات اُن کے سینوں میں ہیں جن کو العلم دیا گیا۔

البیت کا یہ شرف بھی بیان کیا ہے کہ:

"مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِناً". (آلِ عمران: ۹۷)

"جو وہاں داخل ہو گیا اور حاضر حرم ہو گیا، وہ ہماری امان میں پہنچ گیا"۔

جس طرح البیت کیلئے فرمایا گیا ہے کہ:

"مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِناً".

"جو وہاں پہنچا، وہ ہماری امان میں پہنچ گیا"۔ اسی طرح بارگاہِ اہل البیت کیلئے ہمارے اور آپ کے آقا سید المرسلینؐ نے ارشاد فرمایا:

"مثل اهل بيتي كمثل سفينة نوح من ركبها نجا".

"میرے اہل البیت کی مثال کشتیِ نوح کی مثال ہے، جو اس پر سوار ہو گیا، جو اس میں داخل ہو گیا، اُس نے نجات پائی"۔

حضرات! اُسی طرح سے مجھے یہ کہنے کا حق ہے کہ خداوند عالم کا یہ فرمان کہ:

"اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" (نساء:۵۹)

اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ خداوند عالم گوارہ نہیں کرتا کہ اس اُمت کو نبی سے بے نیاز کردے بلکہ خلاقِ عالم یہ چاہتا ہے کہ اگر کبھی ہم بیان کرنے لگیں تو پھر تمہیں نبی کی حاجت بالکل ہی نہ رہے گی۔ پھر تم بجا طور پر یہ کہہ سکو گے کہ بس یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ ہم تمہیں اپنے نبی سے بے نیاز نہیں کرنا چاہتے۔ تمہیں میری (خدا کی) بھی اطاعت کرنا ہے، تمہیں رسولؐ کی بھی اطاعت کرنا ہے بلکہ رسول کی اطاعت پر بھی تم اطاعت سے اور سننے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ تمہیں تو اولی الامر کی بھی اطاعت کرنا ہے۔

بے شک کتابِ خدا ایک مکمل اور جامع کتاب ہے۔ کیا کہنا اس کتاب کی جامعیت کا اور واقعاً اگر اس جامعیت کی بناء پر خداوند عالم یہ فرمادے کہ:

"مَافَرَّطْنَا فِی الْكِتَابِ مِن شَیْءٍ". (انعام:۳۸)

"ہم نے اس کتاب میں کسی بھی شے کی کمی نہیں رکھی"۔

کتاب کی جامعیت کا یہ عالم کہ اس کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں۔ ہر شے موجود ہے اور امام کی یہ شان کہ:

"كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ". (یٰسین:۱۲)

"ہم نے امامِ مبین میں ہر چیز کو جمع کردیا ہے"۔

امام بھی جامع کل شی اور کتاب بھی جامع کل شی۔ اب ہمیں کم کم جو کتاب میں نظر آتا ہے، بہت کچھ کتاب میں نظر نہیں آتا۔ اُس کی بناء یہی ہے کہ ہماری نظر

ظاہر پر ہے، باطن تک ہماری نگاہیں نہیں پہنچتیں۔ ہم ڈھونڈتے ہی رہے ہیں کہ پانچ نمازوں کی گنتی کس جگہ بیان کی گئی ہے قرآن مجید میں۔

نمازوں کی رکعتیں کہاں بیان کی گئی ہیں؟ زکوٰۃ کی مقدار آج تک ہماری نظر سے قرآن میں نہیں گزری بلکہ یہ تک نہیں ہے قرآن مجید میں کہ زکوٰۃ کس شے پر ہے اور کس شے پر نہیں۔ جب اشیاء کا یقین نہ ہو تو پھر یہ بات تو بعد کی تھی کہ کتنی چیز پر ہے، کتنی پر نہیں!

اس لئے ہمارے لئے حکم ہے کہ تمہیں اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور اُس کے رسولؐ اور اولی الامر کی بھی اطاعت کرنا ہے تا کہ مخلوقِ خدا کیلئے آسانی پیدا ہو جائے۔

اور حضرات والا! یہ بچہ بچہ سمجھ سکتا ہے کہ اطاعت ہمیشہ قول میں ہوا کرتی ہے۔ کہنا ماننے کا نام اطاعت ہے۔ جب کہنا ہی نہ سنیں گے، جس کی اطاعت کرنا چاہیں، ضروری قرار پائے گا کہ اُس کا پہلے کہنا سنیں کہ وہ کہتا کیا ہے۔ یہیں سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے احکام کیلئے جہاں قرآن کافی ہے، قرآن سے جہاں ہمیں احکام کو اخذ کرنا ہے، وہاں حدیثِ نبیؐ سے بھی احکام کو اخذ کرنا ہے اور جہاں احادیثِ نبویہ سے احکام کو اخذ کرنا ہے، وہاں ارشاداتِ اولی الامر سے بھی ہمیں احکام کو اخذ کرنا ہے۔

حضرات والا! ذکر البیت اور اہل البیت کا، کوئی گھر نہیں البیت، صرف ایک گھر ہے یعنی بیت اللہ۔ گھر ہونے میں وہ گھر ایک اور اُس البیت کے اہل ہونے میں وہ اہل بھی ایک۔

حضرات! مجھے آج تک ہر لمحہ اس بات کی حیرت ہوتی ہے کہ جب قرآنِ

پاک صرف البیت کہتا ہے۔ جن آیات میں بھی لفظ البیت آیا ہے، کسی نے بھی اُس کے سمجھنے میں دشواری محسوس نہیں کی۔ گھر گھر کسی نے نہیں تلاش کی کہ کونسا گھر مراد ہے؟ جب بھی قرآن نے البیت کہا، فوراً سننے والے نے سمجھ لیا کہ کعبہ کے سوا اور کسی گھر کا ذکر نہیں ہو رہا ہے۔ خانۂ خدا کے سوا اور کسی گھر کا ذکر نہیں ہو رہا ہے۔ تو کمال کی بات ہے کہ جب وہ صرف البیت کہے تو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور وہی کہنے والا اپنی اسی کتاب میں اگر کسی کو یہ کہہ کر پکارے کہ اے البیت کے اہل۔ اہل بیت نہیں ہے آیت میں۔ بیت کے اہل کو نہیں پکارا۔ البیت کے اہل کو پکارا ہے۔ اے البیت کے اہل! خدا چاہتا ہے کہ تم سے ہر رجس کو دور رکھے اور ایسا تمہیں پاک رکھے کہ جو پاک رکھنے کا حق ہے۔

کیا بھٹک رہا ہے انسانی ذہن کہ وہ تلاش کرتا ہے کہ جی گھر کے اہل میں تو زوجہ بھی ہوتی ہے۔ میں یہ پوچھتا ہوں، یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہوتی ہے۔

قدرت نے کائنات میں اپنا ایک گھر بنوایا، اُس کا نام رکھا ہے البیت۔ سادے سے سادہ نام اور خصوصیت کی انتہا۔ جہاں گھر بنایا تو اُس گھر کے اہل بھی قرار دیے۔ ظاہر ہے کہ اہل انہی کو قرار دیا کہ جو اہل تھے۔ آیت میں خداوند عالم نے البیت کا اہل کہہ کر پکارا ہے۔ جب وہ البیت کہتا ہے تو کسی کو سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ وہی لفظ ہے، اُسی کی نسبت سے کہا جا رہا ہے۔ اے البیت کے اہل! خدا چاہتا ہے.........

حضرات! میں اس مقام پر بہت سادگی سے ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ باب افعال کا ایک مصدر ہے جسے ہم دن رات بولا کرتے ہیں، ارادہ۔ جتنے بھی مشتق

بنتے ہیں، وہ سب مصدر ہی سے بنا کرتے ہیں۔ ماضی اس کی اَرَادَ ہے، مضارع اُس کا یُرِیْدُ ہے، اسم فاعل اس کا مُرید ہے اور اسمِ مفعول اس کا مراد ہے، یُرِیْدُ اللّٰہ۔

اللہ فاعل ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خداوند عالم پاکیزگی اہلِ بیت کا مرید ہے۔ ان کی پاکیزگی کا وہ مرید ہے اور ان حضراتؑ کی پاکیزگی اللہ کی مراد ہے۔ مرادِ خدا ہے۔ مراد وہ جو چاہا جائے اور مرید وہ جو چاہے۔

تو چاہنے والا خدا ہے اور چاہی ہوئی چیز انؑ کی پاکیزگی ہے۔ مرید انؑ کی طہارت کا خدا ہے اور طہارت انؑ کی خدا کی مراد ہے۔ ہر ایک کی مراد جو عطا کرتا ہے (خدا) اُس کی مراد ہے کہ یہ ایسے پاک و پاکیزہ رہیں کہ جو حق ہے پاک ہونے کا۔ کون سی چیز حائل ہو سکتی ہے اللہ کی مراد میں۔ خدا چاہتا ہے اور چاہتا رہے گا۔ اُس کی مراد حاصل ہی رہے گی۔ کوئی رجس ایسا ہو نہیں سکتا جو ان میں ہو اور کوئی پاکیزگی ایسی ہو نہیں سکتی جو ان میں نہ ہو۔ ہر رجس سے بری ہیں یہ اور ہر پاکیزگی کے حامل ہیں یہ۔

رجس کے لفظ کے بارے میں بڑی بحثیں ہیں بحث طلب حضرات کے درمیان۔ رجس کہتے کس کو ہیں؟ کسی نے کہا کہ کفر ہے رجس۔ کسی نے کہا کہ نجاست ہے رجس۔ کسی نے کہا کہ گناہ ہے رجس۔ پھر یہ بھی بحث ہے کہ کبیرہ ہے رجس یا صغیرہ ہے رجس یا کبیرہ اور صغیرہ دونوں ہیں۔

کسی نے کہا کہ شکوک و شبہات بھی رجس ہیں۔ کسی نے کہا کہ کنجوسی بھی رجس ہے۔ کسی نے کہا کہ میدان میں پہنچ کر بزدلی بھی رجس ہے۔ بہر حال رجس کے بارے میں بڑی بڑی بحثیں ہیں۔ میں ان تمام بحثوں کو ختم کرتے ہوئے اکثر یہ کہا

کرتا ہوں کہ ہم اس بحث میں پڑیں کیوں؟ قدرت نے فیصلہ کر دیا ہے عنکم کہہ کر:

عن للبعد والتجاوز ... للبعد والتجاوز"۔

عن ہمیشہ دوری اور جدائی ظاہر کرنے کیلئے آیا کرتا ہے۔ کیوں اس بحث میں پڑیں کہ رجس کسے کہتے ہیں۔ جو دور ہے، وہی رجس ہے۔ صلوٰۃ

جو اہلِ بیتؑ سے دور ہے، وہی رجس۔ دور جو رہے گا، وہی رجس۔ جو مقولہ انؑ سے دور رہے گا، وہ قولِ رجس ہے۔ جو فعل ان سے دور رہے، وہ فعلِ رجس۔ جو عقیدہ ان سے دور ہے، وہ عقیدہ رجس۔

تو جو شخص انؑ سے دور ہے، اگر وہ رجس نہ ہوتا تو ان سے دور کیوں ہوتا؟ رجس انؑ سے دوری کا نام ہے۔ رجس ہمیشہ انؑ سے دور رہے گا۔ یہاں تک دور رہے گا کہ اگر کسی کی فطرت میں بھی رجس ہوگا تو وہ ان کی محبت کا بار نہیں اٹھا سکتا۔ وہ انؑ کا محب نہیں ہو سکتا۔ صلوٰۃ

آپ کو حیرت ہوگی کہ سنی عالم سلیمان قندوزی سرکارِ رسالت کا یہ بیان نقل کر رہے ہیں کتاب "ینابیع المودۃ" میں کہ سرکارِ دو عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے دل میں میرے اہلِ بیتؑ کی محبت پا رہا ہو، اُسے اللہ کے اس فضل کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ میری پیدائش پاکیزہ ہے۔ صلوٰۃ

رجس کے معنی یہ ہیں کہ فطرت میں اگر کسی کے نجاست ہے، تخلیق اگر اُس کی غیر فطری ہے تو ذرّہ نجاست بھی اگر اس کے دل میں ہے تو یہ حضرات ایسے پاک و پاکیزہ ہیں کہ ان کی محبت بھی پاک ہی جگہ چاہتی ہے۔ اگر جگہ ہی پاک نہیں ہے تو محبت بھی اُس جگہ پر نہیں۔ کیسے طیب ہیں اور کیسے طاہر! نہ ایسا پاک کوئی ان سے پہلے

اور نہ ایسا پاک ان کے بعد کوئی ہے۔ اگر ان سے بہتر پاک کوئی ہستی ہے تو وہ خدائے پاک ہے ورنہ قصہ پاک ہے۔ صلوٰۃ

حضرات! میں بیان کر رہا ہوں کہ ایسے پاک، ایسے طیب اور ایسے طاہر۔ کارخانہ ایجاد میں کچھ بھی نہ تھا ذاتِ احدیت کے سوا۔ خداوند عالم نے سب سے پہلے ظلمت عدم کو کافور کرنے کیلئے ایک چراغ روشن کیا۔ وہ چراغ دستِ قدرت کا شاہکار قرار پایا۔ چراغ پر قدرت کو ناز رہا۔ ایسا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے کہ اُس چراغ کو آنکھوں کے سامنے رکھ رکھ کر کہنا شروع کیا قدرت نے کہ میں وہ ہوں جس نے ایسا چراغ روشن کیا۔

حاضرین! درمیانِ کلام میں کہتا چلوں کہ چراغ ایک مثال ہے۔ لہٰذا قدرت نے اُس کے تمام اجزاء کا ذکر کیا۔ جہاں لو کو واضح کیا کہ وہ اتنی روشن ہے کہ "اَلْمِصْبَاحُ" صبح کر دینے والی، رات کو دن بنا دینے والی۔ وہاں فوراً کہا کہ:

"اَلْمِصْبَاحُ فِیْ الزُّجَاجَۃِ".

چراغ کی لو کی حفاظت کیلئے ہم نے شیشہ بھی مقرر کیا اور شیشہ بھی معمولی قسم کا نہیں بلکہ شانِ شایانِ چراغ۔

"کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ".

"گویا کہ وہ شیشہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے"۔

یہ حضرات کونسا چراغ ہے۔ وہی چراغ ہے نا:

"وَسِرَاجاً مُّنِیْراً".

"رسولؐ! ہم نے تم کو چراغ منیر قرار دیا ہے"۔

جب چراغ، چراغِ رسالت ہے، حفاظت کیلئے شیشہ ہے، شمشیر ہے یہ کہ جیسے ہر چراغ کی حفاظت شیشے کی بدولت ہوتی ہے، ویسے ہی ہم نے چراغِ رسولؐ کی حفاظت کیلئے شیشہ بھی بنایا ہے۔ چراغ تو رسولؐ ہیں، شیشہ کون ہے؟ اُس شیشے سے مراد کیا ہے؟

کہنے کو دل چاہتا ہے حضرات کہ شیشے کے دو کام ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ تیز وتند ہوائیں چلیں، چراغِ نور بجھانے کیلئے لپکیں، شیشے کا یہ کام ہے کہ سینہ سپر رہے۔ اپنے سینے پر لے اور لو تک نہ پہنچنے دے۔ چراغ کی مکمل حفاظت کر رہا ہے۔ ہر بلا کو توڑ رہا ہے۔ اپنے اوپر لے رہا ہے۔ مگر لو تک کسی شر کی آنچ نہ آنے دیتا ہو۔ ایک تو یہ کام ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ سوچئے گا کہ دوسرا کام بھی ہے۔

اگر محض حفاظت ہی مراد ہو تو پتھر کا بھی شیشہ چڑھایا جاسکتا ہے، لوہے کا بھی، تانبے کا بھی۔ مگر ایسے شیشے کا کیا فائدہ کہ چراغ کی روشنی ہی ختم ہو جائے۔ جو مقصدِ چراغ ہے، وہی فوت ہو جائے۔ لہٰذا شیشے کا دوسرا کام یہ ہے کہ روشنی چراغ سے خود حاصل کرے اور چاروں طرف پھیلائے، خود منور ہو ہو کر۔

چنانچہ حضرات! تمثیل میں جو لطافت ہے، تمثیلِ الٰہی ہے جس کی، لطافت پر نظر ڈالئے گا۔ خود روشن ہو کر بلکہ بعض اوقات تو یہ دیکھا گیا ہے کہ جب تک چراغ بے شیشے کا ہے، روشنی مدھم ہے اور جہاں شیشہ رکھا گیا، روشنی تیز ہو گئی۔ آیتِ قرآنی بھی یہی کہتی ہے:

وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ. (انشراح: ۲)

جاسکتا۔ یہاں تک کہ اگر چراغ بھی اپنے شیشے سے کہنے لگا کہ "یا علیؑ! تم بھی کیوں نہیں چلے گئے؟"

یہ جنگِ اُحد کا ذکر ہے۔ میرے خیال میں یہ سوال سرکارؐ کا اس بناء پر تھا کہ علیؑ کا جواب جو آئے، وہ رہتی دنیا تک رہے اور سننے والے سنتے رہیں۔

"اا کفر بعد الایمان"۔

"کیا میں مؤمن ہونے کے بعد کافر ہو جاتا"۔

اور کمال کی بات یہ ہے کہ علیؑ کا یہ بیان تمام مکاتبِ فکر کے اکابر بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ میں مؤمنیت چھوڑ کر کیا کافر ہو جاتا؟" سرکارِؐ دو عالم کو یہ جواب علی مرتضیٰؑ نے دیا۔ مگر سرکارؐ نے علیؑ کے لبوں پر ہاتھ نہیں رکھا کہ علیؑ یہ تم کیا کہہ گئے اور کس کس کیلئے کہہ گئے۔ بہت سخت کہہ گئے۔ سرکارؐ نے اس جواب کو سن کر قبول کر لیا۔ اب یہ الفاظ علی علیہ السلام کے نہ رہے، رسولؐ کے ہو گئے۔ اُس کے بعد کتنا حسین جملہ ہے جواب میں مولائے کائنات عرض کر رہے ہیں:

سرکارؐ! میں اس میدان میں جانے والوں کی وجہ سے تو نہیں تھا۔ میں تو آپؐ کی وجہ سے ہوں (جہاں چراغ وہیں شیشہ)۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ چلے جائیں تو میں بھی چلا جاؤں۔ مرا بہ یاران مفرور چہ۔ مفرور لوگوں سے مجھے کیا؟

کوئی کرار نظر آرہا ہے اور کوئی فرار نظر آرہا ہے۔ یہ میرے غور و فکر کے جملے ہیں، میں کسی کی نقالی کبھی نہیں کرتا۔ یہ کرار غیر فرار ایسے جملے ہیں، یقین کیجئے گا کہ عربی زبان میں اس وزن پر ہمیشہ پیشہ وروں کے نام آتے ہیں کہ جیسے تجار۔

فرض کر لیں اگر میں اتفاق سے اپنے گھر کی کوئی چیز بیچ دوں تو میں تاجر نہیں

کہلا سکتا، اس لئے کہ یہ میرا پیشہ نہیں ہے۔ یہ جتنے بھی لفظ اس وزن کے آپ کو ملیں گے، میں دس بیس گنوا سکتا ہوں۔ یہ سب پیشہ وروں کے نام ہیں۔ پیشہ وروں سے میرا مطلب یہ ہے کہ جن کا کاروبار یہی ہو۔ جن کا لیل ونہار یہی ہو۔ حجامت بنانے والوں کو حجام، بڑھئی کیلئے نجار۔

ایک آدھ مُردہ کسی ضرورت سے اگر ہم نہلا لیں، ہمیں غسال نہیں کہا جا سکتا۔ لوہار حداد کہلائے گا۔ نائی کو حلاق بھی کہیں گے۔ درزی کو خیاط کہیں گے۔ میں تو آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ نام ہیں پیشہ وروں کے۔ حد تو یہ ہے کہ قدرت کے بھی تو کچھ نام اسی وزن پہ ہیں کہ خلاق کہا جا رہا ہے خداوند کو اور خود اُس نے بھی اپنے آپ کو خلاق کہلوایا ہے تو اگر دو چار پیدا کئے ہوتے اُس نے تو خلاق نہ کہلواتا اور اگر دو چار گنہگاروں کو اُس نے بخشا ہوتا تو غفار نہ کہلواتا۔ غفار اس لئے کہلاتا ہے کہ اُس کا پیشہ ہے مغفرت کرنا۔ یہ اُس کا مستقل کام ہے۔ پیدا کرتے رہنا اُس خالق کا مستقل کام ہے۔ وہ رزاق ہے۔ اگر دو چار کو وہ روٹی کھلاتا تو رزاق کہلانے کا مستحق نہیں تھا۔ روزی رسانی اُس کا پیشہ ہے۔ یہ لفظ ہمیشہ وہاں آئے گا جہاں یہ کام ابتداء سے لے کر انتہا تک مستقل ہو رہا ہو۔ اگر وہ کام غیر مستقل ہے تو یہ الفاظ نہیں استعمال کئے جائیں گے۔

اب مجھے بتلایئے کہ کرار کون ہے؟ دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر ایک آدھ لڑائی کے میدان میں کوئی ثابت قدم رہ گیا تو وہ کرار نہیں کہلا سکتا۔ ایک آدھ جگہ پہ ثباتِ قدم کی بناء پر وہ کرار نہیں کہلا سکتا۔ اگر کوئی بدنصیب ایک آدھ موقع پر بدرجۂ مجبوری، بھیڑ پڑ جانے پر بھاگ نکلا ہو تو وہ بھاگا تو ضرور ہے مگر اُسے آپ فرار نہیں کہہ

سکتے۔ فرار وہ ہے جس کا پیشہ ہی فرار ہو۔ پیشہ اگر فرار ہے مستقل تو وہ فرار ہے اور اگر پیشہ ثابت قدمی ہی ہے مستقل تو وہ کرار ہے۔ صلوٰۃ

واضح لفظوں میں کہہ دوں کہ کرار وہ ہے جس نے کبھی میدان نہ چھوڑا ہو اور فرار وہ ہے جو کبھی میدان میں نہ ٹکا ہو۔

میں ہر چیز کو الگ الگ رخ سے دیکھنے کا خوگر ہوں۔ کرار کس کو کہا جا رہا ہے؟ جو کل کا علمدار ہے۔ وہ کون ہے اور کیا ہے؟ وہ چراغ وحدت کا شیشہ ہے۔ وہ اللہ کی حجت ہے۔ وہ نورِ کردگار ہے۔ وہ اللہ کا بھی ولی ہے اور بندگانِ قدرت کا بھی ولی ہے۔ اس کی نسبت دو طرفہ ہے۔

''اِنَّمَا وَلِیُّکُم'' ہمارا ولی ہوا اور ''اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ'' اس آیت کی رو سے ہمارا بھی ولی۔ بلند کے مقابلے میں آتا ہے تو معنی ولی کے پست ہو جاتے ہیں اور پست کے مقابلے میں آتا ہے تو معنی اس کے بلند ہو جاتے ہیں۔ خدا کے زیر میں ہے اور ہمارے زبر میں ہے۔ ولی اللہ بھی ہے اور ولی المومنین بھی ہے۔

آپ نے کبھی بھی یہ سوچا ہے تنہائی میں، یہ الفاظ جو سرکارِ دو عالم نے ہمنامِ خدا کیلئے کہے، اپنے قوتِ بازو کیلئے کہے۔ یہ علیؑ کے شایانِ شان تھے بھی یا نہیں۔ بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہو اور کہا جائے کہ فرار نہیں ہے۔ میں اس رخ پر سوچا کرتا ہوں کہ یہ لفظ کیا شایانِ شان ہیں؟ کہاں علیؑ کا یہ مقام کہ نورِ کردگار، حجتِ پروردگار، صاحبِ ذوالفقار اور کہاں یہ لفظ کہ وہ فرار نہیں ہیں۔

اگر کسی عالم کیلئے آپ یہ کہیں کہ یہ چور نہیں ہے۔ بات تو صحیح ہے مگر آپ اپنے کسی عالم کی مدح کیلئے کب یہ کہیں گے کہ چور نہیں ہے۔ عالم کیلئے یہ کہنا اس کی

مدح نہیں ہے بلکہ یہ اُس کی توہین ہے۔ کسی مؤمن کامل کیلئے یہ کہنا کہ یہ ڈاکو نہیں ہے، یہ دغاباز نہیں ہے، یہ شرابی نہیں ہے۔ یہ کوئی تعریف کی باتیں ہیں؟ معمولی لوگوں کیلئے جب یہ باتیں اعزازی نہ ہوں، توہین کا سبب ہوں تو علی مرتضیٰؑ کیلئے سرکارؐ کا یہ فرمانا کہ "کل میں علم مرد کو دوں گا، کرار کو دوں گا جو فرار نہیں ہے، اُسے دوں گا"۔ یہ کیا علیؑ کے شایانِ شان ہیں؟ مگر کہے اور کہے رسولؐ نے تو بے وجہ نہیں کہے ـــــ بے شک اگر ہم کسی مجتہدِ اعظم کی شان میں یہ کہیں کہ یہ مجتہد ہمارے ڈاکو نہیں ہیں، چور نہیں ہیں، گرہ کاٹ نہیں ہیں۔ یہ توہین تو ہے مجتہد کی لیکن کب یہ لائق ہوں کہ اگر یہ ہو کہ جو عالم نظر آئے، وہ ڈاکو، جو عالم کہلائے وہ ڈاکو۔

اب چوری چکاری کرنا عالموں نے اپنا پیشہ بنالیا ہو، جو بھی نظر آتا ہے چور اور ڈاکو، تو اب ایک رہ گیا مستثنیٰ۔ جب ایک مستثنیٰ ہوگا اس ماحول میں تو ہمیں یہ کہنے کا حق ہوگا کہ یہ عالم جو ہے یہ چور نہیں ہے۔ یعنی اصل میں اُسے کہنا نہیں ہے کہ یہ چور نہیں ہے بلکہ اوروں کو چور کہنے کیلئے۔ یہ لفظ اصل میں ماحول نے کہلوائے ہیں۔ اگر ماحول بگڑا ہوا نہ ہوتا تو ان لفظوں کی کوئی ضرورت نہیں، یہ الفاظ نہ کہے جاتے۔

علم تو آپؐ نے اور غزوات میں بھی دیئے ہیں علیؑ کو۔ اُن غزوات میں بھیجے ہوئے تو حضورؐ نے نہیں کہا کہ یہ غیر فرار ہیں۔ غیر فرار تو ہونا ہی چاہیے۔ آج ہی کیوں کہا؟ دراصل یہ الفاظ ماحول نے کہلوائے۔ خدا جانے کیا کہنا چاہتے ہیں سرکارؐ دو عالم، کس کس طرف کا اشارہ ہے؟

بات یہ ہے کہ کئی دن سے بحث چل رہی ہے کہ آیا فوج کی خطا ہے یا علمدار کا قصور ہے۔ شام کے وقت لشکر واپس آتا ہے تو حالت یہ ہے کہ لشکر کہتا ہے کہ ہم کیا

کرتے، علمدار ہی کام کا نہیں تھا۔ علمدار یہ کہتا ہے کہ میں کیا کرتا، لشکر ہی کام کا نہیں تھا۔ اِس کا الزام اِن پر ہے اور اُن کا الزام اُس پر ہے۔

صاحبِ خُلقِ عظیم خاموش ہے۔ سرکارؐ نے اپنی زبان سے نہ کسی کی تعریف کی اور نہ کسی کی تردید کی۔ خاموش رہے اور خاموشیوں کے بعد ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اگر سرکارؐ فوج بدل دیں تو ثابت ہوگا کہ سرکارؐ نے فوج کو قصوروار سمجھا تھا۔ اگر فوج وہی رکھیں، علمدار بدلیں تو ثابت ہوا.....

میں اس کا ترجمہ یوں کرتا ہوں کہ سرکارؐ یہ فرما رہے ہیں کہ کل علم میں دوں گا۔ خود کسی کا علم اٹھا کر لے جانا اور بات ہے اور نبی کا اپنے دستِ کرم سے علم کو دینا اور بات ہے۔ پایا جاتا ہے حقیقتوں کو، سرکارِ دو عالم سخت علیل تھے۔ دردِ شقیقہ آپ کو عارض تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ علم کبھی وہ لے کر چلا گیا، کبھی یہ اٹھا کر چلا گیا اور اسی حالت میں سرِ شام جو فریاد ہوتی تھی، فوج کی علمدار کے بارے میں اور علمدار کی فوج کے بارے میں۔ وہ آپ کو سننی پڑتی تھی۔

آپؐ نے فرمایا کہ خود علم لے جا لے جا کر اپنے اوپر بھی کوہِ اَلَم ڈھا رہے ہیں اور مجھے بھی المناک کر رہے ہیں تو کل میں انتظام خود کروں گا۔ کل میں علم دوں گا جس کا حق ہے، اُسے دوں گا یا یوں کہوں کہ جو حق ہے اُسے دوں گا:

"عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ"۔

اگر ماحول بگڑا ہوا نہ ہوتا تو ان الفاظ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ کل منظر یہ ہوگا کہ حق کے ہاتھ میں علم ہوگا۔ حق بحقدار رسید۔ پھر فرماتے ہیں کہ کس کو دوں گا؟ رَجُلًا۔ تو جناب! کیا اسلامی لشکر میں، جہاد میں مستورات بھی شریک کی گئی ہیں؟ لشکر

بھی اسلامی مردوں ہی کا ہو تو علمدار بھی تو مرد ہی ہوگا۔ پھر یہ لفظ ''رجلا''، جو آپؐ نے فرمایا۔ کل میں علم دوں گا مرد کو۔

جنابِ والا! یہاں جو لفظ مرد آیا ہے، تو یہ بیانِ نوع کیلئے نہیں آیا ہے۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کو نہیں، مرد کو علم دوں گا بلکہ مردوں کے مقابلے میں مرد بولا گیا ہے۔ اسی لئے لقب شاہِ مرداں۔ شاہِ مرداں اسی لئے لقب دیا ہے۔

کیا کہنا اس پاکیزگی کا! اس لئے عربی میں ضرب المثل ہے کہ ''لِلحُرُوْبِ رِجَال''۔

حضرات! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ رجل کے بعد جتنے الفاظ ہیں، وہ رجل کے معنی بتانے کیلئے ہیں کہ رجل کسے کہتے ہیں؟ جو کرار ہو، کرار ہوتا کون ہے؟ جو غیر فرار ہو۔ حضرات! غیر فرار ہوتا کون ہے؟ جس کے دل میں محبتِ خدا اور رسولؐ ہو۔ مجھے یہ جملہ کہنا ہے کہ جو ثابت قدم رہتا ہے، وہ بھی کسی کی محبت ہی میں اور جو جاتا ہے، فرار ہوتا ہے، وہ بھی کسی کی محبت ہی میں ہوتا ہے۔

محبت سے خالی کوئی نہیں۔ ثباتِ قدم بھی بر بنائے محبت ہے اور فرار بھی بر بنائے محبت ہے۔ رخ محبت کے الگ الگ ہیں۔ ثباتِ قدم کی بنائے محبت، محبتِ ایمان ہے۔ فرار کی بنائے محبت، محبتِ جان ہے۔ جان سے جسے محبت ہے، وہ بھاگے گا اور ایمان سے جسے محبت ہے، وہ ثابت قدم رہے گا اور ایمان سے اُسے کس درجہ محبت ہوگی، جو خود کلِ ایمان ہو۔ صلوٰۃ

جنابِ والا! اگر آپ تصورِ صادق سے کام لیں، جہاد کے میدان میں بھی جا رہے ہیں۔ نا ایمان والا بھی جا رہا ہے اور ایمان والا بھی جا رہا ہے۔ تو میرا تو یہ

اندازہ ہے کہ جو بھی جا رہا ہے، وہ ایک ہی چیز لے کر جا رہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ جو جان بیچ چکا ہے، وہ ایمان لے کر جا رہا ہے اور آخر جو بھاگ رہا ہے، وہ جان ہی بچانے کیلئے تو بھاگ رہا ہے اور جو لڑ رہا ہے، وہ کیوں لڑ رہا ہے؟ جان کا خطرہ تو ہے، وہ کیوں لڑ رہا ہے، محبت ایمان کی وجہ ہے۔ ایمان ٹھہراتا ہے، جان بھگاتی ہے۔

جو ایمان بیچ چکا ہے، وہ جان لے کر جا رہا ہے۔ اس کے پاس ہے تو ایک چیز ہے، دوسری وہ بیچ چکا ہے۔ اُس کے پاس بھی ایک چیز ہے، آپ یہ چاہتے ہیں کہ دو میں سے ایک چیز تو وہ بیچ چکا ہے۔ اب ایک چیز اُس کے پاس رہ گئی ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جو ایک چیز رہ گئی ہے، کیا وہ بھی دیدے۔

لہٰذا جس کے پاس اکیلا ایمان ہے، وہ ایمان کو بچا رہا ہے اور جس کے پاس تنہا جان ہے، وہ جان کو بچا رہا ہے۔

کمال ہے حضرات اعتمادِ پیغمبرؐ کا ذاتِ علیؑ پر، رسالت ضمانت کر رہی ہے ان کی کراری کی، غیر فراری کی۔

اور اس رخ پر جملہ کہوں گا کہ کمال ہے حضرات اعتمادِ الٰہی کا ذاتِ حسینؑ ابن علیؑ پر۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی وحدانیت، رسولؐ کی رسالت اور آئمہ کی امامت پر مہر تصدیق ثبت کرنے کو حسین علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کو چن لیا اور اس اعتماد کے ساتھ چن لیا کہ اب امتحان کتنی ہی شدت کا ہو، اُنؑ کا پایۂ ثبات میں لغزش کا کوئی امکان نہیں۔

آسان ہے حضرات وہ امتحان جس میں واحد اپنی جان کی قربانی سروکار ہو۔ امتحان کی شدت میں اپنی اولاد، اعزاء و اقارب کی شمولیت سے اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے

اور پھر اُن طیب وطاہر ہستیوں کیلئے جن پر" اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَ کُمْ تَطْھِیْراً "کا نزول ہوا ہو، اپنی پاک وپاکیزہ مخدراتِ عصمت کو میدانِ عمل وامتحان میں پیش کر دینا، یہ طرۂ امتیاز ایسی ہی ہستی کا ممکن ہے، جو منصب الٰہی کے بلند ترین درجات پر فائز ہو۔

اللہ، اللہ۔ وہ نبی کی نواسیاں، علیؑ کی بیٹیاں جن سے شرفِ ملاقات کیلئے، دینی اُمور کی تعلیم کیلئے، زنانِ عرب مشتاق اور اجازت کی طلبگار رہتی تھیں، اب وہ زینبؑ اور کلثومؑ ہیں، کوفے کا بازار ہے، شام کا دربار ہے، اب کسی کو اجازت درکار ہے نہ کوئی رکاوٹ حائل ہے۔

دوسری
مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ. اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ، اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ، یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ، نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ. (النور:۳۵)

کتنی مفصل ہے یہ آیت اور کتنا مدلل ہے یہ بیان۔ یہ نہ سمجھے گا کہ یہاں تک پہنچ کر ذکرِ نور ختم ہوگیا۔ جتنی آیت میں پڑھ رہا ہوں اُس سے زائد حصہ اُس کے بعد بھی ہے۔ کلام کی قدر اُس کو ہو سکتی ہے جو متکلم کے لب ولہجہ سے واقف ہو۔ جب تک کوئی یہ نہ جانے کہ بولنے والا کس انداز میں بولتا ہے، زیادہ بولتا ہے یا کم بولتا ہے۔ اندازِ کلام پر جب تک نظر نہ ہو، کلام کی قدر نہیں ہو سکتی۔ پروردگارِ عالم وہ کم گو ہے کہ بڑی سے بڑی بات کو ایک دو لفظوں میں ختم کر دیتا ہے۔

کہاں گنائیں اُس نے نماز کی رکعتیں، کہاں ذکر کیا اُس نے زکوٰۃ کس شے پر ہے، کس مقدار پر ہے، کس مقدار میں ہے۔ بس اقیموا الصلوٰۃ کہہ کر کتابِ صلوٰۃ کو ختم کر دیا۔ اتوا الزکوٰۃ کہہ کر کتابِ زکوٰۃ کو ختم کر دیا۔ بڑی سے بڑی بات کو دو لفظوں میں کہہ کر ختم کرنے کا جو خوگر ہو، اگر وہ کسی بات کو مفصل بیان کرے تو کہنا پڑے گا کہ:

لطیف بود حکایت طویل تر گفتند

خدا جانے کہ مدحِ آلِ محمدؐ خدا کی نظر میں کتنی اہم ہے کہ جب یہ مدح زبانِ

بے زبانی قدرت پر آتی ہے، حرفوں میں اختصار نہیں رکھا جاتا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ نماز اور چیز ہے، روزہ اور چیز ہے اور ذکرِ آلِ محمدؑ اور چیز ہے۔ (صلوٰۃ)

یا یہ کہہ دوں کہ قرارداد قدرت یہ ہے کہ فروع کی تفصیل نبیؐ سے پوچھو، اصول مجھ سے پوچھو۔ ذکرِ آلِ محمدؑ اگر فروع میں ہوتا تو جس انداز میں قدرت نے ہر فرع کا مختصر ذکر کیا، ان کا ذکر بھی مختصر رکھتا۔ اصولِ دین اور ہیں، فروعِ دین اور ہیں۔

آیت آپ کے سامنے ہے اور خداوند عالم اپنے دستِ قدرت سے روشن کئے ہوئے چراغ کی تابانیوں کا ذکر کر رہا ہے۔ میں ابتداء میں ایک جملہ کہوں گا کہ مالک الملک ہے حضرات، اُس کی ذات، کونسی شے ہے جو اُس کی مِلک سے خالی ہے۔ کونسی شے ہے جس کا وہ مالک نہ ہو۔ بندے سب خدا کے، گھر سب خدا کے، روح اُس کی، ہر شے اُس کی ہے۔ لیکن وہ ہر شے کو اپنا کہتا نہیں ہے۔ کتنے ناقے ہوں گے اس دنیا میں مگر ایک ناقہ ہے جسے اُس نے اپنا کہا۔ کتنے گھر ہوں گے مگر ایک گھر جسے قدرت نے اپنا گھر کہا۔ سب خدا کے بندے ہیں مگر ہر ایک کو تو خدا نے اپنا بندہ نہیں کہا۔ گنے چنے ہیں جنہیں خدا نے اپنا بندہ کہا۔

یاد رکھیئے یہ جملہ کہ جب کسی کو اپنا کہہ دیا پھر نہ اُس کے لئے کسی اور لقب کے بیان کرنے کی ضرورت ہے، نہ کسی خطاب کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت ہے۔ بس:

نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ..... سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ... اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا..... فَاَوْحٰی عَلٰی عَبْدِہٖ.

یہ مقامِ عبدیت اتنا بلند مقام ہے کہ سید الانبیائے والمرسلینؐ کیلئے بار بار اس

لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور پھر آپؑ کے بعد ہیں قدرت کی نظر میں ایسے مقبول بندے جو آپؑ ہی کی طرح سے اس لفظ کے مستحق ہیں۔ سورۂ ھل اتٰی ہے اور خداوند عالم ارشاد فرمارہا ہے کہ:

عَیْناً یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ.

اس لفظ سے خداوند عالم نے سورۂ ھل اتٰی کے موصوفین کا ذکر شروع کیا۔ ہر بندے کو اپنا بندہ نہیں کہتا۔ ہر روح کو اپنی روح نہیں کہتا۔ ہر گھر کو اپنا گھر نہیں کہتا۔ ہر ناقے کو اپنا ناقہ نہیں کہتا اور آگے بڑھ کر یہ کہوں کہ ہر نور کو اپنا نور نہیں کہتا۔ حالانکہ اُس کا کسی شے کو نور کہہ دینا کمال ہے اُس شے کا۔ لیکن کمال بالائے کمال تو یہ ہے کہ نور کہنے پر اکتفانہ کرے بلکہ نورانیت کی معراج یہ کہہ کر عطا کرے کہ میرا نور ہے۔

جا بجا ایک نور ہے جس کو خداوند عالم نے اپنا نور کہا۔ آپ کے ذہن میں ہوگا کہ اگر ایک ناقہ کو خداوند عالم نے اپنا ناقہ کہہ دیا ہے تو وہ تمام نوعِ انسانی کیلئے واجب الاحترام ہے۔ کعبہ کی تعمیر اجزائے خاکی ہی سے ہوئی ہے مگر جب وہ قدرت کے قرار پاگئے تو قبلۂ انام ہو گئے۔

روحیں اُس کی پیدا کی ہوئی ہیں مگر روح اللہ ہر روح کو نہیں کہا جاتا۔ خداوند عالم نے آفتاب اور ماہتاب کا ذکر فرمایا ہے۔

جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْراً. (یونس:۵)

"میں نے آفتاب کو ضیاء قرار دیا ہے اور چاند کو نور قرار دیا ہے"۔

مگر ضیاء ضرور کہا آفتاب کو، نور ضرور کہا قمر کو، یہ نہیں کہا کہ میری ضیاء ہے۔ نور کہا قمر کو مگر یہ نہیں کہا کہ میرا نور ہے اور اگر کہہ دیتا قمر کو کہ میرا نور تو پھر بندوں کی

رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ کہتا چلوں یہ جملہ کہ ضیاء ہونا تو آسان ہے مگر ضیاء اللہ ہونا ہر ایک کا نصیب نہیں۔ نور ہونا تو آسان ہے مگر نور اللہ ہونا کمال ہے۔ خداوند عالم نے اس آیت میں اُس چراغ کا ذکر کیا جس کو قدرت نے اوّل مخلوق قرار دیا۔ (صلوٰۃ)

سب سے پہلے اس چراغ کو خداوند عالم نے روشن کیا اور قیامت تک روشن رہنے کیلئے روشن کیا۔ یہ وہ چراغ ہے کہ صدیاں گزرتی جائیں، زمانے گزرتے جائیں مگر اس چراغ کی روشنی کم نہ ہوگی۔ پائیدار نے پائیدار کو پیدا کیا ہے۔

قدیم نے اس نور کو رہنے کیلئے پیدا کیا۔ میرے سامنے ایک جلوہ آجاتا ہے کہ جب خدا کے اور اُس چراغ کے سوا کچھ نہ تھا اور یہ چراغ کی بات تو اس وقت ہو رہی ہے جب چراغ پیدا کر لیا ورنہ چراغ سے پہلے خداوند عالم بصیر تو تھا مگر دیکھا کسی کو نہیں تھا۔ سمیع تو تھا مگر اس چراغ سے پہلے قدرت نے کسی کی آواز کو سنا نہیں تھا۔ سب سے پہلے قدرت نے اگر دیکھا تو اس چراغ کو دیکھا۔ سب سے پہلے قدرت نے آواز سنی تو اس چراغ کی سنی۔ سب سے پہلے بصیر نے (خدا نے) انہیں دیکھا اور سب سے پہلے اس چراغ نے قدرت کو دیکھا۔ (صلوٰۃ)

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ:

کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا

مگر قدرت نے سب سے پہلے کسے دیکھا؟ خدا کی سب سے پہلی نظر انؑ پر اور انؑ کی پہلی نظر خدا پر۔ اب ان دونوں میں ہر ایک ناظر بھی ہے، منظور بھی ہے۔

حضرات! قدرت نے سب سے پہلے انہیںؑ دیکھا تو وہ نظرِ قدرت نظرِ رحمت تھی، نظرِ محبت تھی، نظرِ قدر و قیمت شناس تھی۔ انہوںؑ نے سب سے پہلے خدا کو دیکھا تو

ان کے جتنے بھی صفات ہیں، وہ سب عکسِ صفاتِ الٰہی ہیں اور جب قدرت نے سب سے پہلے ان کو دیکھا ہے، خدا کہتا ہے کہ میں نے سب سے پہلے ان کو دیکھا ہے۔ اب جو ان کو دیکھے، ان کا دیکھنا عبادت ہے۔ (صلوٰۃ)

دید ان کی عبادت ہے بلکہ جن کے دل فرح ہوں گے، خاص طور پر انہیں مخاطب کر کے کہہ رہا ہوں کہ ان کی دید عبادت اور یہ ایسی دید ہے کہ جس میں شانِ عبدیت بھی ہے اور شانِ معبودیت بھی ہے۔ (صلوٰۃ)

حضرات! آیات (خدا کی نشانیوں کو کہتے ہیں)، آیات کا ذکر تین چیزوں کیلئے آیا ہے۔ قرآن کی آیات کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ قرآن کی آیات یا خدا کا وہ حرم جس کے بارے میں آپ جانتے ہیں، جس کے بارے میں فرمایا گیا:

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ. (آلِ عمران: ۹۷)

''میرے اس گھر میں آیاتِ بینات ہیں''۔

یا کعبہ ہے جس میں آیات ہیں، یا کتابِ قدرت ہے جس میں آیات ہیں اور تیسری ایک شے اور ہے:

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ. (العنکبوت: ۱۰)

''اصل قرآن تو وہ آیاتِ بینات ہیں جو اُن کے سینوں میں ہیں جنہیں علم دیا گیا''۔

وہ ہیں اصل قرآن۔ اس کے علاوہ جو بھی نسخے ہیں، وہ ہیں نقل قرآن۔ ایصالِ ثواب کیلئے قرآن خوانی تو عام ہوتی ہے، ذکرِ اہلِ بیتؑ کو ایصالِ ثواب قرار دینا، یہ اسی ملت کی سعادت ہے۔ اصل قرآن تو وہ ہے جو اُن کے سینوں میں ہے

جنہیں علم دیا گیا ہے۔

جب اصل وہی ہے جو اُس کے بعد ہے، باقی تو سب نقل ہے اور نقل بھی کس کے پاس ہے۔ ایسی جو پہلی نقل ہو، ہمارے پاس جو ہے وہ بھی نقل ہی سے نقل ہے۔ خدا جانے کہ آج ہمارے ہاتھ میں کونسی نقل ہے۔ یہ تو سب نقول، میں نے ایک جملہ یہ کہا کہ تم نقل کا ثواب پہنچاتے ہو، ہم اصل کا ثواب پہنچاتے ہیں۔ نقل کا ثواب نقلی ہے، اصل کا ثواب اصلی ہے۔ (صلوٰۃ)

حضرات! آیات کی نشاندہی قرآن کریم نے تین جگہ پر کی ہے۔ یا تو آیات کتاب میں ہیں، یا آیات بیت اللہ میں ہیں، یا آیات العلم والوں کے سینوں میں ہیں۔ شاید میرا یہ جملہ بالکل برمحل ہو کہ فی صدور الذین کہہ کر قدرت نے جن سینوں کو مراد لیا ہے، جن سینوں کی طرف اشارہ کیا ہے، تو رسول کا سینہ بھی اُن میں ہے یا نہیں۔ یہ ماننا پڑے گا کہ ہے اور اس لئے ماننا پڑے گا کہ رسولؐ کے سینے کا ذکر الگ سے نہیں ہے۔ اگر آیت میں یہ ہوتا کہ آیاتِ بینات رسولؐ کے سینے میں ہیں اور اُن سینوں میں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے تو ہم یہ سمجھتے کہ رسول کا سینہ اُن سینوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ اُسے الگ رکھا گیا ہے۔ مگر جب رسول کا ذکر الگ سے ہے ہی نہیں، آیاتِ بینات اُن کے سینوں میں ہیں جنہیں العلم دیا گیا۔

اب رسولؐ کے سینے کے ساتھ کیسے سینے ہوں کہ قدرت اُن سب کو یکجا کر کے ایک لفظِ جمع میں یاد کرے۔ رسولؐ کے سینے کے ساتھ جتنے بھی سینوں کو قدرت نے ملایا، وہی شکلیں بنتی ہیں منطقی، یا تو جنس کے سینے ہیں یا ناجنس ہیں۔ اگر اُسی جنس کے سینے ہیں جس جنس کا سینہ رسولؐ ہیں، تب تو یہ ملاوٹ نہ ہوگی اور اگر ناجنس کو ملایا

رسولؐ کی جنس کے ساتھ تو ہمیں کہنے کا یہ حق ہوگا کہ بارِ الہا! ملاوٹ پر پھر ہم کیوں پکڑے جائیں؟ میرا مقصد یہ ہے کہ ملاوٹ کہتے ہیں اعلیٰ میں ادنیٰ کو ملا دینا۔ دودھ میں پانی، یہ ملاوٹ ہے۔ تو صدرِ رسولؐ یقیناً اعلیٰ ہے، ایسے ہی سینے یہ بھی ہوں۔

یا تو آیات کتاب میں ہیں یا بیت اللہ میں ہیں یا صدورِ اہلِ علم میں ہیں۔ یہ عجیب حسنِ اتفاق کہوں یا قرار دادِ قدرت کہوں، یہی تین جگہیں ایسی ہیں جن کی دید کو عبادت قرار دیا جس کے معنی یہ نکلے کہ جہاں کعبہ کا دیکھنا بھی عبادت، قرآن کا دیکھنا بھی عبادت اور جن کے سینوں میں آیاتِ بینات ہیں، اُن کے چہرے کا دیکھنا بھی عبادت۔ (صلوٰۃ)

جہاں آیاتِ بینات ہیں، وہیں کی دید عبادت ہے۔ ایک عالمِ اہلِ سنت کا شعر ہے:

عبادت دیدنِ سہ شے بہ ارشاد نبیؐ آمد
یکے کعبہ دوئم قرآں سوئم روئے شہ والا

مگر حضرات سوال یہ قائم کرنا چاہتا ہوں، متفق الیہ حدیث ہے:

النظر علی وجهه علی عباده.

بڑی محترم خاتون نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے اور اُن کے محترم پدرِ بزرگوار نے بھی بیان کیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا سند ہوگی! نظر روئے علیؑ پر عبادت ہے، نظر کعبہ پر عبادت ہے، نظر حروفِ قرآن پر عبادت ہے۔ لیکن یہ نظر جو ان چیزوں پر ہو اور عبادت ہو تو کیا ہر نظر عبادت ہے؟ ہر ایک نظر ایک نہیں ہوتی۔ نظر تو ایسی بھی ہوتی ہے جس سے بچایا بھی جاتا ہے (ہر مجلسِ معصومؑ نور پرور ہے، نورانی ہے، جو بھی

ذکر کرے گا، نوری کا ذکر کرے گا، انداز مختلف ہو سکتے ہیں، مقصود سب کا ایک ہے)۔

نظر محبت کی بھی ہوتی ہے، عداوت کی بھی ہوتی ہے۔ کسی کی نظر نہ محبت کی ہے نہ عداوت کی ہے۔ جو سامنے آگیا، نظر آگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کس نظر سے کعبے کو دیکھیں جو عبادت ہو؟ کعبہ کو ڈھانے کیلئے اگر کوئی جائے اور دیکھے گا تو عبادت ہوگی؟ قتل کرنے کیلئے اگر کوئی آئے، جس کے چہرے کی دید عبادت ہے، تو عبادت ہوگی؟

اُس کے قاتل نے بھی اُسے دیکھا اور ہنگامِ قتال مرحب نے بھی اُسے دیکھا اور کس کس نے کہاں کہاں دیکھا۔ افسوس تو یہی ہے کہ سب کچھ دیکھا، پھر نہ مانا۔ ہمیں فخر ہے اس پر کہ ہم نے دیکھا کچھ نہیں مگر پھر بھی مانا۔ (صلوٰۃ)

قرآن کو دیکھنے والوں نے تردید کی نظر سے بھی دیکھا ہے، معترض نگاہوں سے بھی دیکھا ہے۔ ہمارے گیارھویں امامؑ کے زمانے کا اور بعض روایات میں ہمارے چھٹے امامؑ کے زمانے کا ایک واقعہ ہے جو میں آپ کو چار لفظوں میں سنا دوں۔

اورنگزیب کے وزیر آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے، وہ بھی عجب طرح کی تھی۔ حالانکہ شاہ کو خوب معلوم ہے کہ نعمت خوانِ عالی شیعہ ہے، اثناء عشری ہے، بارہ اماموں کا ماننے والا ہے، مگر گھڑی گھڑی چھیڑ خانی کے طور پر نعمت خوانِ عالی تمہارا مذہب کیا ہے؟ تو انہوں نے ایک مرتبہ کہا کہ:

بارہا من گفتم باشہریار

چاریارم چاریارم چاریار

غرضیکہ حضرات! میں یہ کہہ رہا تھا کعبہ کو کس نظر سے کوئی دیکھے تو عبادت ہے؟ علیؑ کو کس نظر سے دیکھے تو عبادت ہو؟ قرآن کو کس نظر سے کوئی دیکھے تو عبادت ہو؟ منکر اسلام نے، کسی کافر نے ایک کتاب لکھی جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرآن کے بیانات میں تضاد ہے۔ بیانات اور آیات میں تضاد ہے یعنی ایک جگہ جو بات کہی ہے، پھر دوسری جگہ اُس کے بالکل الٹ مخالف بات کہی گئی ہے اور جس کتاب میں اور بیان میں کوئی تضاد ہو وہ خدا کی تو کیا، کسی صحیح انسان کی بھی کتاب نہیں ہوسکتی۔ اُس منکرِ اسلام نے قرآن کی مذمت (نعوذ باللہ) میں یہ کتاب لکھی۔ خدا جانے کتنے پسینے بہا بہا کر اور خوب دلیلیں دیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امام علیہ السلام کا کوئی صحابی اُدھر سے گزر رہا تھا۔ وہ منکرِ اسلام اپنی کتاب پر بڑا نازاں تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ جس وقت یہ کتاب میرے گھر سے باہر نکلی اور منظر عام پر آئی تو اسلام میں کچھ رہے گا ہی نہیں۔ یہ دین ہی تباہ ہو جائے گا۔ اُس کافر نے صحابیِ امامؑ کو بلا کر کہا کہ یہ کتاب میں نے لکھی ہے، جب یہ منظر عام پر آ گئی تو اسلام کا حشر کیا ہونا ہے۔

صحابی بیچارہ پریشان ہو گیا۔ واقعی وہ باتیں کچھ ایسی تھیں کہ معمولی سمجھ والا پریشان ہو جائے۔ خیر وہ صحابی وہاں سے چپ چاپ اٹھا اور اُس نے امام علیہ السلام کی بارگاہ میں یہ واقعہ بیان کیا۔ امام علیہ السلام نے اُس سے فرمایا کہ پھر جب وہ تم سے ملے تو اُس سے پوچھ لینا کہ جہاں جہاں، جس جس لفظ کے معنی جو سمجھ کر تم نے تضاد ثابت کیا ہے، کیا وہاں اُس لفظ کے معنی کچھ اور بھی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

جب یہ صحابی اُدھر سے گزرے تو جو امام علیہ السلام نے بتایا تھا، وہ اُس سے کہا۔ اُس نے جو یہ جملہ سنا تو اُس نے کہا کہ کیا یہ بات تم نے اپنے دماغ سے کہی

ہے؟ اُس صحابی نے کہا کہ کسی نے بھی کہی ہے، تُو جواب دے اس بات کا۔ جواب دینے کی بجائے اُس نے اپنی کتاب کے پرزے پرزے کردیئے اور جواب دیا کہ اگر میں یہ جواب دوں کہ وہاں معنی کچھ اور نہیں ہو سکتے تو مجھ سے زیادہ جاہل کوئی نہیں اور جب یہ کہہ دوں کہ معنی دوسرے بھی ہو سکتے ہیں تو پھر بات ہی ختم ہو گئی۔

دید تو عبادت ہے۔ بیت اللہ کی دید ہو، کتاب اللہ کی دید ہو، وجہ اللہ کی دید ہو۔ ظاہر ہے مان کر اگر دیکھے تو عبادت ہے۔ مگر منکر کی نظر تو عبادت نہیں ہو سکتی۔ قرآن کو کتاب اللہ سمجھ کر دیکھے، کعبہ کو بیت اللہ سمجھ کر دیکھے، علیؑ کو ولی اللہ سمجھ کر دیکھے تو عبادت ہے۔ (صلوٰۃ)

فوراً پتہ چلا کہ نظر کیلئے رُخ کی ضرورت ہے۔ کس رُخ کی نظر، کس شائبہ کی نظر ہو، کس ولولے کی نظر ہو، کس جذبہ کی نظر ہو۔

آج میں وہ بات کہنا چاہتا ہوں جو مجھ سے پہلے شاید کسی نے نہ کہی ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ادھر یہ بات میرے منہ سے نکلی اور اُدھر سارا مجمع مجھ سے ناراض ہو گا۔ بات حقیقت ہے مگر خطرناک ہے۔ عداوت کی نظر سے اگر کسی نے علی علیہ السلام کو دیکھا تو یہ عبادت نہیں ہے، کفر ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں علی علیہ السلام کا دیکھنا یا آئمہ اہلِ بیتؑ کا دیکھنا عبادت ہے، وہاں اُن کے دشمنوں کا دیکھنا بھی عبادت ہے۔ نظر ہی کی تو بات ہے۔ کسی نظر سے اگر علی علیہ السلام کا دیکھنا عبادت ہے تو کسی نظر سے دشمنانِ اہلِ بیتؑ کا دیکھنا بھی.......... (صلوٰۃ)

اگر کسی کی محبت ایمان ہے تو پھر کسی کی عداوت بھی ایمان ہے اور وہ محبت کیا جو سبب عداوت نہ بنے۔ جس کی محبت ایمان ہے، اُسے محبت کی نظر سے دیکھنا عبادت

اور جس کی عداوت ایمان ہے، اُسے دشمنی کی نظر سے دیکھنا عبادت!

خدا کو شاہد کر کے میرا ایمان بول رہا ہے کہ دشمنانِ آلِ محمدؐ کو حقارت سے دیکھنا، نگاہِ ذلت سے دیکھنا، عداوت کی نظر سے دیکھنا ایسی عبادت ہے کہ اتنا ثواب چہرۂ علی علیہ السلام کے دیکھنے میں نہیں ہے۔ اس لئے کہ علی علیہ السلام سے محبت کے دعوے پھر بھی آسان ہیں۔ اہلِ بیتؑ اطہار سے محبت کے دعوے پھر بھی آسان ہیں۔ جو رکھتے ہیں ان حضراتؑ سے محبت، وہ بھی کرتے ہیں، جو نہیں کرتے ہیں محبت، دعویٰ وہ بھی کرتے ہیں۔ مگر دشمنانِ اہلِ بیتؑ سے بیزاری، یہ مومنِ خالص کا حصہ ہے۔ یہ خلوصِ ایمان کی دلیل ہے۔

غرضیکہ حضرات میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تھوڑی سی کچھ فضیلت........ محبت سے علی علیہ السلام کو دیکھنا عبادت ہے اور نفرت سے دشمنانِ اہلِ بیتؑ کو دیکھنا عبادت ہے۔ مجھے یاد آ رہا ہے حضرات کہ ان کی دید کی تمنا اُن کے ماننے والے وہاں بھی کریں گے۔ ایک نئی سی بات آپ کو سنا رہا ہوں۔ ہم تو دیکھے ہوئے ہیں اُن کو۔ مگر وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی ہے، انہیں بڑا اشتیاق ہوگا روزِ حشر کہ ہم اُن دونوں کو دیکھیں۔ آیت ہے: (حم السجدة: ۲۹):

اَرِنَا الَّذِیْنَ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا.

''اُن کے پیرو خدا سے کہیں گے کہ بارالہا! اُن دونوں کو ہمیں دکھا دے۔ 'اَضَلّٰنَا'، جن دونوں نے ہمیں گمراہ کیا، جن کی صورت انسان کی تھی، خباثت جن کی تھی۔ پھر ہم اپنے پیروں میں انہیں کچلیں گے''۔

غرضیکہ اُن کی دید کا اشتیاق ان کے آدمیوں کو وہاں ہوگا مگر یہ دید کسی اور

رنگ کی ہوگی۔

اگر اہلِ بیتؑ کی دید عبادت ہے تو اُن کے دشمنوں کی دید بھی یقیناً عبادت ہے۔ نظر بدلے گی اور جہاں اہلِ بیتؑ کا ذکر عبادت ہے، اعدائے اہلِ بیتؑ کا ذکر بھی عبادت ہے۔ جس طرح ذکرِ اہلِ بیتؑ جزوِ قرآن ہے، اُسی طرح ذکرِ اعدائے اہلِ بیت بھی جزوِ قرآن ہے اور یہی اعدائے اہلِ بیت کی فضیلت ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ جس طرح آلِ محمدؐ پر درود بھیجے بغیر نماز نہیں ہوتی، اُسی طرح کسی نمازی کی نماز دشمنانِ اہلِ بیتؑ کو یاد رکھے بغیر اور اُن کا ذکر کئے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اگر ایک طرف انعمت علیھم کہو تو فوراً مغضوب علیھم و لا الضالین کہو۔ انہیں بھی یاد رکھو۔ اِن سے قربت حاصل کرنے کیلئے انہیں یاد رکھو اُن سے دوری اختیار کرنے کیلئے۔ اگر مغضوب علیھم نہ کہا کسی نمازی نے، اگر و لا الضالین نہ کہا تو کیا نماز ہوگئی؟ یہ انہیں کا تو ذکر کیا جا رہا ہے۔

حضرات! خاص طور پر ادبی ذوق رکھنے والوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ دعا ہمیں تعلیم کی جا رہی ہے:

''بندو! ہمارے حضور میں کھڑے ہو کر یوں کہو:

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم.

''صراطِ مستقیم پر معبود ہمیں چلا، اُن کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا''۔

ایک تو یہ پتہ چلا کہ انعام کرنے والا خدا کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ پھر ماضی کا صیغہ یہ بتا رہا ہے کہ انعام جن پر ہونا تھا، ہو چکا ہے۔ (صلوٰۃ)

وہ کس نے کیا ہے؟ تو نے کیا ہے۔ اس کے بعد بچاؤ کا راستہ بتایا جاتا ہے

کہ یوں بھی کہو کہ خداوند عالم مغضوب علیھم کے راستہ سے بچا۔ کہنا اصل میں یہ چاہتا ہوں، سوچ رہا ہوں کہ کس انداز میں کہوں کہ آپ کے ذہن میں اُتر جائے۔ انعمت کے مقابلہ میں جن پر تو نے انعام کیا ہے، اُن کے راستہ پر چلا۔ مقابلہ پر لفظ آنا چاہئے تھا، اُن کے راستہ سے بچا جن پر غضب ہے اور جن پر غضب ہے، اُن کے راستہ سے ہٹا۔ تو نے جن پر غضب نازل کیا ہے، جن پر تو غضبناک ہوا ہے، یہ نہیں کہلوایا ہم سے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ غضب کے رخ کئی ہیں۔ انعام کا رخ ایک ہے۔ انعام ہونا کسی پر اللہ ہی کی طرف سے ہوگا۔ اگر خدا کا غضب ہے تو مغضوب ہے، اگر رسول کا غضب ہے تو پھر بھی مغضوب ہے۔ اور

من اغضبها فقد اغضبنی.

''فاطمہؑ میرا حصہ ہے، جس نے اُسے غضبناک کیا، مجھے غضبناک کیا''۔

اور واقعاً حضرات! صاحب کتاب بخاری کی اچھی خاصی دیانتداری ہے اس بیان میں کہ:

غضبت فاطمةو لم تتکلم حتیٰ ما تت.

''فاطمہؑ زہرا ایسی غضبناک ہوئیں کہ کہ تا دمِ مرگ کلام نہیں کیا''۔

تو فاطمہ سلام اللہ علیہا کا غضب ہے جس پر، وہ بھی مغضوب ہے۔ علیؑ کا غضب ہے جس پر، وہ بھی مغضوب ہے، رسولؐ کا غضب ہے جس پر، وہ بھی مغضوب اور خدا کا غضب ہے جس پر، وہ بھی مغضوب ہے۔ غضب کے کئی رخ ہیں، انعام کا ایک رُخ ہے۔

حضرات! میں یہ کہہ رہا تھا کہ فضیلت ان حضراتؑ کی بے پایاں ہے۔

ارض وسماء ان کے تحت میں ہیں۔ شمس وقمر اور ستاروں کے اثرات کو بدل دیں اور کہہ دیں کہ ستاروں کے اثرات کے تم تابع ہو، اثرات ستاروں کے ہمارے تابع ہیں۔ تم ابن الوقت ہو، ہم امامِ وقت ہیں۔ تم زمانہ کے ساتھ چلتے ہو، ہم صاحب الزمان ہیں۔ زمانہ بدل دیں، وقت بدل دیں، تاثیر بدل دیں۔

ایسے امیرؑ ہوں تو حقیقتاً امیر ہیں۔ کیا کہنا ان حضراتؑ کا اور کیا کہنا اس چراغ کی نورانیت کا۔ اگر گریز کروں میں اس وقت تو شاید مناسب ہو، جی چاہتا ہے یہ کہنے کو کہ قدرت نے امیر بنایا اور اُمت نے اسیر بنایا (یہ زمانہ ہے حضرات اسیری کا اسی مناسبت سے کہہ رہا ہوں) اور اسیر بھی بنایا تو کس گھرانے کو، اُس گھرانے کو کہ جس کی شان میں قدرت نے فرمایا:

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ ”خداوند عالم نے جس گھرانے کو نجات کی رسی قرار دیا“۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا

”تم سب مل کر اللہ کی رسی کو تھام لو“۔

نجات چاہتے ہو تو اللہ کی رسی کو تھام لو۔ اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد آلِ محمدؐ کے سوا کون ہو سکتا ہے! خداوند عالم نے جنؑ کو نجات کی رسی قرار دیا، امت نے انہیں کے بازوؤں میں رسی باندھ دی۔ یہ حشر نظر آیا کہ:

شامیاں بستند بازوئے زینبؑ و کلثومؑ را

جناب سید سجاد علیہ السلام نے اپنے حالاتِ اسیری بیان کرتے ہوئے فرمایا، مجھے ترجمہ کرتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ بہر حال جملہ سنانا ہے مجھے۔

بیمارِ کربلا نے اپنے گھرانے کی اسیری کا نقشہ یہ کہہ کر کھینچا ہے کہ:

ربقون مثل الاغنام.

اغنام کہتے ہیں بھیڑ بکریوں کو، ربقون، ہمیں باندھ رکھا تھا۔ کسی کا قد اسیروں میں بڑا ہے، کسی کا قد چھوٹا ہے۔ رسی ایک ہے۔ بندھن ایک ہے۔

حضرات! جن کے قد بڑے ہیں، وہ جھکے جھکے چلتے ہیں کہ بچوں کے دم نہ گھٹنے لگیں ہمارے کھڑے ہونے سے۔

کیسی وہ اسیری ہوگی۔ اشقیاء کی کیسی شقاوت ہوگی، کیا حال ہوگا؟ دو جملے دربارِ یزیدؐ کے مجھے اس وقت خیال میں آ رہے ہیں کہ یہ کنبہ بحالِ اسیری یزیدؐ کے سامنے کھڑا ہے اور اسی وقت کو سید سجاد علیہ السلام زندگی بھر یاد کرتے رہے اور فرماتے رہے:

''کاش! شہید ہو چکا ہوتا میں اور دمشق جانا نہ ہوتا میرا اور یہ وقت نہ آتا کہ یزیدؐ مجھے اسیری کی حیثیت میں کھڑا ہوا اپنے سامنے دیکھ رہا تھا''۔

اب جناب یہ کنبہ دربارِ یزیدؐ میں کھڑا تھا اور کیسے کہوں کہ ایک شخص آتا ہے اور جنابِ فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے:

ایھاالامیر ھب لی ھذہ الجاریہ.

''اے امیر! اس لڑکی کو میری کنیزی میں دیدے''۔

یہ سنتا تھا کہ جنابِ فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا سہم گئیں۔ اس لئے کہ لاوارثی چھائی ہوئی تھی۔ اسیری کا عالم تھا۔ فوراً چپکے سے اپنی پھوپھی سے پوچھا:

''پھوپھی اماں! یتیم تو میں ہو چکی، کیا اب کنیز بھی بنوں گی؟''

بعض روایات میں یہاں تک ملتا ہے کہ پھوپھی سے اتنا اور پوچھا کہ پھوپھی

اماں! یہ بتایئے کہ جس محضرِ شہادت میں بابا نے اپنی شہادت اور ہماری اسیری کو منظور کرلیا تھا، کیوں پھوپھی اماں کیا اُس محضر میں میری کنیزی کو بھی قبول کرلیا تھا؟

جنابِ زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا نے بھتیجی کو تو کوئی جواب نہ دیا لیکن کہنے والے سے اتنا کہا کہ "کیا رسولؐ اللہ کی بیٹیاں کنیزی میں جائیں گی؟"

کہنے والے نے چونک کر کہا کہ یہ آپ نے کیا کہا؟ رسولؐ اللہ کی بیٹیاں؟

اُسے بتایا گیا کہ یہ رسولؐ ہی کا تو کنبہ ہے۔ یہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی بیٹیاں ہیں۔ رسولؐ کی بیٹیاں ہیں۔

وہ سید سجاد علیہ السلام کے پیروں میں گر پڑا اور بار بار یہ کہا کہ میں تو ترک و دیلم کے قیدی سمجھا تھا۔ یہ مجھے کیا پتہ تھا کہ رسول کا کنبہ اسیر بنا ہوا ہے۔

اُسی دربارِ یزیدؑ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ جنابِ فضہؓ نے اُس موقع پر حق ادا کیا ہے۔ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کے سامنے کھڑی ہوئی ہیں۔ یزیدؑ اور اپنی شہزادی کے درمیان میں اپنے وجود کو پردہ بنا رکھا ہے۔ ایک مرتبہ یزیدؑ نے شمرؑ سے کہا کہ تو نے ہر بی بی کو تو بتایا مگر یہ نہ بتایا کہ علی و فاطمہ علیہا السلام کی بڑی بیٹی کونسی ہیں؟

شمرؑ نے یزیدؑ سے کہا کہ ہیں تو یہیں مگر اُن کی ماں کی کنیز نے اپنا حق ادا کرتے ہوئے یہ کیا ہے کہ وہ سامنے کھڑی ہیں اور اپنی شہزادی کو اپنی پشت پر لے لیا ہے۔

جب اشارہ کرکے شمرؑ نے یہ بتایا تو یزیدؑ نے جنابِ فضہؓ کو حکم دیا کہ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ جنابِ فضہؓ نے کہا کہ جب تک زندہ ہوں، یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی شہزادی کو تیرے سامنے کردوں اور ان کے سامنے سے ہٹ جاؤں۔

یزید ملعون کو اشتعال آ گیا اور اُس نے کہا کہ تیری یہ جرأت ہے کہ تو مجھے جواب دے رہی ہے؟

یہ کہتے ہوئے یزیدؔ نے تازیانہ اٹھایا۔ تازیانے کا اٹھانا تھا کہ یزیدؔ کی پشت پر حبشیوں کا رسالہ کھڑا تھا۔ فضہؑ نے اُس رسالے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

''اہلِ حبش! تمہیں غیرت نہیں آتی۔ تمہاری قوم ایک عورت پر تازیانہ اٹھا رہی ہے''۔

وہ رسالہ یا تو پشت یزیدؔ پر کھڑا تھا یزیدؔ کے سامنے آیا اور کہا کہ فضہؑ ہمارے ملک کی خاتون ہے۔ ہم یہ ننگ و عار گوارہ نہیں کر سکتے کہ ہمارے سامنے اس کو تازیانہ لگایا جائے۔

حضرات! اتنی حمایت کرنے والے نکل آئے۔ اُٹھا ہوا تازیانہ رکھا گیا مگر خدا جانے کہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا پر کیا گزر گئی۔ مشہور تو یہ ہے کہ آپؑ نے وہیں مدینہ کا رُخ کیا اور مدینہ کا رُخ کر کے کہا:

''جدِ نامدار! جس کا کوئی ہوتا ہے، اُس کے کام آ جاتا ہے۔ فضہؑ کی حمایت کرنے والے بھی اس دربار نجس میں نکل آئے مگر آپ کی نواسی کی حمایت کرنے کیلیے کہیں بھی کوئی نہ نکلا۔ کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام، کتنے تازیانے لگے ہیں۔ کوئی حمایت کرنے والا نہیں''۔

الا لعنة اللہ علی القوم الظالمین.

تیسری
مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ. اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ. اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ. يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ. نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. (نور:۳۵)

"اللہ کے نور کی مثال ایک ایسے چراغ کی ہے جس کی روشنی شب تار کو روز روشن کردے گی۔ وہ چراغ جس کی حفاظت کیلئے شیشہ بھی ہے اور شیشہ اتنا شفاف گویا کہ وہ کوکب دُرّی ہے۔ روشن کیا جاتا ہے یہ چراغ ایک ایسے شجر طیبہ سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔ قریب ہے کہ روغن اُس چراغ کا روشن ہو جائے اگرچہ آگ نے اُسے چھوا بھی نہ ہو۔ سلسلہ نور پیہم ہے، متواتر ہے، بلافصل ہے، اللہ کے اُس نور کی طرف راہ وہی پائے گا جس کو خدا چاہے"۔

پُر رونق ہیں حضرات بلکہ پُر نور رہیں یہ مجالس تو اس میں نہ میرا ہاتھ ہے اور نہ آپ کا کوئی ساتھ ہے۔ یہ نور کے ذکر کا طفیل ہے۔ نور کا ذکر بلفظ نور ہوتا رہے اور مجلس پُر نور نہ ہو، آیۂ نور کا طفیل ہے۔ حقیقتِ نور کا طفیل ہے۔ کیا کہنا اُس چراغ کا جسے یدِ قدرت اپنے کمال کے آشکارہ کرنے کیلئے روشن کرے۔ وہ چراغ جو اوّل بھی ہے، آخر بھی ہے۔ (صلوٰۃ)

ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ بنی ہوئی بات کا بنانا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ بات تو جب ہے جب کوئی بگڑی کو بنائے۔ میں نے اکثر یہ سوچا ہے کہ علم آج یہ لے گیا، کل

وہ لے گیا، پرسوں کوئی اور لے گیا۔ ظاہر ہے کہ روزمرہ کی ہار گلے کا ہار ہے۔ مخالف کو اس سے کیا بحث کہ علمدار کون ہے، کیا ہے! مخالف تو یہی سمجھ رہا ہے کہ ہم اسلام کو ہرا رہے ہیں، مسلمانوں کو ہرا رہے ہیں۔ کام اُن کا بنتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کا کام بگڑتا چلا جاتا ہے۔ آسان تھا علی مرتضیٰ کیلئے پہلی ہی بار علم لے کر جانا اور فتح کر کے آنا مگر محفل کو لوگ بگاڑ بگاڑ کر آتے تھے۔ میدانِ جنگ کو سنوار کے تو کوئی نہیں آتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ حوصلے مخالفین کے بلند ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں بگڑی بنانا آسان نہیں تھا۔

ابتداء میں چلے جاتے تو آسان تھا مگر روزمرہ کی ہار دیکھ دیکھ کر ان کے حوصلے پست ہوتے جا رہے تھے اور اُن کے حوصلے بلند ہوتے جا رہے تھے۔ کارِ اسلام مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مشکل کشائے عالم زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ بگاڑ و جتنا بگاڑ سکو، میں ہوں بگڑی کا بنانے والا۔ (صلوٰۃ)

مزہ تو جب ہے کہ تم جتنی حدِ آخر تک بگاڑ سکو، بگاڑو، پھر میرا بنانا دیکھنا۔

ہمارے مولا کی طبیعت آسان پسند نہیں تھی، مشکل پسند تھی۔ آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپؑ کو دنیا میں کیا کیا چیزیں پسند ہیں؟ آپؑ نے تین جملے ارشاد فرمائے:

"الصومُ فی الصیف"

"روزہ مجھے پسند ہے گرمی کا"۔

مشکل پسندی کو دیکھئے۔

"والقتال بالسیف"۔

"لڑائی تلوار کی پسند ہے۔ دور سے تیر پھینکنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ نیزہ بھی

اچھا خاصہ طویل ہوتا ہے، دور ہی سے تو چبھو دیا جاتا ہے"۔

طبیعت آپؑ کی مشکل پسند واقع ہوئی تھی۔ واقع کیا ہوئی تھی، واقع کی گئی تھی۔ طباع نے، جس نے طبیعت سازی کی ہے، اُس نے مشکل پسند قرار دیا آپؑ کو، اس لئے کہ مشکل کشا ہیں آپؑ۔ مشکل کشا ہمیشہ مشکل پسند ہوگا۔ مجھے شیخ علی حزیں کا ایک شعر یاد آتا ہے، ہمارے بہترین عالم گزرے ہیں۔ شاعر بھی بے مثل، مجتہد تھے۔ مجتہد گر تھے، مجتہد خاندان سے تھے مگر شاعر بھی بے بدل تھے۔ علی نام تھا، حزیں تخلص تھا، فرماتے ہیں:

مشکل شد است کارِ دل از عشق و خوش دلم

شاید رسد بخاطر مشکل پسند تو

"عشق کی وجہ سے دل کا کام میرے لئے مشکل ہوگیا ہے لیکن میں خوش ہوں کہ تو چونکہ مشکل پسند ہے تو میری بات دل تک پہنچ جائے"۔

بہر حال میں اُس کا تذکرہ کر رہا تھا جسے قدرت نے اوّل بھی قرار دیا، آخر بھی قرار دیا۔ ابتدائے ایجاد اُس چراغ سے ہوئی۔ انتہائے ایجاد بھی اُسی چراغ پر رکھی۔ ابتداء بھی وہی ہے، انجام بھی وہی ہے۔ ہاں! درمیان میں یہ کہنا ضروری ہے کہ قدرت نے ہمیں (ہماری ذات میں) دو روشنیاں عطا کی ہیں۔

ایک وہ جو ظاہر ہے، دوسری وہ جو باطن ہے۔ میری آپ کی آنکھیں سب ہی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ وہ روشنی ہے جو نمایاں ہے۔ ایک روشنی باطن میں بھی رکھی، جس کا نام عقل ہے یا فہم ہے۔ یہ نظر نہیں آسکتی۔ اصل میں جو روشنی نظر آرہی ہے، وہ اُن چیزوں کو دیکھتی ہے جو نظر آتی ہیں اور جو روشنی ہم کو نظر نہیں آتی، وہ اُن چیزوں کے

دیکھنے کیلئے ہے جو نظر نہیں آتیں۔ باطن باطن ہی ہے، ظاہر ظاہر ہی ہے۔ خدا ان آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا۔ صراطِ حق اِن آنکھوں سے نظر نہیں آسکتی۔ حقیقت ان آنکھوں سے نظر نہیں آسکتی۔ جہاں ظاہر کام نہ کرسکے، وہاں باطنی روشنی کام کرتی ہے۔ اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ خداوند عالم نے جو عقل عطا کی ہے، یہ عقل باطن ہے اور یہ اللہ کا کام ہے کہ جو نبی بنامِ نبی آتا ہے، وہ ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا اور کوئی اُس کے ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا۔

ساتھ اگر رہتے بھی ہیں تو پریشان بھی کر جاتے ہیں۔ مگر یہ نبی (عقل) ایسا ہے جو کسی وقت ساتھ نہیں چھوڑتا، ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ ظاہری بینائی کو بصارت کہتے ہیں اور باطنی روشنی کو بصیرت کہتے ہیں۔ اب یہاں دو جملے کہنا ہیں:

بصارت اُس وقت کام کرے گی جب اُس کی مدد کیلئے ظاہر میں روشنی ہو۔ کتنی ہی تیز بصارت کیوں نہ ہو، اندھیرے میں کام نہیں آسکتی۔ اِدھر بھی روشنی ہو، اُدھر بھی روشنی ہو، تب کچھ نظر آتا ہے۔

گویا قدرت نے یہ کلیہ قرار دیا ہے کہ سوائے میرے کوئی ایک کافی نہیں۔ میری قدرت کی ذات ہے جو کافی ہے، ورنہ میرے سوا کوئی شے بھی اکیلی رہ کر کافی نہیں ۔ اگر ظاہر روشن ہے اور ہمارے پاس بینائی نہیں، تب کچھ نظر نہیں آئے گا۔ ہمارے پاس بینائی ہے مگر خارج میں روشنی نہیں، پھر بھی ہم کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طرح سے بصیرت اور اُس کی مدد کیلئے کوئی اور روشنی اُس کے مطابق نہیں تو بصیرت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ عقل ہے مگر نہ کوئی نبی ہے نہ امام ہے، عقل کچھ نہیں کرسکتی۔

اور نبی ہے اور امام ہے اور ہم بصیرت کھو چکے تو کتنے ہی قریب بیٹھیں، جب ہم نے بصیرت کو ضائع کر دیا، بصیرت ہمارے پاس کچھ نہ رہی تو کہیں بیٹھیں ہمیں اُس روشنی سے، اُس چراغ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ (صلوٰۃ)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ. (بقرہ: ٦)

"اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اُن کے کانوں اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے"۔

خدا جانے کہ یہ تین لفظ بھی کس مناسبت سے آیت میں آئے ہیں۔ تین لفظ قدرت نے کسی مصلحت سے ہی ارشاد فرمائے ہیں۔ اب اپنی مصلحت کو وہ جانے، ہم زیادہ گہرائی میں نہیں جانا چاہتے۔ ہم نے تو شمار کر لیا ہے۔

ایک بات آج سنانا چاہتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ضروریات میں سے کوئی چیز باقی نہ رہ جائے۔ یہ وہ چراغ ہے کہ جس کی بدولت ذرّے آفتاب ہو گئے۔ کچھ سے کچھ ہو گئے اور واقعاً ایسے ہو گئے کہ اگر آج کسی کو قنبر کی غلامی بھی نصیب ہو جائے تو وہ مہر درخشاں ہے، ماہِ تاباں ہے۔ ہشام ابن حکم فیضیاب ہوئے ہیں صحبتِ صادقِ آلِ محمدؐ سے۔ (صلوٰۃ)

نو عمر ہیں، نو خیز ہیں، نوجوان ہیں، خوش رو ہیں مگر علم کا دریا ہیں۔ اس لئے کہ چراغ سامنے تھا اور ان میں بصیرت کی انتہا تھی۔ چراغ کی روشنی انتہائی، ان میں بصیرت کمال کی۔ جذب کرتے چلے گئے، جذب کرتے چلے گئے۔ خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ ہشام ابن حکم کا مناظرہ ہوا ایک بہت بڑے علاّمہ سے۔

بصرہ کی جامع مسجد کے عالم صاحب سے ان کا مناظرہ ہوا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ صادقِ آلِ محمدؑ کی محفل تھی دوسرے افراد کے ساتھ۔ اُس محفل میں ہشام ابن حکم بھی تھے۔ سرکارِ امامتؑ متوجہ ہو گئے اپنے ہشام کی طرف اور فرمایا:

''ہشام! وہ مناظرہ تمہارا جو شیخ بصرہ سے ہوا تھا، ذرا ہمیں تو سناؤ''۔

یہ سن کر ہشام کو پسینہ آ گیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مولائے کائنات چھپ کر بیٹھ گئے تھے دولت سرا میں تو امام حسن علیہ السلام کی زبان رک رہی تھی۔ لہٰذا ہشام نے عرض کیا:

''مولاؑ! میری کیا مجال ہے کہ آپؑ کے سامنے اپنی کسی تقریر کو دہراؤں۔ میری بساط کیا ہے، میری حقیقت کیا ہے، میری زبان کو یارا نہیں ہو سکتا''۔

آخر سرکارِ امامتؑ نے فرمایا: ''ہم حکم دیتے ہیں، سنا''۔ تو عربی میں حکایت بھی ہے کہ:

''المامُورُ مَعْذُوْر''.

اب امر ہو گیا۔

''اَلْاَمْرُ فوق الادبْ''.

''ادب اسی میں ہے کہ حکم کی تعمیل ہو''۔

مولاؑ فرماتے ہیں کہ ہمارا حکم ہے کہ سناؤ۔ عرض کرنا پڑا کہ سرکارؑ! کچھ دنوں کی بات ہے کہ میں نے شہرت سنی کہ بصرہ کی جامع مسجد میں کوئی علامہ صاحب ہیں اور اُن کے علم و فضل کا اتنا شہرہ ہے کہ دور دور سے لوگ اُن سے مسائل پوچھنے کیلئے

آتے ہیں۔ جب میں پیہم اُن کی شہرت سنتا رہا تو میرے دل میں خیال گزرا کہ ذرا جا کر علامہ صاحب کی علامی کو میں بھی تو دیکھوں۔ یہ دنیا جو علامہ اُسے کہہ رہی ہو، جس نے علم کا در چھوڑ دیا ہو اور دَر دَر پھر رہا ہو اور وہ بھی اُن دروں پر جو بند ہو چکے تو ایسے دروں پر پھرنے والا اور دَرِ علم کا چھوڑ دینے والا اور علامہ!!

اُس سے زیادہ جاہل کون ہوگا؟ غرضیکہ بصد شوق میں نے بصرہ کا سفر کیا اور جامع مسجد جا پہنچا اور میں نے دیکھا کہ ہزارہا افراد کا وہاں مجمع لگ رہا ہے۔ کوئی اِدھر سے سوال پوچھتا ہے، کوئی اُدھر سے سوال پوچھتا ہے اور وہ جواب دیتے جاتے ہیں۔ میں بھی مجمع کو چیرتا پھاڑتا ہوا علامہ صاحب تک پہنچ گیا۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں، میں نے بھی کچھ آپ سے پوچھنا ہے۔

انہوں نے کہا کہ ہاں، پوچھو۔

میں نے کہا کہ میں یوں نہیں پوچھوں گا۔ پہلے آپ وعدہ کریں کہ جو میں پوچھوں گا، اُس کا آپ (صحیح یا غلط) جواب دیں گے۔ آپ میرے کسی سوال پر ناراض نہ ہوں گے۔ اُس نے کہا کہ تم کون سے ایسے نرالے مجھ سے پوچھنے آئے۔ کوئی کیا وعدہ لیکر مجھ سے پوچھ رہا ہے؟ وعدہ لینا کیسا؟ جو پوچھو گے، بتاؤں گا۔

میں نے کہا کہ نہیں وعدہ کرلیں، اُس کے بغیر میں نہیں پوچھوں گا۔ شیخ پریشان ہوگیا۔ کہنے لگا کہ چلو وعدہ ہے، اچھا پوچھو۔ غرضیکہ میں نے بار بار علامہ صاحب سے وعدہ لے کر اُن کو جکڑ دیا۔

اب میں نے پوچھا: ''شیخ! آپ کی آنکھیں ہیں؟''

عجیب طرح کا سوال ہے۔ شیخ نے آنکھیں نکالیں، نیلا پیلا ہوگیا۔ اُس کو

وعدہ یاد آیا، جواب دینے پر مجبور ہے۔ کہا: ''ہاں صاحب ہیں''۔

میں نے پوچھا: ''آپ کیا کام لیتے ہیں ان سے؟''

''میں دیکھتا ہوں ان سے، آنکھ نہ ہو تو دیکھوں کہاں سے؟''

میں نے پوچھا: ''آپ کے کان بھی ہیں؟''

اب شیخ کے کان کھڑے ہوئے، ''یہ کیا سوال ہے؟''

میں نے کہا: ''کچھ بھی سوال ہے، وعدہ پورا کیجئے''۔

کہا: ''ہاں صاحب ہیں''۔

''کیا کام لیتے ہیں آپ کانوں سے؟''

جواب دیا: ''ان سے سنتا ہوں''۔

میں نے پوچھا: ''شیخ آپ کے ناک بھی ہے؟''

اب ناک بھوں چڑھائی کہ یہ کیا سوال ہے؟ میں نے وعدہ یاد دلایا کہ جواب دیں۔ کہا: ''ہاں ہے''۔

''کیا کام لیتے ہیں آپ اس سے؟''

کہا: ''میں سونگھتا ہوں''۔

ہاتھ بھی ہیں، پیر بھی ہیں، حالانکہ نظر تو آرہا ہے کہ یہ بھی ہے، وہ بھی ہے۔ آخر میں میں نے پوچھا کہ ''آپ کے دل بھی ہے؟''

کہا: ''دل نہ ہوتا میرے، جاندار ہوں، زندہ ہوں اور دل تو مُردوں کے بھی ہوتا ہے''۔

میں نے پوچھا: ''کیا کام لیتے ہیں آپ اس سے؟''

اب شیخ نے اپنا علم بگھارنا شروع کیا کہ "برخوردار! صاحبزادے! آنکھ چیز کو دیکھتی ہے، یہ نہیں سمجھ پاتی کہ یہ کیا چیز ہے؟ صرف صورت دیکھتی ہے، سمجھ نہیں سکتی۔ آنکھ کا کام کسی صورت کو محض دیکھ لینا ہے، اس کو پہچاننا دل کا کام ہے۔ خوشبو، بدبو کا سونگھ لینا ناک کا کام ہے۔ مگر کاہے کی خوشبو ہے، کیسی ہے، اس کو پہچان لینا ناک کا کام نہیں ہے۔ یہ دل کا کام ہے۔ کان محض آواز سنتا ہے، کس کی آواز ہے؟ یہ اُسے کان وکان خبر نہیں ہے۔ یہ امتیاز دل کا ہے۔

غرضیکہ اعضاء و جوارح جتنے بھی ہیں، یہ سب دل کے خادم ہیں"۔

یہ سب علامہ صاحب بیان کر رہے ہیں۔

"دل اس قلم رو میں بمنزل سلطان ہے۔ اس رعایا پر دل بادشاہ ہے اور یہ تمام اعضاء و جوارح جتنے بھی ہیں، خادم ہیں اور ان کے بغیر دل کا نظام رہ ہی نہیں سکتا قائم"۔

خوب طویل طویل عبارت سے بیان کرتا رہا شیخ اور یہی انہیں ہشام کو کہلوانا بھی تھا کہ یہ سارے خادم ہیں، قلب بادشاہ ہے، وغیرہ۔

ہشام نے عرض کیا کہ "سرکارؑ! میں نے کہا کہ شیخ صاحب! یہ بتایئے کہ خداوند عالم نے ایک فرد کے اعضاء کو بغیر سلطان کے نہیں رکھا تو سرکارِ رسالتؐ کی وفات کے بعد اتنے مسلمانوں کو قدرت نے بغیر حاکم کے چھوڑ دیا۔ فردِ واحد کا نظام بغیر حاکم کے نہیں چل سکتا تو اتنے افراد کو، پوری قوم کو، خدا نے رسولؐ کے بعد بغیر حاکم کے چھوڑ دیا"۔

ہشام کہتے ہیں کہ یہ سن کر وہ شیخ چپ ہوگیا اور سر کو جھکا لیا۔ پھر تھوڑی دیر

بعد سر اٹھا کر کہتا ہے کہ:

ءَ اَنْتَ هشام اِبْنُ الحَكَم؟

''کیا ہشام ابن حکم تم ہی ہو؟''

میں نے کہا کہ میں کوئی بھی ہوں۔ آپ جواب دیں۔ ہشام کی بات کا جواب نہیں دیا اور شیخ نے کہا:

وَاللهِ انت الهشام ابن الحكم.

''خدا کی قسم! ہشام تم ہی ہو''۔

ہشام کہتے ہیں کہ پھر میری موجودگی میں کسی کے سوال کا جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ میں اُس محفل سے اٹھ آیا کیونکہ مجھے جو کہنا تھا، کہہ چکا۔

امام علیہ السلام نے ہشام سے فرمایا کہ:

''مَنْ عَلَّمَکَ هذا''.

''یہ بتاؤ کہ یہ تقریر جو تم نے کی، یہ تمہیں بتائی کس نے تھی؟''

ہشام نے عرض کیا:

''جَرَیٰ عَلٰی لِسَانِیْ''.

''میری زبان پر یہی تقریر جاری ہوگئی''۔ امامؑ نے فرمایا:

''وَاللهِ هذا مَكْتُوبٌ فِیْ صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی''.

''اللہ کی قسم! یہ وہ تقریر ہے جو صحفِ ابراہیم وموسیٰ میں موجود ہے''۔ صلوٰۃ

میں اس کی کچھ اور وضاحت کر دوں تا کہ لطفِ معنوی آپ حاصل کر سکیں۔

ایک انسان بنتا ہے تین اندھیروں میں۔ شکمِ مادر میں، فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۔ تین

تاریکیوں میں بنتا ہے، تین پردوں میں۔ مگر صانع کی صناعی دیکھئے کہ وہ دکھانا چاہ رہا ہے کہ جو صنعت میں تین تاریکیوں میں بنا رہا ہوں، جب روشنی میں وہ صنعت آئے گی تو بے مثال ہوگی اور ایسی بے مثال ہوگی ، نہ صورت سے صورت ملے گی، آواز سے آواز نہ ملے گی، رفتار سے رفتار نہ ملے گی۔ کروڑوں بنائے ہیں میں نے ، مگر اندھیرے میں۔ جس کو بھی بناتا ہوں، منفرد بناتا ہوں اور یہ بے مثل ہو کر ثابت کرے کہ بنانے والا بے مثل ہے۔

غرضیکہ شکمِ مادر میں وجودِ انسانی کے تمام اعضاء و جوارح مکمل ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت ایک مُردے میں اور اُس میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مُردے کے بھی تمام اعضاء ہوتے ہیں، اس میں بھی۔ اعضاء و جوارح کی تکمیل کے بعد:

"ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَر". (مؤمنون: ۱۴)

پھر نشۂ ثانیہ ظہور میں آتا ہے اور اس بے جان بدن میں خدا جان ڈالتا ہے جس کو ہم روح کہتے ہیں۔ تو جان جب پڑتی ہے اس پتلے میں اور جسم میں تو سب سے پہلے جان کس عضو میں پڑتی ہے، ہاتھ میں، پیر میں، آنکھوں میں، نہیں۔

سب سے پہلے جسمِ بے جان کا حصہ جو جاندار ہوتا ہے، قلب ہے۔

"اَوَّلُ مُتَحَرِّکٍ یَتَحَرَّکُ فِیْ بَدَنِ الْاِنْسَانِ فَهُوَ قَلْبُهٗ".

"سب سے پہلی حرکت جسمِ انسان میں جو پیدا ہوتی ہے، وہ دل ہے"۔

سب سے پہلے روح دل میں ڈالی جاتی ہے۔ دل کے واسطے سے تمام اعضاء و جوارح تک وہ حرکت پہنچتی ہے۔ یہ تو ہے انسان کی آمد کا وقت۔ سب سے پہلے دل جاندار ہوتا ہے، دل باروح ہوتا ہے۔ آگے چلنے کے بعد ایک وقت اس آنے

والے کے جانے کا آتا ہے۔ جب جانے کا وقت آتا ہے، یعنی روح کے بدن سے نکلنے کا جو وقت آتا ہے، تو آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ سمجھنے والے نے کبھی یہ نہ سمجھا ہوگا کہ دل میں سے جان نکل گئی۔ ہاتھ میں جان ہے، پیر میں جان ہے، آنکھوں میں جان ہے، دل بے جان ہو چکا اور اعضاء میں جان ہو، یہ ناممکن ہے۔ بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ اعضائے بدن بے جان ہوتے چلے جا رہے ہیں مگر دل میں ابھی جان موجود ہے۔ جان کے نکلنے کا جب وقت آتا ہے تو سب کے بعد جان نکلتی ہے، وہ دل سے نکلتی ہے، اس لئے:

"آخِرُ سَاکِنٍ یَسْکُنُ فِیْ بَدَنِ اِنْسَانٍ فَھُوَ قَلْبُہٗ"۔

"آخر عضو جو بے جان ہو جاتا ہے اور ساکن ہو جاتا ہے، وہ انسان کا دل ہے"۔

تو دل آنے میں سب سے پہلے اور جانے میں سب کے بعد کیونکہ سارے اعضاء جو ہیں، وہ رعایا ہیں اُس کی۔ جب تک رعایا میں سے یہ ایک ایک کو رخصت نہیں کر لیتا، اُس وقت تک یہ نہیں جا سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ رعایا رہ گئی ہو اور حاکم جا چکا ہو۔ آنے میں حاکم سب سے پہلے اور جانے میں حاکم سب کے بعد۔

اس انداز پر کہنا چاہتا ہوں کہ نورِ محمدؐ و آلِ محمدؐ یہ کائناتِ کل کا دل ہے۔ یہ کُل کائنات کا قلب ہے۔ سب سے پہلے یہ ہے اور جا نہیں سکتا جب تک رعیت کا ایک ایک فرد بھی موجود ہے۔ ماننے والا تو اُس کی رعیت ہے، نہ ماننے والا ہے، تب اُس کی رعیت ہے۔ قلب العالمین رخصت نہیں ہو سکتا۔ (صلوٰۃ)

اس لئے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارا وجود خود دلیل ہے وجودِ قائمؑ کی۔ اگر قائمؑ نہ

ہوتا تو ہم بھی قائم نہ رہتے۔ رعایا موجود ہو اور سلطان کوئی نہ رہا ہو، ممکن ہی نہیں۔ خداوند عالم نے گوارہ نہیں کیا کہ کوئی مکلف ایک لمحے کیلئے بھی حاکم کے بغیر رہے۔ اسی لئے ہم علی الاعلان کہتے ہیں، بلافصل۔

میں اشارہ بھی کر چکا ہوں کہ تمام بحثیں بعد کی ہیں۔ سرکارِ دو عالم کے بعد۔ تو یہ بعد کہاں ہے؟

"مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہ".

سرکارؐ نے بعد کا لفظ کب استعمال کیا؟ جس کا میں مولیٰ، فوراً اُس کا علی مولیٰ۔ میں یہ آپ کو سنا چکا ہوں کہ ارشادِ ربانی ہے:

"تمہارا ولی کون؟ اللہ، اُس کا رسولؐ اور رکوع میں زکوٰۃ دینے والا"۔

اگر رکوع میں زکوٰۃ دینے والا کب ہے حاکم؟ جب رسولؐ نہ رہیں۔ تو پھر رسولؐ بھی اُس وقت حاکم، جب خدا نہ رہے۔ لیکن جس طرح خدا کے ہوتے ہوئے رسولؐ حاکم، اسی طرح رسولؐ کے ہوتے ہوئے علیؑ حاکم، بعدیت کیسی؟

وہی ترتیب آیۂ اطاعت میں آتی ہے:

"اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ".

"اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو"۔

تو کیا اللہ کی اطاعت کرو جب رسولؐ نہ رہے۔ اللہ کے ہوتے ہوئے رسولؐ کی اطاعت۔ اسی طرح اولی الامر کی اطاعت کرو رسولؐ کے ہوتے ہوئے۔

اگر آپ چونک رہے ہوں تو میں صاف لفظوں میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اطاعتیں ایک لاکھ بھی جمع ہو جائیں، اگر اُن ایک لاکھ کی بات ایک ہے تو کوئی دشواری

نہیں۔ اگر بات دو بھی ہو جائیں تو دو کی بھی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ ایک کچھ کہہ رہا ہے۔ جب دو ہو جائیں اور دونوں مختلف ہوں تو اطاعت نہیں ہو سکتی۔ ایک کی اطاعت ہوگی تو دوسرے کی نافرمانی ہوگی۔ مختلف دو اطاعتیں جمع نہیں ہو سکتیں اور متفق ہوں تو ایک لاکھ تو کیا ایک کروڑ اطاعتیں بھی اگر ہوں، کوئی دشواری نہیں۔

خداوند عالم مطمئن ہے کہ جو میرا حکم ہے، وہی میرے رسول کا حکم ہے، وہی اولی الامر کا حکم ہے۔ حکم بدلے ہوئے نہیں ہیں۔ لہٰذا ہر اطاعت ہم میں سے ہر ایک کی اطاعت ہوگی۔ اگر حکم بدلے ہوئے ہوتے تو خداوند عالم کبھی ایسی اطاعت کا حکم نہ دیتا۔ اگر دیتا بھی تو قید لگا دیتا۔ رسولؐ کی اطاعت کرنا مگر اُس وقت جب اُن کی بات میری بات سے مل رہی ہو۔ اگر نہ ملنے والی کوئی بات ہوتی تو کہنا لازمی تھا۔ اولی الامر کی اطاعت کرنا مگر جب تک وہ میری اطاعت میں رہیں۔ اگر وہ میرے خلاف کہیں تو خبردار! اطاعت نہ کرنا۔

چنانچہ والدین کی اطاعت کے بارے میں لفظ موجود ہیں قرآنِ کریم میں کہ والدین کی اطاعت کرو مگر صاف:

"وَاِنْ جَاهَدَاکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ" (لقمان: ۱۵)

"جس وقت وہ یہ کوشش کریں کہ میرے خلاف تمہیں کوئی حکم دیں"

"فَلَا تُطِعْهُمَا"۔

"خبردار! اُن کی اطاعت نہ کرنا"۔

ماں باپ کی اطاعت کیلئے قید لگائی گئی ہے۔ اولی الامر کی اطاعت کیلئے کوئی

قید نہیں۔ بلا قید حکمِ اطاعت کا ہونا صاف بتا رہا ہے کہ اولی الامر معصوم ہیں۔ کوئی حکم میرے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

میں چاہ رہا ہوں کہ پوری آیت کو سنا دوں۔ ممکن ہے کہ ہمارا مجمع پورا لطف لے سکے۔ یہ لطف میرے بیان کا نہیں ہے بلکہ بیانِ قرآن کا لطف ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ"۔ (نساء: ۵۹)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو، اور اگر کسی شے میں اختلاف کرنے لگو تو اُسے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو"۔

خدا نے اپنے اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کا حکم بطورِ تمہید دیا ہے۔ اصل میں آیت آئی ہے اطاعتِ اولی الامر کیلئے۔ خداوند عالم یہ بتانا چاہتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا"۔ (نساء: ۵۹)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ اور اولی الامر کی اور اگر کسی شے کے بارے میں تم جھگڑا کر بیٹھو تو اُسے لوٹا دو اللہ اور رسولؐ کی طرف۔ اگر تمہارا اللہ اور قیامت پر ایمان ہے۔ یہی بہترین تاویل ہے یہی احسن تاویل ہے"۔

تاویل طلب آیہ اطاعت میں لفظ اللہ تو نہیں ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ اللہ کون ہے، یہ ہے یا وہ ہے۔ نہ ہی لفظ رسولؐ تاویل طلب ہے کہ ہمیں رسولؐ کی خبر نہیں کہ رسولؐ کون ہیں۔ تاویل طلب جو لفظ ہے، وہ اولی الامر ہی تو ہے۔

"ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا"

یہی تاویل بہترین ہے کہ تم نزع کا فیصلہ اللہ اور رسولؐ سے چاہو یعنی اللہ اور رسولؐ سے پوچھو کہ اولی الامر کون ہیں؟ اور یہ پوچھنا جب ہے کہ جب قرارداد قدرت کی ہو، اعلان رسالت کا ہو۔ اگر امر ہمارا دیا ہوا ہو تو ہم اُن سے کیوں پوچھیں۔ خود ہم ہی بتائیں۔ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں تنازع فی شے سے مراد وہی تنازعہ ہے کہ جو اولی الامر کے بارے میں ہے۔ اب آپ کے سننے کی بات آ رہی ہے:

"اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ". (نساء: ۶۰)

"اے رسولؐ! دیکھتے ہو اُن لوگوں کو جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم تم پر بھی ایمان لا چکے اور تم سے پہلے جو نبی تھے، اُن کو بھی مان چکے ہیں۔ ارادے اُن کے یہ ہیں کہ شیاطین کو حاکم بنائیں۔ حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کے منکر رہیں ہمیشہ"۔

خداوندا! شکر ہے تیرا کہ تو نے ہمیں منکر قرار دیا۔ خدا کرے کہ یہ انکار تا زیست باقی رہے کیونکہ آیۃ الکرسی میں یہی الفاظ تو ہیں:

"وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ". (بقرہ: ۲۵۶)

"حکم دیا جا چکا ہے کہ منکر رہیں"۔

اور جنابِ والا! کافر ہونا بھی کوئی عیب نہیں ہے۔ خداوند عالم ہر مومن سے چاہتا ہے کہ وہ مومن ہونے سے پہلے کافر ہو۔

"وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ".

"تمہارا فرض یہ ہے کہ طاغوت کے کافر بنو اور اللہ کے مومن بنو"۔

"یکفر" کا لفظ پہلے آیا ہے، "یومن" کا لفظ بعد میں آیا ہے۔ جو طاغوت کا کافر ہوگا، اللہ کا مومن ہوگا۔ نجات کا ذریعہ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ جنابِ والا! خدا طاغوت کا کافر ہونا ہر ایک کو نصیب کرے۔

"يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ".

چاہتے ہیں کہ طاغوت کو حاکم بنائیں حالانکہ اِن کو حکم دیا جاچکا ہے کہ وہ اُن کے منکر رہیں۔ کبھی اُن کے مقر نہ ہوں۔

ایک جملہ یہاں کا اور سننے کے لائق ہے اور کیا کہوں کہ بہت واضح کر کے بیان کرنے کے لائق تھا۔ مگر بقدرِ ضرورت اکتفا کروں گا۔ فرمایا جاتا ہے کہ:

"وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى اللّٰهِ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا". (نساء: ٦١)

"جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی بات کی طرف آؤ اور رسولؐ کی بات کی طرف آؤ، تو اے رسولؐ! تم منافقین کو دیکھو گے کہ وہ قرآن کی طرف تو آئیں گے مگر تمہاری بات کی طرف آنے سے بالکل انکاری ہیں"۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ بظاہر قرآن کے ماننے کا تو اقرار ہے مگر رسولؐ کی بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں کیونکہ دعویٰ یہی ہے کہ "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ"۔

تو حضرات! یہاں تین شکلیں بنیں۔ ایک طرف وہ ہیں جو قرآن اور رسولؐ کی بات دونوں کو مانیں، وہ مومن، ایک وہ جو نہ تو قرآن کو مانیں، نہ رسولؐ کی بات کو مانیں، وہ کافر۔ اب درمیان میں ایک طبقہ ہے، قرآن کی بات ماننے کو تیار ہیں، رسولؐ کی بات ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ ''رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ''۔ وہ منافق ہیں۔

خداوند عالم نہیں چاہتا کہ بندوں کی حجت اپنے اوپر قائم کرے۔ اس لئے وہ عمل کا موقع دیتا ہے کہ نیک کی نیکی، بد کی بدی، صابر کا صبر، ظالم کا ظلم، مومن کا ایمان، کافر کا کفر اور منافق کا نفاق منظر عام پر آجائے اور کسی کو اپنے یا دوسرے کے بارے میں حمایتِ بے جا یا تشددِ بے جا کا شبہ نہ ہو سکے۔

لہٰذا حضراتِ والا! خاصانِ خدا کے امتحان کی غرض و غایت ہے ان کے کمالِ ایمان، کمالِ معرفت، عام نگاہوں کے سامنے لانا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیائے کرام کو مختلف نوعیت کے امتحانوں سے گزارا لیکن جیسا سخت ترین امتحان سید الانبیاء کا ہوا، وہ آپؐ ہی کا حصہ ہے۔

حسین علیہ السلام یعنی سبطِ رسولؐ کو چنا تھا خدا نے اپنے اس علم اور اعتماد پر کہ دنیا والے حسینؑ کی امامت و خلافت کو مانیں یا نہ مانیں مگر حسینؑ یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ میں خلیفہ اور امام نہیں ہوں بلکہ یزید ہے یا کوئی اور ہے۔ یہ بیعت صرف حسینؑ ہی کی امامت کا زوال نہ ہوگا بلکہ اللہ کی الوہیت کا زوال ہوگا۔ پھر جب خدا ہی خدا نہ رہا تو رسول کی رسالت، دین حق کی حقانیت اور جزاء اور قیامت، یہ سب ہی افسانہ ٹھہرے۔ اب حسینؑ کیلئے دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو بجرمِ انکارِ بیعت اپنا اور اپنوں کا قتل ہونا گوارہ کریں یا بیعت کر کے اپنی امامت ہی کو باطل نہیں بلکہ آئمہ کو کاذب و

جاہل اور پورے دین ہی کو باطل کر دیں۔

حسینؑ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کی الوہیت میری زندگی پر منحصر نہیں۔ جب نہ میں تھا، نہ کوئی تھا، تب بھی خدا، خدا ہی تھا اور جب کوئی بھی نہ رہے گا، تب بھی خدا، خدا ہی رہے گا۔ لیکن بیعت غیر کرنے میں وہ یزید ہو یا کوئی بھی، وہ فاسق ہو یا عادل، اللہ کا علم واعتماد اور صداقت زائل ہو جاتی ہے۔

حسینؑ ان دو صورتوں میں سے جو صورت اختیار کر سکتے تھے، آپ نے وہی صورت اختیار کی۔ اپنے آپ کو نہیں بچایا۔ خدا کی خدائی کو، اس کے علم واعتماد کو، نبی کی نبوت کو، آئمہ کی امامت کو، دین کی حقانیت کو بچایا۔

حضرات والا! یہ تو کہہ دینے کی بات ہے، محض بچایا ہی نہیں بلکہ ان تمام چیزوں کو ثابت کر دیا۔ اپنے، اپنی اولاد اور اعزاء واقارب کے خون سے مہر تصدیق ثبت کر دی۔ حسینؑ مظلوم نے ظلم وستم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر اپنی اور اپنوں کی جانیں رکھ دیں۔ مگر مفہوم الوہیت پر آنچ نہ آنے دی۔

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

❁❁❁

چوتھی

مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (اعراف:۱۵۷)۔

"وہ لوگ جو مجھ پر ایمان لائے ہوں، میرے رسولؐ پر بھی ایمان لائے ہوں اور رسولؐ کا احترام کیا ہو اور رسولؐ کی مدد بھی کی ہو اور اُس نور کی بھی پیروی کی ہو جسے ہم نے رسولؐ کے ساتھ ساتھ رکھا، یہ لوگ یقیناً نجات پانے والے ہیں"۔

حضرات! پروردگارِ عالم نے اپنی کتابِ پاک کی اس آیت میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرما دیا ہے کہ آخرت کے عالم میں نجات پانے والے کون ہوں گے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ لامتناہی ہے کہ وہاں جو کچھ ہونا ہے، اُس کی خبر ہمیں یہیں بیٹھے دی جا رہی ہے۔ کون ہوں گے وہاں نجات پانے والے؟ اور یہ بتا دینا قدرت کا، ظاہر ہے کہ اس غرض سے ہے کہ اگر نجات پانا چاہتے ہو تو اُن میں شامل ہو جاؤ جو نجات پانے والے ہیں۔

نویں پارے کی آیت ہے، خداوندِ عالم ارشاد فرما رہا ہے:

"فالذین اٰمنوا بہ"۔

"وہ لوگ جو میرے ماننے کے ساتھ ساتھ میرے رسولؐ کو مانے ہوئے ہوں"،

"اٰمنو بہ"،

"میرے پیغمبرؐ پر جو ایمان لائے ہوں"،

"وعزروہ"،

"اور میرے پیغمبرؐ کا انہوں نے احترام بھی کیا ہو"،

ایمان بھی لائے ہوں اور پیغمبرؐ کا احترام بھی کیا ہو۔

سوال ذہن میں فوراً یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اے معبود! جو ایمان لائے ہوں نبیؐ پر، اب اُن سے احترام کا الگ مطالبہ! یہ کس بناء پر ہے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ نبی کو مانا ہو اور احترامِ نبیؐ نہ ملحوظ رکھا ہو؟ ظاہر میں تو یہ بات ممکن نہیں معلوم ہوتی کہ نبیؐ پر جس کا ایمان ہو، اُس کی نظر میں نبیؐ کا احترام نہ ہو۔

مگر جوابِ قدرت ہوگا کہ تو بے خبر ہے، میں باخبر ہوں۔ تو غیب داں نہیں ہے، میں عالم الغیب ہوں۔ میری نظر میں ایمان کے دعویدار ایسے بھی ہیں کہ ایمان بالنبیؐ کے مدعی ہوں اور نبیؐ کا احترام نہ کرتے ہوں۔ نبی کی ذات کو مانتے ہوں مگر نبی کی بات کو نہ مانتے ہوں اور مجھے اس لفظ کو پھر دہرانا ہے اور مکرر کہنا ہے کہ حضرات! ماننا کسی کا اُس کی ذات کا ماننا کافی نہیں ہے۔

ماننا تو اصل میں بات کا ہے۔ ذات کو ماننا اور بات کو نہ ماننا تو یہ وہ بنیاد ہے جس کو شیطان نے اپنے ہاتھ سے رکھا ہے۔ خطا اُس کی (شیطان کی) اور جرم اُس کا یہ نہیں تھا کہ اُس نے اللہ کی ذات کو نہ مانا، مانا تھا اور مانتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ مردودِ بارگاہ ہونے کے بعد بھی جب اُس نے خدا سے کچھ کہا "رب" کہہ کر کہا۔

منکر ربوبیت نہ تھا۔ ذات کا ماننے والا پہلے بھی تھا اور مردودِ بارگاہ ہونے کے بعد بھی ربوبیت کو مانتا ہی رہا۔ جرم اگر تھا تو یہ تھا کہ ذات کو مانتا تھا مگر بات کو نہ مانتا تھا۔

ماننا اصل میں حضرات بات کا ہے۔ بات تو جب بنے گی کہ جب بات کو مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی مانتا ہے، اُس کی بات کو نہیں مانتا، رسولؐ کو کوئی مانتا ہے، ذات کو مانتا ہے، بات کو نہیں مانتا۔ کیا رہ گیا اُس ماننے میں؟

میں سامعین مجلس سے اشارۃً یہ جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ باتیں بھی حضرات بہت سی ہوتی ہیں۔ کوئی بات پہلی ہے ہادی کی، کوئی بات دوسری ہے ہادی کی، کوئی بات تیسری ہے۔ جب تک بات اوائل میں رہے، ایک بات کے نہ ماننے کو ختم کردیا جائے گا دوسری بات کے مان لینے سے۔

ایک بات کے نہ ماننے کا داغ دھل جائے گا دوسری بات کے مان لینے سے اور دوسری بات بھی اگر نہیں مانی، اُس کا داغ بھی دھل جائے گا تیسری بات مان لینے سے۔ لیکن بڑا اہم مسئلہ تو ہے آخری بات کا۔ اگر آخری بات کو نہ مانا، یہ نہ ماننے کا داغ کس بات کے ماننے سے دھلے گا؟

اس کے بعد تو بات ہی نہیں ہے۔ سب سے زیادہ اہم جو بات ہے، وہ آخری بات ہے اور اگر وہ آخری بات ہو بھی تو آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو۔ اِدھر اُن کا آخری نبیؐ ہونا اور بات کا بھی آخری ہونا! سمجھ لیجئے کہ ماننے نہ ماننے کا فیصلہ اُس پر ہے اور میں یہاں یہ جملہ کہوں گا کہ ماننے والوں کا ذکر تو چھوڑ دیا نہ ماننے والوں کا ذکر تو ترک کرو، رسولؐ بھی اگر ہزاروں خدا کے پیغام پہنچا چکے تو کوئی اللہ تعالیٰ کا پیغام آخری بھی تو ہے۔

خداوند عالم نے آخری پیغام کیلئے کہہ دیا کہ اے رسولؐ! تم نے اگر یہ آخری پیغام نہ پہنچایا تو تم نے کچھ بھی نہ پہنچایا۔ (صلوٰۃ)

بات نبیؐ سے ہو رہی ہے اور کان ہمارے کھولے جا رہے ہیں۔ جتلایا جا رہا ہے کہ تم کیا چیز ہو؟ میرا پیغمبر بھی اگر آخری پیغام میرا نہ پہنچائے، جب کہ ہر پیغام میرا پہلے پہنچا چکا ہے، میں تو نبی تک سے یہ کہہ رہا ہوں کہ:

"فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ".

"تم نے ہماری کوئی رسالت نہیں پہنچائی"۔

سننے والو! سنو اور غور سے سنو۔ سُنی اَن سُنی مت کرو۔ اگر تم نے آخری نبی کی آخری بات کو نہ مانا، پھر ماننے والوں کے دائرے سے نکل گئے۔ (صلوٰۃ)

جس طرح رسولؐ نے سب کچھ پہنچایا، آخری بات نہیں پہنچائی تو نہ پہنچایا کچھ بھی۔ اسی طرح تم نے اگر نبی کی آخری بات کو نہ مانا تو جتنی باتوں کو مانا، نہیں مانا۔ وہ ختم ہو گیا، سب ملیامیٹ ہو گیا۔

غرضیکہ حضرات! میں یہ کہہ رہا تھا:

"فالذین امنوا به وعزروه".

"وہ لوگ جو میرے نبیؐ پر ایمان لائے ہوں اور میرے نبی کا احترام بھی کیا ہو"،

اب یا تو اہلِ دانش یہ تجویز کریں کہ "عزروہ" کا لفظ ہی قدرت نے بیکار رکھا ہے۔ ایمان کے بعد عدمِ احترام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن قدرت کا کوئی کلام اور کلام کا کوئی جزو عبث نہیں ہو سکتا۔ جب عبث نہیں ہو سکتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قدرت کی نظر میں ایسے لوگ ہیں جو ایمان کے مدعی ہوں گے مگر نبی کی بے احترامی کریں گے۔

بات کو ماننا تو بعد کی بات ہے، انہوں نے بات کو بات ہی نہیں سمجھا۔ غور کیجئے گا۔ بات کو نبیؐ اکرم کی ہوش کی بات نہیں سمجھا۔ ماننے کا مسئلہ تو اس کے بعد درپیش ہوتا۔ یہاں تو اندھیر یہ ہے کہ بات کو بات ہی نہیں مانا۔

مگر قدرت نے شرط رکھ دی کہ "عزروہ"؛ "اور نبی کا احترام بھی رکھا ہو"۔

اُس کے بعد ایک اور شرط آ رہی ہے:

"ونصروہ"۔

"اور نبیؐ کی نصرت بھی کی ہو"۔

نبی کی نصرت سے بھی منہ نہ موڑا ہو اور نبیؐ کو کسی خطرے میں بھی نہ چھوڑا ہو۔ حقِ نصرتِ نبیؐ بھی ادا کیا ہو۔

نبی کی نصرت اس مسئلہ میں تو ہو ہی نہیں سکتی کہ کوئی علمی مسئلہ نبیؐ کے سامنے پیش ہوا ہو اور اُس میں نبیؐ کو ہماری مدد کی ضرورت ہو کہ ہم بتائیں اور سکھائیں۔ اس سوال کا جواب آپؐ یہ دیدیں، یہ مسئلہ آپؐ اس طرح حل کر دیں۔

علم میں تو ہمیں مدد کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم لاعلم، وہ باعلم اور باعلم بھی ایسے کہ قدرت نے باعلم قرار دے کر بھیجا۔ معلم خداوند عالم خود بنا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ.

خدا معلم ہے اور نبی متعلم ہیں۔

خدا کا پڑھایا ہوا، اُسے دنیا والوں کا پڑھایا ہوا کیا پڑھائے گا؟ نبی کی مدد علمی مسائل میں تو ہو ہی نہیں سکتی۔ پیغمبر کی مدد جو ہے وہ صرف میدانِ قتال میں ہے۔ میدانِ جہاد میں ہے نبی کی نصرت۔ ایک آیت مجھے یاد آ رہی ہے، بشرطیکہ آپ

حضرات دل سے سنیں۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ:

"ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم".

"اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو پھر اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا"۔

وہاں تو نصرتِ نبی کہا ہے۔ میدانِ قتال میں ثابت قدمی سے قتال کرنا۔ اُس آیت میں تو اُس کو نصرتِ نبی کہا ہے۔ خداوند عالم نے، جو آیت میں نے ابھی پڑھی ہے، اُس میں نصرتِ نبی نہیں کہا، اپنی نصرت کہا۔

"ان تنصروا اللّٰہ"،

"اگر تم نے اللہ کی مدد کی"،

"ینصرکم".

"تو پھر اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا"۔

توجہ کا خواہش مند ہوں میں اس وقت، اس لئے کہ زیادہ میں وضاحت نہیں کرسکتا۔ جتنی میری عادت کے مطابق ہے، اتنی میں وضاحت کروں گا۔ اب وضاحت کیلئے ورقوں کا پلٹنا آپ کا کام ہے۔

اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔ اور وہ اللہ جو تمہاری مدد کرے گا، اُس کا عنوان کیا ہوگا؟ عنوان بتایا جاتا ہے:

"ویثبت اقدامکم".

"اور تمہارے قدموں کو میدان میں جما دے گا"۔

یعنی تمہیں ثابت قدم کر دے گا۔ پھر تمہارا قدم لغزش نہیں کرسکتا۔ پھر تم میدانِ قتال کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر نہیں جاسکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور بہترین

مدد یہ ہوگی کہ:

"ویثبت اقدامکم".

اقدام قدم ہی کی تو جمع ہے۔ ثبت ثبات سے ہے۔ تمہارے اقدام کو ثابت کرے گا۔ تم کو ثابت قدم قرار دے گا۔

کب؟ اگر تم نے اللہ کی مدد کی، اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پیروں کو جما دے گا۔

حضراتِ والا! کیا اللہ کا وعدہ غلط ہو سکتا ہے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ وعدہ کرے کسی بات کا اور پھر اُس وعدے کو پورا نہ کرے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ وعدہ کرے خداوند عالم اُسے پورا نہ کرے۔ اگر آپ میدانِ قتل سے کسی کے قدم اکھڑتے دیکھیں، یا تو یہ کہہ دیں کہ اللہ نے وعدہ کیا تھا، پورا نہیں کیا۔ الزام خدا کی ذات پر رکھ دیں کہ وعدہ کیا تھا کہ ثابت قدم بنا دوں گا، نہیں بنایا۔

اگر اللہ تعالیٰ پر آپ الزام نہیں رکھ سکتے اور وعدہ خلافی کا جرم اُس کیلئے تجویز نہیں کر سکتے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ خدا کا وعدہ جس شرط پر تھا، وہ شرط پوری نہیں کی گئی۔ یعنی خدا کی مدد کرنے کے ارادہ سے تم آئے ہی نہیں تھے میدانِ جہاد میں۔ اگر آپ ناصرِ دینِ خدا بن کر آئے ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کا ناصر بنتا اور آپ کے پیروں کو جما دیتا۔

اب پیروں کا اُکھڑنا بتا رہا ہے کہ اللہ نے مدد نہیں کی اور اللہ نے مدد نہیں کی تو اللہ نے وعدہ خلافی تو نہیں کی۔ تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جس شرط پر تم سے وعدہ لیا تھا، وہ شرط تم نے پوری نہیں کی۔

تم اللہ کی نصرت کے ارادے سے آئے ہی نہ تھے، لہٰذا آئے اور گئے......

بہر حال جس آیت کو عنوان بنایا ہے میں نے اپنے بیان کا، شرائطِ نجات اُس میں بیان کئے جارہے ہیں۔ نجات پانے کی شرطیں کیا کیا ہیں؟

پہلی شرط تو یہ ہے کہ نبیؐ پر ایمان ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ نبی کا احترام کیا ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ پیغمبر کی نصرت بھی کی ہو۔

ظاہر ہے کہ نصرت کی شرط جو ہے یہ جان جوکھوں میں ڈالنے والی شرط ہے۔ پیغمبر کی نصرت کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔

نماز میں بھی پڑھ سکتا ہوں، جتنی خدا پڑھوائے۔ روزے میں بھی رکھ سکتا ہوں۔ لیکن اگر خلوص نہیں ہے، حقیقتاً میرے دل میں اگر ایمان نہیں ہے تو میرے عدمِ ایمان کا جائزہ آپ نماز سے نہیں لے سکتے، روزے کی بناء پر آپ یہ طے نہیں کرسکتے۔

اب طے ہونے کا مسئلہ میدانِ قتال میں ہے۔ اس لئے کہ وہاں جان دینے کا مسئلہ ہے۔ ایمان بچارہا ہوں میدان میں پہنچ کر یا جان بچارہا ہوں۔ جو میرے پاس ہوگا، اُسی کے بچانے کی فکر کروں گا۔ جو ایمان لے کر آیا ہے، وہ ایمان کے بچانے کی فکر کرے گا اور جو ایمان سے خالی جان لے کر آیا ہے! آپ کا مطلب یہ ہے کہ ایمان تو تھا نہیں اُس کے پاس، کیا وہ جان بھی دے دے؟ پھر اُس کے پاس کیا رہے گا؟

جس کے پاس جو چیز ہوتی ہے، اُسی کے بچانے کی اُسے فکر بھی ہوتی ہے۔ اگر مجلس سے تبرک ہم لے کر نہ بھی جائیں تو ٹوپی جو پہن کر آئے ہیں، وہ تو سالم لے جائیں۔ جو کپڑے پہن کر آئے ہیں، وہ تو صحیح و سالم واپس لے جائیں۔ جو ایمان لے

کر آتا ہے، وہ ایمان کے بچانے کی فکر کرتا ہے اور جو ایمان سے خالی جان رکھتا ہے (بیچ نہیں ہے وہ جان) وہ جان کے بچانے کی فکر کرتا ہے۔ اپنی اپنی دولت کی ہر شخص حفاظت کر رہا ہے۔ ثابت قدم بھی اپنی دولت کی حفاظت کر رہا ہے اور جانے والا بھی اپنی دولت کی حفاظت کر رہا ہے۔ ایمان بچاتا ہے تو ثابت قدم رہتا ہے اور جان بچاتا ہے تو اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے۔ میں حضرات یہ جملہ کہوں گا جملہ حضرات کے سامنے کہ ثابت قدم رہتا ہے کوئی میدانِ قتال میں تو وہ بھی کسی کی محبت میں ثابت قدم رہتا ہے اور جو چلا جاتا ہے، وہ بھی محبت میں۔ محبت ہی ٹھہراتی ہے اور محبت ہی بھگاتی ہے۔ محبتِ ایمان ہے جو ٹھہراتی ہے اور محبتِ جان ہے جو بھگاتی ہے۔ کوئی مبالغہ تو نہیں! مبالغہ آرائی تو نہیں کر رہا ہوں۔ محبت سے خالی ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں۔

نصروہ۔ شرط لگا دی کہ نصرتِ پیغمبرؐ سے کبھی منہ نہ موڑا ہو اور خطرات کے ہجوم میں نبی کو کبھی نہ چھوڑا ہو۔ بڑی کڑی شرط ہے۔ مگر مجھے کہنا ہے اپنے مجمع سے کہ خداوند عالم نجات کا پروانہ اس شرط کے آنے کے بعد بھی نہیں دے رہا ہے۔ اس کے بعد ایک اور شرط ہے:

"واتبعوا النور الذی انزل معہٗ".

"اُس نور کا بھی اتباع کیا ہو جس کو ہم نے رسولؐ کے ساتھ ساتھ رکھا"۔

شرطِ نصرتِ پیغمبرؐ پر بھی نجات کا فیصلہ نہیں سنایا جا رہا۔ اس کے بعد بھی شرط ہے۔ اُس نور کا بھی اتباع کیا ہو جس کو ہم نے رسولؐ کے ساتھ ساتھ رکھا۔

کم سے کم یہاں فوراً سمجھ آ گیا ہوگا کہ نور سے مراد خود ذاتِ رسولؐ یہاں نہیں ہے۔

"اُنزل معہٗ"۔

اور پھر آیت میں لفظ یہاں یہ بھی نہیں ہے کہ:

"اُنزل الیہ"۔

نکتہ رس حضرات خاص طور پر غور فرمائیں۔ یہ نہیں کہا کہ اُس نور کا اتباع کیا ہو جسے نبیؐ پر ہم نے نازل کیا۔ نبیؐ پر نازل ہونا اور بات ہے اور نبیؐ کے ساتھ ساتھ ہونا اور بات ہے۔ صلوٰۃ۔

میرا صریح اشارہ اس طرف ہے کہ اگر نور سے مراد یہاں قرآنِ کریم ہوتا تو خداوند عالم نے ہر مقام پر کہا ہے کہ:

"نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا"۔

"ہم نے اس (قرآن) کو اپنے بندے پر نازل کیا ہے"۔

"تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ"۔

"فرقان اُس نے نازل کیا اپنے بندے پر"۔

علیٰ کا لفظ آتا ہے ہمیشہ۔ مگر یہاں علیٰ نہیں ہے۔ یہ نور وہ نہیں ہے جو نبیؐ پر اترا ہو۔ یہ نور وہ ہے جو نبیؐ کے ساتھ ساتھ رہا ہے۔ (صلوٰۃ)

ساتھ ساتھ ہی رہا۔ کبھی چادرِ یمانی میں ساتھ ساتھ ہے، کبھی مباہلہ میں ساتھ ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ ہر لمحہ نبیؐ کے ساتھ ہے۔ نبیؐ سے اگر جدا بھی ہے تو حقیقتاً نبیؐ ہی کے ساتھ ہے۔ وہ ساتھ ہی دے رہا ہے دینے والا فرشِ نبیؐ پر سو کر۔

اب میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ ہجرت کیا تھی؟ نبی کا خطرے سے نکلنا۔ یہی تو ہے نا عنوانِ ہجرت! جب نبیؐ ہی خطرے سے نکل رہے ہوں تو پھر نبیؐ

کے ساتھ ہونا خطرے ہی سے نکلنا ہے۔ میرا کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جانبازی تو اس صورت میں ہے کہ جس خطرے سے نبیؐ نکلیں، اسی خطرے میں چادر تان کر سو رہے۔ یعنی تمام خطرات کا بھرپور رخ اپنی طرف کر لے۔ آپؐ خطرے سے نکل جائیں، میں خطرے میں لیتا ہوں۔

حضرات والا! مقصد نبیؐ بھی یہ ہے۔ سرکارؐ نے علی علیہ السلام کو شب ہجرت علیؑ بنا کر نہیں سلایا۔ ایک ایک لفظ تول کر کہا جا رہا ہے۔ سرکارؐ نے شب ہجرت اپنے فرش پر علی علیہ السلام کو علیؑ بنا کر نہیں سلایا۔ اگر علیؑ بنے رہیں اور علیؑ ہی سمجھے جاتے رہیں تو بات نہیں بنتی۔ پھر نبیؐ کا چلے جانا ظاہر ہو جائے گا۔ علی علیہ السلام موجود ہیں، نبیؐ نہیں ہیں۔ سرکارؐ نے اپنے فرش پر علی علیہ السلام کو علیؑ بنا کر نہیں سلایا، نبیؐ بنا کر سلایا ہے۔ یعنی مقصد اصل میں یہ ہے کہ دیکھنے والا علی علیہ السلام کو علیؑ نہ سمجھے، جو دیکھے وہ علیؑ کو نبیؐ سمجھے۔

یا علیؑ! بستر بھی میرا ہو، اوڑھنے کیلئے چادر بھی میری ہو۔ آرام گاہ بھی میری ہی جگہ ہو۔ نہ جگہ بدلے، نہ بستر بدلے، نہ چادر بدلے۔ اور میں اپنے ایمان سے ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ تو بے بدل ہو۔ بستر بھی بے بدل ہو، چادر بھی بے بدل ہو اور جگہ بھی بے بدل ہو۔ اب علی علیہ السلام کے قد و قامت کو نبیؐ سے ملا دینا، یہ قدرت کا کام ہے۔ (صلوٰۃ)

جب مقصد ہی یہ ہے خدا اور رسول کا کہ دیکھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ علیؑ سو رہے ہیں۔ ہر شخص مطمئن رہے کہ نبیؐ اپنے بستر پر ہیں تو آخر قد میں، قامت میں، جثے میں فرق تو ہوگا۔ اب اگر یہ فرق رہے تو لاکھ چادر ہو، لاکھ بستر ہو، بات تو نہیں

بنی۔ لہٰذا معلوم یہ ہوتا ہے کہ قد و قامت کو قدرت نے ملا دیا نبیؐ کے قد و قامت سے۔ جو دیکھے وہ نبیؐ ہی سمجھے۔

لوگ کہتے ہیں کہ شبیہ بنانا ناجائز ہے۔ شبیہ تو نبیؐ کے ہاتھوں بن رہی ہے۔ نبیؐ کے گھر میں بن رہی ہے۔ نبیؐ نے اپنے ہاتھ سے اپنی شبیہ بنا کر سلایا اور شبیہ بھی ایسی بنائی کہ اُس شبیہ پر کوئی شبہ بھی نہ ہو۔

واہ

لیکن حضرات! ماننے والا میں رسول کا بھی ہوں اور علی علیہ السلام کا بھی ہوں۔ شرف تو دونوں ہی کی غلامی کا ہے۔ مگر پھر بھی کہنے میں بات آتی ہے، کچھ گلہ نہیں۔ سرکارِ رسالت سے عرض کرنے کو دل چاہ رہا ہے میرا کہ سرکارؐ! آپؐ نے ہمیشہ علی علیہ السلام کو اپنا نورِ نظر سمجھا، جان و جگر سمجھا، قوتِ بازو سمجھا، غمخوار سمجھا، یہ آج کیسی بے رخی ہے کہ جس خطرے سے آپ نکل رہے ہیں، اُسی خطرے میں علی علیہ السلام کو ڈال رہے ہیں؟ اور خطرات کو یہ کہہ کر اور بڑھا رہے ہیں کہ علیؑ! سوتے رہنا۔

ارے جاگتا ہو تو پھر بھی اپنی کچھ حفاظت کر لیتا ہے۔ حکم یہ ہے کہ سو جاؤ۔ خطرات کو بڑھانا ہے یا نہیں؟ آپؐ نے اُس جگہ جاگ کر بھی رات نہ گزاری۔ جان و جگر کو خطرات کے ہجوم میں آپؐ ڈال رہے ہیں۔ یہ آئینِ وفا کے منافی نظر آتا ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ خطرات اگر لازمی ہو جائیں تو بزرگ اپنی جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، اپنے خورد کو بچانے کی فکر کرتے ہیں کہ ہم تو پھر عمر رسیدہ ہیں، تمہارے جینے جاگنے کے دن ہیں۔ تو علی علیہ السلام تو انتہائی خورد ہیں رسولِؐ اکرم کے مقابلہ میں۔ آپؐ خود خطرے سے بچیں اور علی علیہ السلام کو خطرات کے ہجوم میں ڈال دیں۔ یہ بھی تاکید ہو کہ رات سو کر گزاریں۔ پہلی بات حضرات! میں منطقی اعتبار سے کہتا ہوں

کہ سو جانے کا حکم جو خطرات میں ہے، یہ ہے تکلیف مالا یطاق، سو جانا بھی کسی کے بس میں ہے؟ ذرا سا بھی کھٹکا ہوتا ہے تو نیند کوسوں بھاگ جاتی ہے۔ اب اُس سے کہو کہ سو جائے۔ کیا یہ بس میں ہے کہ سو جائے۔ تکلیف مالا یطاق کہتے ہیں کہ یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ مگر علی علیہ السلام کے بس کی بات اگر نہ ہوتی تو نبی حکم ہی نہ دیتے۔ بہر حال اس بحث میں پڑے بغیر میں تو اپنی وہی بات پیش کرنا چاہتا ہوں کہ سرکار بجس علیؑ نے آپ کی ہر جگہ حفاظت کی، ہر جگہ آپؐ کے لئے اپنی جان نثار کرنے کیلئے تیار رہے، خود علی علیہ السلام کے والد کا بھی یہ آئین رہا کہ خطرات سے نبی کو ہٹاتے ہیں اور علی علیہ السلام کو سلاتے ہیں، وہ جنابِ ابو طالبؑ کا عمل تھا اپنے جوشِ ایمانی میں اور جوشِ معرفت میں۔

اب آپؐ خود یہ کچھ کر رہے ہیں کہ جن خطرات سے آپ نکلتے ہیں، اُن خطرات کے ہجوم میں آپؐ نے گوارہ کیسے کرلیا کہ رات بھر اُن خطرات میں حضرت علی علیہ السلام ہدفِ تیر و نشتر رہیں اور ہدفِ شمشیر و خنجر رہیں؟ یہ کیسے گوارہ کرلیا؟

حضراتِ والا! میرے دل میں ایک آواز آتی ہے رسول اللہؐ کی طرف سے کہ بے خبر! خطرہ مجھے تھا، علیؑ کو نہیں تھا۔ خطرہ میرے لئے تھا، علیؑ کیلئے نہیں تھا۔

سرکارؐ! یہ کیوں؟ آپؐ کے لئے خطرہ تھا، علیؑ کیلئے نہیں تھا، یہ کیوں؟

جواب یہ ملتا ہے کہ میں نے علیؑ کو کفار میں چھوڑا ہے، منافقین میں نہیں چھوڑا ہے۔ میرے دشمن ہوتے ہیں کفار، علیؑ کے دشمن ہوتے ہیں منافقین! (صلوٰۃ)

کافر جب دشمنی کرے گا نبیؐ سے کرے گا۔ آلِ نبیؐ سے اُسے کوئی سروکار نہیں۔ اور منافق جب دشمنی کرے گا، آلِ نبیؐ سے کرے گا۔

اس لئے خطرہ کفار کے ہجوم میں میرے لئے تھا، علیؑ کیلئے نہیں تھا۔ میںؐ نے علیؑ کو کفار میں چھوڑا، منافقین میں نہیں چھوڑا۔ اور تو نے اے بندے! غور نہیں کیا ابھی تک کہ میںؐ نے چلتے چلتے یہ اہتمام کیا تھا کہ مکہ میں منافق ایک نہ رہے، جتنے رہیں کفار رہیں، شوق سے رہیں۔ کفار میرے اہلِ بیتؑ سے دشمنی نہیں کرتے۔

بستر پر سرکارِ دو عالمؐ سلا گئے۔ جب کفار کو یہ معلوم ہو گیا کہ بستر پر نبی نہیں ہیں، علیؑ ہیں تو کسی نے تلوار چلائی؟

صرف علی علیہ السلام ہی کو نہیں چھوڑ گئے۔ آپ کے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے کہ رسولؐ اپنی پوری کائنات کو بھی چھوڑ گئے تھے۔ جناب فاطمہ زہراؑ بھی تو اسی گھر میں تھیں۔ بیٹی کو بھی ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ آپؑ تو اسی گھر میں تھیں۔ بلکہ روایات یہ بتاتی ہیں کہ نام کی تین فاطمہ اس گھر میں موجود تھیں: فاطمہ بنتِ رسولؐ، فاطمہؑ بنتِ اسد اور ایک اور فاطمہ جناب عبدالمطلب کی پوتی، زبیر ابن عبدالمطلب کی بیٹی۔

تین فاطمہ اس گھر میں تھیں۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام اس گھر میں تھے۔ کفار نے حملہ نہیں کیا علی علیہ السلام پر۔ حالانکہ انہیں یہ سمجھنے کا موقع تھا کہ رسولؐ تو چلے گئے اور ہمارے ہاتھ سے نکل گئے۔ اب ان کی کائنات تو اسی گھر میں ہے۔ ساری دولت تو یہیں ہے۔ اب اسی کو کوئی آزار پہنچائیں۔ اسی سے کوئی انتقام لیں۔

لیکن میرا مجمع مجھے بتائے کہ خاتونِ جنت کی چادر کی طرف کسی نے ہاتھ بڑھایا؟ کسی نے کوئی بے احترامی کی؟ معصومہ کونینؑ نے مکہ سے والد کے چلے جانے کے بعد کیا یہ فریاد کی کہ مجھ پر مصائب کے پہاڑ ڈھا دیئے گئے؟ مجھے ستایا گیا، مجھے

آزار پہنچایا گیا؟

کوئی مرثیہ آپ نے سنا ہے؟ کوئی آواز سنی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں:

ہیچ کافر نہ کند آں چہ مسلماں کردند

ایک منظر نگاہوں کے سامنے آگیا کہ بعد از شہادتِ سیدۂ کونینؑ، جب آپ سلام اللہ علیہا کا جنازہ قریبِ لحد پہنچا اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے اُسے سپردِ لحد کرنا چاہا تو آپؑ کا بیان ہے کہ گوشۂ قبر سے دو ہاتھ نمودار ہوئے، اُن ہاتھوں کو علی علیہ السلام سے بہتر پہچاننے والا کون ہو سکتا تھا؟ پہچانا اُن ہاتھوں کو اور پہچانتے ہی کہا:

"السلام علیک یا رسولؐ اللّٰہ".

"میرا سلام ہو آپؐ پر اے اللہ کے رسولؐ، میرا بھی سلام ہو آپؐ پر اور آپ کی بیٹیؑ کا بھی سلام ہو آپؐ پر"۔

اس کے بعد عرض کرتے ہیں:

"فلقد استرجعت الودیعة".

"جو امانت آپؐ نے کبھی مجھے سونپی تھی، حاضر کر رہا ہوں"۔

"واخذت الرهینة".

"اور اپنی وہ کائنات جو آپؐ نے میرے سپرد کی تھی، اُسے میں آج واپس کر رہا ہوں"۔

مگر آپ کی امانت میں کچھ تغیر ہو گیا ہے۔

یہ کلام علی مرتضیٰ علیہ السلام کا آج بھی نہج البلاغہ میں موجود ہے۔ آپ کی امانت میں سرکارؐ کچھ تغیر ہو گیا ہے۔ جب یہ امانت آپؐ نے مجھے سونپی تھی تو پہلو پر کوئی

نشان نہیں تھا مگر میں واپس اس حالت میں لایا ہوں کہ سیدہؑ کے پہلو پر نیل پڑا ہوا ہے۔ لیکن آپؐ اس تغیر کے بارے میں اپنی بیٹیؑ ہی سے پوچھ لیں کہ واقعات کیا پیش آئے ہیں؟

"جو حال ہوا ہے ہمارا آپؐ کے بعد اور جو گزری ہے ہم پر آپؐ کے بعد، وہ کہانی آپ کی بیٹیؑ آپ کو خود ہی سنا دیں گی۔ انہیں سے پوچھ لیجئے"۔

جی چاہتا ہے کہ عرض کروں کہ سرکارِ امامتؑ بے شک نشان تھا اور آپؑ نے لفظوں میں بھی بار بار فرمایا ہے کہ میں روتا ہوں اور یاد کرتا رہوں گا پہلوئے سیدہؑ کے اُس نشان کو جو نیل کی طرح سیاہ ہو گیا تھا۔ میری نظر سے وہ نشان بھلایا نہیں جا سکتا۔ دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ مولا! ایک نشان تھا۔ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا کے بدن پر کتنے نشان ہوں گے؟ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے بدن پر کتنے نشان ہوں گے؟ بازوؤں پر تازیانوں اور نیزوں کے نشان ہوں گے کیونکہ جناب سید سجاد علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ رونے کی ہمیں اجازت نہیں تھی۔ لیکن بیقراری میں ہماری آنکھ سے اگر آنسو نکل جاتا تو اُس کے ساتھ ہمارے بدن سے خون بھی نکلتا تھا۔ نیزوں کی نوکیں ہمیں چبھائی جاتی تھیں۔

خدا جانے زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے بدنِ مبارک پر کتنے نشان ہوں گے اور کیسے کیسے نشان ہوں گے۔ دُرّوں کے، تازیانوں کے، نیزوں کے، رسیوں کے اور ایسے بھی نشان ہوں گے جو بیقراری میں معظمہؑ نے خود پیدا کئے ہوں گے۔

کب کب آپؑ نے اپنے منہ پر طمانچے بھی مارے ہیں۔ ان طمانچوں کے بھی نشان ہوں گے۔ کسی شاعر نے اُسی زمانہ میں نوحہ کہا تھا شہیدِ کربلا کا اور یہ لفظ

کہا تھا:

"بی بی فاطمہؑ! اگر آپؑ حسینؑ کی لاش کو پارہ پارہ دیکھتیں"

"تو مجھے یقین ہے کہ آپؑ لاشِ حسینؑ کو دیکھ کر اپنے منہ پر طمانچے مارتیں"۔

بے شک ایسا ہی ہوتا۔ اب فاطمہ زہراؑ کی جگہ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔
کس کس موقع کو دیکھا اور کس کس وقت آپؑ نے اپنے منہ کو پیٹا۔

الا لعنة اللّٰه على القوم الظالمين.

پانچویں

مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (اعراف:۱۵۷)

"جو لوگ مجھ پر ایمان لائے ہوں اور (میرے ساتھ) میرے رسولؐ پر ایمان لائے ہوں اور رسولؐ کا احترام بھی کیا ہو اور رسولؐ کی مدد بھی کی ہو اور اُس نور کی بھی پیروی کی ہو جسے ہم نے رسولؐ کے ساتھ ساتھ رکھا، یہ لوگ یقیناً نجات پانے والے ہیں"۔

کیسے خوش نصیب ہیں ہمارے مرنے والے کہ اپنی موت کے بعد بھی ذکرِ آلِ محمدؐ کے محرک بنے ہوئے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان پاکیزہ روحوں کی یہ فرمائش رہتی ہے کہ ہمارے لئے اگر کوئی تحفہ بھیجنا چاہتے ہو تو ذکرِ آلِ محمدؐ کا گلدستہ بنا کر پیش کردو۔

کیا کہنا اُن حضرات کا کہ مرنے والوں کی موت کے بعد ہر رشتۂ محبت ٹوٹ جاتا ہے مگر ایک رشتۂ محبت ایسا ہے جو ٹوٹتا نہیں بلکہ مضبوط تر ہو جاتا ہے۔ تمام محبتیں، موت اُن کو ختم کر دیتی ہے مگر ایمان یہ کہتا ہے کہ حُبِّ آلِ محمدؐ وہ حُب ہے کہ جس کا رشتہ موت سے کمزور نہیں ہوتا بلکہ زوردار ہو جاتا ہے، اس لئے کہ یہاں ان پاکیزہ ہستیوں سے زندگی میں محبت تھی تو بربنائے شنید تھی۔ سنا کرتے تھے اُنؑ کے کمالات کو، اُنؑ کے فضائل کو۔ یہاں محبت اُنؑ سے بربنائے شنید تھی۔ مگر موت کے بعد یہ محبت شنید سے آگے بڑھ کر دید بن جاتی ہے۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

مرنے کے بعد مرنے والا مناظرِ کمالاتِ آلِ محمدؐ کو اپنی بصارت سے دیکھتا ہے۔ یہ رشتۂ محبت وہ رشتہ ہے جس کو موت اور بھی مضبوط تر کردیتی ہے۔ یہاں حضرات مجھے ایک جملہ کہنا ہے بشرطِ توجہ! دین کے دو شعبے ہیں: ایک طرف اصولِ دین ہیں، ایک طرف فروعِ دین ہیں۔

اصول وہ ہیں کہ جنہیں ماننا ہے، کرنا کچھ نہیں ہے اور اگر عمل ہو جائے اُن کے بارے میں کسی قسم کا تو وہ اصول اصول نہیں رہتے۔ خدا کو ماننا ہے جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا بناؤ اور مانو، خدا کو بنا کر مانو بلکہ مطلب یہ ہے کہ حقیقتاً جو خدا ہے، اُسے مانو۔ نبی کو مانو۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ پہلے کسی کو نبی بنالو، پھر اُس کو مانو۔ بنانے کا لفظ اصول کے بارے میں آ ہی نہیں سکتا۔ اصول وہ ہیں کہ جہاں انسانی سازش کا کوئی ذکر نہیں۔ جو ہے خدا، اُسے مانو، جو ہے نبیؐ، اُسے مانو اور جو ہے امام، اُسے مانو۔ قیامت ڈھانا تمہارا کام نہیں ہے، قیامت لانا تمہارا کام نہیں ہے، قیامت کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں کرنا، قیامت پر تمہارا ایمان ہونا چاہئے۔ اصول وہ ہیں جن کے بارے میں ہمارا عمل کوئی نہیں، ہمیں صرف ماننا ہے۔

بڑی توجہ چاہوں گا حضرات میں آپ سے کہ ماننا ایسی شے ہے جس میں نہ وقت کا خرچ ہے، نہ جان کا خرچ ہے، نہ مال کا خرچ ہے، نہ طاقت کا خرچ ہے، اس لئے ماننے کے مسئلہ میں استطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مرتے مرتے بھی انسان مان سکتا ہے۔

فروع وہ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے اور جب اُن کا تعلق عمل سے ہے، پھر

اُن کیلئے طاقت بھی دیکھی جائے گی۔ استطاعت بھی دیکھی جائے گی۔ موانعِ عمل بھی ہوسکتے ہیں۔ محرکاتِ عمل بھی ہوسکتے ہیں۔ اس لئے اعمال میں تخفیف بھی ہوجاتی ہے۔ چار رکعت کی دو بھی ہوجاتی ہیں۔ بیمار سے روزہ ساقط بھی ہوجاتا ہے۔ نادار سے فرضِ زکوٰۃ ساقط ہوجاتا ہے۔ وہاں طاقت دیکھی جائے گی، استطاعت دیکھی جائے گی۔ شریعت عمل کے بارے میں سہولتیں دے گی۔ کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکو، بیٹھ کر پڑھ لو۔ وضو نہ کرسکو تو بدل ہے اُس کا، تیمم کرلو۔ عمل کا بہرحال بدل ہے۔ اصول وہ ہیں جن کا کوئی بدل نہیں۔ اصول بے بدل ہیں اور عمل کا بدل بھی موجود ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا کو نہ مان سکو تو کسی اور کو مان لو، نبی کو نہ مان سکو تو غیر نبی کو مان لو۔ امامِ برحق کو نہ مان سکو تو امامِ ناحق کو مان لو۔ اصول وہ ہیں جن میں بدل نہیں، تخفیف نہیں۔ اس لئے یہ چیزیں نہیں کہ اُن میں استطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تمہیں کرنا کیا ہے اُن میں، تمہیں تو ماننا ہی ماننا ہے۔ جب ماننا ہی ماننا ہے تو ہر وہ شخص جو جان رکھتا ہے، جب جان رکھتا ہے تو پھر وہ مان بھی سکتا ہے۔

لیکن عمل چونکہ طاقت چاہتا ہے، کبھی طاقتِ عمل چاہتا ہے، کبھی طاقتِ زر چاہتا ہے، لہٰذا وہاں استطاعت کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔

حج اُس پر ہے کہ:

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً۔ (آلِ عمران: ۹۷)

جو استطاعت رکھے اور راہ کو طے کرسکے، اُس پر یقیناً فرض ہوگا لیکن جس میں استطاعت نہ ہوگی، اُس پر یہ فریضہ فرض نہ قرار پائے گا۔

یہ بڑا فرق ہے اصول میں اور فروع میں۔ بڑی پُرلطف بات میں کہنا چاہتا

ہوں کہ اگر اس سے زیادہ فرق دیکھنا چاہیں اصول میں اور فروع میں تو میں بڑی آزادی سے یہ جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ فروع وہ ہیں جو جیتی جاگتی زندگی کیلئے ہیں، جو حیات کے آخر دم تک کیلئے ہیں لیکن موت آئی اور فروعِ دین ختم ہو گئے۔ اب نہ اس پر نماز واجب ہے، نہ روزہ واجب ہے۔ نہ زکوٰۃ کا اُس سے سوال ہے، نہ جہاد کا اس سے مطالبہ ہے۔ فروعِ دین وہ ہیں جو اسی زندگی میں اس پر یقیناً فرضِ عین ہیں لیکن موت کے بعد فروع کے بارے یہ سبک بار ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں سوچئے کہ فروع تو زندگی کے خاتمہ پر ختم ہو گئے، اصول وہ ہیں جو ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہاں بھی خدا کو مانو، وہاں بھی خدا کو مانو۔ یہاں بھی نبی کو مانو، وہاں بھی نبی کو مانو۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ موت کے بعد تو منکر بھی مقر ہو جائے گا، انکاری بھی اقراری ہو جائے گا۔ اصول وہ ہیں جو مرنے کے بعد ختم نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ فروع وہ ہیں جو موت پر ختم ہو گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ حُبِّ آلِ محمدؐ اصول میں ہے یا فروع میں ہے؟

فروع میں اگر ہے تو موت پر اُسے بھی ختم ہو جانا چاہئے۔ مگر یہ بات یقینی ہے کہ یہ محبت ختم کیوں ہو؟ اُن سے محبت ہے جو محبت کے لائق ہیں۔ یہاں زندگی میں اُن سے محبت کی تھی، اس لئے کی تھی کہ اُن سے کارسازی کی توقع تھی۔ وہاں ہمارے کام آئیں گے۔ یہاں محبت اُمید کی بناء پر تھی اور جب یہ اُمید پوری ہو رہی ہو اور وہاں وہ ہمارے کام آ رہے ہوں۔

یہ محبت وہ محبت ہے جو مرنے کے بعد ختم نہیں ہو سکتی اور جب ختم نہیں ہو سکتی بلکہ بڑھتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ حُبِّ آلِ محمدؐ فروع میں نہیں ہے بلکہ اصول میں ہے۔

کہا ہے امام شافعی نے، فرماتے ہیں کہ:

یا اھل البیت رسولَ اللہ حبکم
فرض من اللّٰہ فی القرآن انزلہٗ

''اے اہلِ بیتِ رسولؐ! آپؑ حضرات کی محبت فرض من اللہ۔ اللہ کی جانب سے فرض ہے اور وہ بھی کسی حدیث کی رو سے نہیں، فی القرآن انزلہٗ''۔

آپؑ حضرات کی محبت کا حکم تو خداوند عالم نے اپنی کتاب آخر میں بیان کیا ہے۔ قرآنِ کریم میں موجود ہے، ''انزلہٗ''، جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

اور اُس کے بعد دوسرے شعر میں فرماتے ہیں، بڑی جامعیت کا بیان ہے:

کفی لکم من عظیم القدر انکم
من لم یصل علیکم لاصلوۃ لہٗ

آپ حضراتؑ کے فضائل کا ذکر تو بہت کچھ ہے۔ فضائل آپ حضراتؑ کے ان گنت ہیں اور بے شمار ہیں۔ مگر وہ عالمانہ شان میں کہتے ہیں کفاکم۔ آپ حضراتؑ کی بڑھتی ہوئی فضیلت کیلئے بس ایک یہی بات کافی ہے، کافی اُس مقدار کو کہتے ہیں جس سے زیادہ کی ضرورت ہی نہ رہے۔ اگر ضرورت رہے تو پھر اُسے کافی کہنا غلط ہوگا۔

آپ کے عظیم مراتب کیلئے ایک یہی جملہ کافی ہے۔ ایک یہی فضیلت ایسی فضیلت ہے کہ اُس کے ہوتے ہوئے آپؑ کو کسی فضیلت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ وہی ایک فضیلت آپ کیلئے کافی ہے۔ وہ کیا ہے؟ من لم۔

جس نمازی نے نماز میں تم پر درود نہ بھیجا،

لا صلوٰۃ لہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بھی نبی کا جنازہ ہو، کیوں جناب کیا حشر ہوتا ہے؟ یہاں سے یہ نظر آتا ہے کہ نہ خطرات جنگ میں نبی کا ساتھ دیا اور نہ بعدِ وفات نبی کا ساتھ دیا۔ ساتھ تو نہ وہاں ہے اور نہ یہاں ہے۔

غرضیکہ ایک نماز ایسی ہے جو وضو و غسل کے بغیر بھی صحیح ہے۔ افضلیت اور چیز ہے کہ باوضو ہونا یا باغسل ہونا، یا لباس کا طاہر ہونا شرطِ صحتِ نماز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جہاں یہ تمام چیزیں نہیں ہیں، وہاں الحمد بھی نہیں، وہاں رکوع بھی نہیں۔ قیام ہی قیام ہے۔ سجود نہیں، قنوط نہیں۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ مگر کیا اس نماز میں درود بھی نہیں؟

تو اللہ اللہ، کتنا اہتمامِ قدرت ہے درود کے بارے میں کہ جس نماز میں یہ کچھ بھی نہیں، وہ نماز بھی درود سے خالی نہیں۔ چاہے وہ چار تکبیر کی ہو اور چاہے وہ پانچ تکبیر کی ہو۔ یہ تو گنتی کیلئے اپنی اپنی پسند ہے۔ کسی کو چار پسند ہیں، کسی کو پانچ پسند ہیں۔ (صلوٰۃ)

بہر حال وہ نماز بھی درود سے خالی نہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ جس نماز میں درود نہیں، اُس نماز میں کوئی دم درود نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود نماز کی روح ہے۔ وہ نماز کی جان ہے۔ خداوند عالم نے کسی نماز کو بھی ان حضراتؑ پر درود بھیجنے سے خالی نہیں رکھا۔ اسی لئے اشارہ کر رہے ہیں امام شافعی کہ بس آپؐ کیلئے ایک یہی فضیلت ایسی ہے کہ اگر اور کوئی بھی فضیلت آپؐ کیلئے نہ ہوتی تو ایک یہی فضیلت آپؐ کیلئے کافی تھی۔

حقیقتِ امر یہ ہے کہ خداوند عالم نے جا بجا ان حضراتؑ کی مدح و ثناء کی

ہے۔ خداوند عالم کی حمد کے حق کا ادا کرنا، وہ ان کا کام ہے اور ان کی مدح کے حق کا ادا کر دینا، یہ کارِ خداوندی ہے۔ جیسی انہوںؑ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، کون کر سکتا ہے؟ اور جیسی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح وثناء کی، کون کر سکتا ہے؟

کیسا ہے معبود؟ مجھ سے مت پوچھو۔ ان سے پوچھو اور کیسے ہیں اللہ کے یہ بندے؟ ان سے نہ پوچھے کوئی، مجھ سے پوچھے۔ میری حمد بجالانا تمہارا کام ہے، تمہاری مدح وثناء کرنا میرا کام ہے۔

واقعاً یہ بھی کیسا حُسن اتفاق ہے کہ جتنے حرف اور جو جو حرف حمد میں ہیں، بس وہی تو حروف مدح میں ہیں۔ م، د، ح یا ح، م، د.... وہی اور اُتنے ہی حروف حمد کے ہیں اور وہی حروف مدح کے ہیں۔ حمد خدا کیلئے ہے اور مدح ان حضرات کیلئے ہے۔ (صلوٰۃ)

اب خدا ہمارا محمود ہے اور پیشوا ہمارے ممدوح ہیں۔ خدا کو اطمینان ہے کہ ان کو وہی پہچانے گا جو مجھے پہچانے ہوئے ہو۔ ان کی معرفت میری معرفت ہے۔ یہ قدرت کا اہتمام ہے کہ جو مجھے دیکھنا چاہے، انہیں دیکھے۔ جو مجھے سننا چاہے، وہ انہیں سنے۔ جو میری اطاعت کرنا چاہے، وہ ان کی اطاعت کرے۔ جو مجھے ماننا چاہے، وہ انہیں مانے اور جو میرا تقرب چاہے، وہ ان کا مقرب بارگاہ بن جائے۔

اے میرے بندو! یہ تمہارے سامنے میرا بدل ہیں اور ایسا بدل ہیں کہ ایک عالم اہلِ سنت ہیں احسن جائسی، بڑا بھاری قصیدہ ہے اُن کا جناب امیر علیہ السلام کی شان میں۔

بہرحال وہ قصیدہ تو مبسوط ہے، یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ علمائے اہلِ سنت

نے بھی ان حضرات کی مدح میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ اتنا کچھ کہہ دیا ہے کہ اب اُس سے زیادہ ہم اور آپ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ فرماتے ہیں وہ کہ:

منم سُنی ولیکن از تعصب الاماں گویم

پسند خاطرم انصاف از دنیا و مافیہا

"ہوں تو میں سنی لیکن تعصب سے میں پناہ مانگتا ہوں یعنی تعصب نہیں رکھتا۔ دنیا میں اگر کوئی چیز پسند کے لائق ہے تو وہ حق اور انصاف کی بات ہے"۔

فرماتے ہیں:

سخن سنجیدہ می گویم

مضامین چیدہ می گویم

کتب را دیدہ می گویم

چہ باک از طعنۂ بے جا

"کوئی اگر مجھے بے جا طعنے دے تو اُس کا ڈر مجھے نہیں ہے، میں تو کتابیں دیکھ کر کہہ رہا ہوں، بات چن چن کر کہہ رہا ہوں، بات تول تول کر کہہ رہا ہوں"۔

حق را بر زباں دارم

خدائے دو جہاں دارم

نہ دارم از کسے پرواہ

"طعنہ دینے والوں کا مجھے کوئی ڈر نہیں ہے اور وہ ڈر اس لئے نہیں ہے کہ میری زبان پر حق باتیں آرہی ہیں۔ خدا کا ڈر ہے، مجھے بندوں کا کوئی ڈر نہیں ہے، مجھے بندوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے"۔

غرضیکہ اپنے نقاط کو بیان کرنے کے بعد میرے خیال میں صدہا اشعار ہیں ان کے۔ صرف علی مرتضیٰ کی مدح میں جس کا مطلع جو خورشیدِ خاوری کی ضیاعوں سے بھی زیادہ چمکتا ہوا نظر آتا ہے، اس جذبے میں شروع کرتے ہیں وہ اپنے کلام کو کہ:

طٰحہ اللہ زہے شانِ امیر یثرب بطحا
فروغ شرع پیغمبرؐ چراغ ملت بیضاء
علی حب جنہ قسیم النار والجنۃ
وصی مصطفیٰ حقا امام الانس والجنہ

مجھے تو حضرات اصل میں ایک شعر اُن کا سنانا تھا:

عبادت دیدن سہ شے بہ ارشادِ نبی آمد
یکے کعبہ، دوئم قرآں، سوئم روئے شہ والا

"نبیؐ کے ارشاد کی رو سے تین چیزیں ہیں جن کا دیکھنا بھی عبادت ہے۔ کعبہ کی دید عبادت ہے، قرآن کا دیکھنا بھی عبادت اور تیسرا وہ مقام جس کی دید عبادت ہے، شہ والا کا چہرہ"۔

چہرۂ علی مرتضیٰؑ ہے۔ علی علیہ السلام کے چہرے کی دید بھی عبادت ہے۔ قرآن کی دید بھی عبادت ہے اور کعبہ کی دید بھی عبادت ہے۔ مگر میں مجمع سے اتنی بات کہہ کر آگے بڑھوں گا کہ ہاں! دید تو عبادت ہے، کعبہ کی ہو، یا قرآن کی ہو یا چہرۂ علی مرتضیٰ علیہ السلام کی ہو۔

یہ تو مسلّم ہے کہ دید ان تینوں کی عبادت ہے مگر کیا ہر نظر سے دیکھنا عبادت ہے۔ نظر محبت کی ہوتی ہے، نظر عداوت کی بھی ہوتی ہے۔ ہر نظر سے دیکھنا عبادت

ہوگا؟

کعبہ کو جو ڈھانے آئے، انہوں نے بھی کعبہ کو دیکھا، عبادت ہوگئی؟ علی مرتضیٰؑ کو مرحب اور انتر نے بھی دیکھا، اُن کا دیکھنا بھی عبادت تھا؟ قرآن کو رد کی نیت سے دیکھا، کیا اُن کا دیکھنا بھی عبادت تھا؟

شرط قرار دینی پڑے گی کہ کس نظر سے دیکھو تو عبادت ہے۔ ہر نظر عبادت کی نظر نہیں ہوسکتی۔ ایک نظر اقرار کی ہوتی ہے، ایک نظر انکار کی ہوتی ہے، ایک نظر عداوت کی ہوتی ہے۔

ذرا سا لطف لیں آپ حضرات میرے ساتھ ساتھ۔ دیکھنا قرآن کا، عبادت کس کی؟ دیکھنا قرآن کا ہے، عبادت قرآن کی نہیں ہے، قرآن کا دیکھنا عبادت خدا کی، علی علیہ السلام کا دیکھنا، عبادت خدا کی۔ کعبہ کا دیکھنا، عبادت خدا کی۔ جب تک ان تینوں چیزوں کا خدا سے گہرا تعلق نہ ہو، اس وقت تک ان کی دید خدا کی عبادت کیسے ہوگی!

ماننا پڑے گا کہ یہ کعبہ کا دیکھنا اُس وقت عبادت ہوگا جب اُسے بیت اللہ مان کر کوئی دیکھے۔ سیدھی سچی بات کہہ رہا ہوں۔ قرآن کو کتاب اللہ مان کر دیکھے تو عبادت ہے، علیؑ کو ولی اللہ مان کر دیکھے تو عبادت ہے۔ (صلوٰۃ)

اسی سلسلۂ کلام میں حضرات ایک بات میرے ذہن میں ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ذہن میں بھی اُتر جائے۔ اپنے اوپر ڈھال کر میں ایک جملہ کہہ رہا ہوں کہ ہمیں مجمع کی آنکھیں دیکھنی پڑتی ہیں۔ ہمیں کس نظر سے کوئی دیکھ رہا ہے، کھلی آنکھ سے دیکھ رہا ہے یا چشم نیم وا سے دیکھ رہا ہے یا آنکھیں بند کیے ہوئے ہے، دیکھ

ہی نہیں رہا ہے۔ کس کی آنکھ کھلی ہوئی ہے، کس کی آنکھ بند ہے۔ ہم ایسے کام میں رہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی آنکھیں دیکھنی پڑتی ہیں اور ہم مجمع کی صورتوں کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ مجمع ہم کو پسند بھی کر رہا ہے یا نہیں؟ مجمع ہماری بات کو سننا بھی چاہ رہا ہے یا نہیں؟ مجمع ہم سے، ہم سے کیا ہمارے بیان سے خوش بھی ہو رہا ہے یا نہیں؟ یہ سب دیکھنا پڑے گا نا واعظ کو! کہاں سے دیکھیے۔ آپ کے دل کو تو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ پسند اور ناپسند حضرات دل میں ہوتی ہے۔ آپ کا دل سننے کو چاہ بھی رہا ہے یا نہیں۔

اب بات ہوئی ہے دل کی اور دل تک تو نظر کسی کی پہنچ ہی نہیں سکتی۔ مگر قدرت نے یہ آسانی دے رکھی ہے کہ اگر کسی کے دل کی پسند اور ناپسند کو دیکھنا چاہو، دل تو بے شک تم نہیں دیکھ سکتے، مگر چہرے جو ہیں وہ دل کا آئینہ ہیں۔

قدرت نے چہروں کو دل کا آئینہ بنا رکھا ہے۔ ہم کسی کے ملتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ ہم سے راضی ہے یا ناراض ہے۔ محبت رکھتا ہے یا نہیں رکھتا۔ ہمیں پسند کرتا ہے یا ناپسند کرتا ہے۔ وہ صورت سوال کر دیتی ہے۔ یعنی چہرہ بتا دیتا ہے۔ محض چہرے دیکھ دیکھ کر ہر ایک کی رضا اور عدمِ رضا کا حال، خوش اور ناخوش ہونے کا حال چہرے دیکھ دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں۔

یہ ایسا آئینہ ہے کہ زبان چاہے غلط بیانی کر دے، مگر چہرہ غلط بیانی نہیں کرتا۔ زبان چاہے غلط بات کہہ دے، دنیا سازی کے طور پر سہی مگر چہرہ معصوم ہوتا ہے۔ اس کا اظہار کبھی غلط نہیں ہوتا۔ چہرے بتا دیتے ہیں کہ اعلانِ نبیؐ سے پھول کس کا کھل گیا اور نبیؐ کی بات کس کو کھل گئی، کس کا چہرہ بشاش ہو گیا اور کس کا منہ اُتر گیا۔

حضرات! مجھے جو بات کہنا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی رضا اور عدمِ رضا کا حال

ہم بڑی آسانی سے آپ کا منہ دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ ضروری ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ ہمارا خدا بھی ہم سے راضی ہے یا نہیں۔

آپ راضی ہوں تو کیا اور ناراض ہوں تو کیا! نہ ہماری موت آپ کے بس میں ہے، نہ ہماری حیات آپ کے بس میں ہے۔ ناراض رہ کر بھی کوئی کیا کسی کا بگاڑے گا اور راضی رہ کر بھی کوئی کیا کسی کو دے گا!

سب سے زیادہ ضروری تو ہمیں اپنے معبود کی رضا اور عدمِ رضا کا حال معلوم کرنا ہے کہ وہ بھی ہم سے راضی ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ سب کچھ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری دنیا اور آخرت اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر معبود ناراض ہے تو دنیا راضی رہے، کیا کوئی بنا سکتا ہے اور اگر وہ راضی ہے تو دنیا ناراض رہے، کیا کوئی بگاڑ سکتا ہے!

جس کی رضا اور عدمِ رضا کا معلوم کرنا ہمیں سب سے ضروری ہے، اُسی کا منہ نہیں ہے، اُسی کا چہرہ نہیں ہے کہ ہمارے سامنے ہو، جسم تو وہ رکھتا ہی نہیں ہے۔ کس کا منہ دیکھیں کہ جس کے منہ کے دیکھنے سے پتہ چل جائے کہ ہمارا خدا راضی ہے یا نہیں۔ (صلوٰۃ)

وہ معبود تو مجسم ہی نہیں ہے جسے ہم دیکھ سکیں۔ قدرت کیلئے بھی خود ضروری تھا کہ طالبانِ رضا کیلئے وہ ایسے چہرے سجا سجا کر بھیج دے جو آئینہ مشیت خدا ہوں اور ہمیں یہ آسانی ہو کہ جب ہم معلوم کرنا چاہیں کہ ہم سے ہمارا خدا راضی ہے یا ناراض ہے تو ہم بجائے خدا کے اُن کے چہروں کو دیکھیں اور یہ سمجھیں کہ یہ راضی ہیں تو ہمارا خدا ہم سے راضی ہے۔ یہ ناراض ہیں تو ہمارا خدا ہم سے ناراض ہے۔

جنابِ والا! وہ معصوم چہرے چودہ ہی تو ہیں۔ اسی لئے میں نے کہا کہ یہ حضرات خدا کا بدل ہیں ہمارے لئے۔ اُنؑ سے محبت خدا کی محبت ہے، انؑ سے تقرب خدا کا تقرب ہے، انؑ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، انؑ کا ماننا خدا کا ماننا ہے۔ پھر یوں بھی تو کہئے کہ انؑ کا نہ ماننا خدا کا نہ ماننا ہے۔

حضرات! میرے مخصوص افکار ہیں، یہ نقالی نہیں ہے۔ یہاں میں تھوڑی سی دیر کیلئے آپ کو حیران کرنا چاہتا ہوں بلکہ پریشان کرنا چاہتا ہوں، یہ کہہ کر کہ دنیا ہمیں یہ کہتی ہے کہ یہ ہیں اہلِ بیتؑ کے ماننے والے۔ میں اس کی تردید کرنا چاہتا ہوں، اہلِ بیتؑ کے ماننے والے تو ہم اُس وقت ہوتے جب ہم نے اہلِ بیتؑ کو اہلِ بیتؑ کے کہنے سے مانا ہوتا۔

غور کیا آپ نے! اگر یہ ہوتا کہ اہلِ بیتؑ کہتے گئے اور اُن کے کہنے سے ہم اُن کو مانتے گئے، تب ہوتے ہم اہلِ بیتؑ کے ماننے والے۔

میرا مجمع مجھے یہ بتائے کہ کیا علی مرتضٰی علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ نبی علم کا شہر ہیں اور میں اُس کا دروازہ ہوں۔ ہم نے علی علیہ السلام کو بابِ علمِ مصطفٰےؐ مانا ہے تو کس کے کہنے سے مانا؟ نبیؐ کے کہنے سے مانا ہے۔

کیا علی علیہ السلام نے ہم سے کہا ہے کہ جس کے مولا نبیؐ ہیں، میں بھی اُس کا مولا ہوں۔ ہم نے علی علیہ السلام کو مولا علی علیہ السلام کے کہنے سے نہیں مانا ہے۔

کیا علی مرتضٰی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس طرح تمہارا ولی خدا ہے، میں بھی اسی طرح تمہارا ولی ہوں؟ علی علیہ السلام نے کہا ہے کہ میں ولی ہوں؟

اہلِ بیتؑ نے کہا ہے کہ اللہ نے ہمیں پاک و پاکیزہ قرار دیا، ایسا کہ جو حق

ہے پاک و پاکیزہ قرار دینے کا؟

کیا یہ اہلِ بیت کا قول ہے؟ بلکہ حضرات! میں تو کہا کرتا ہوں کہ غدیر خم کے میدان میں، عرش سے لے کر فرش تک سبھی بول رہے ہیں۔ آوازِ قدرت آئی ہے، آیت آئی ہے، وہ کس کا بول ہے؟ خدا کا بول ہے نا! پھر پیغامِ قدرت لے کر مَلَک آیا کہ اُس نے نبی کو سنایا۔ مَلَک بولا یا نہیں؟ خدا بھی بولا، مَلَک بھی بولا، نبی بھی بولے اور مجمع بھی تو بولا۔

جو مجمع سامنے تھا، وہ بھی بولا۔ بھی بلا کہہ کر بولا۔ اب خدا جانے کس کا بلا صدقِ دل سے تھا اور کس نے یہ بلا، بلا ٹالنے کیلئے کہا تھا۔

غرضیکہ مجمع بھی بولا اور بولنے والے اور زیادہ بولے:

بخ بخ لک یا علیؑ.

فرش بھی بولا، عرش بھی بولا۔ کچھ خدا نے کہا، کچھ نبیؐ نے کہا، کچھ مجمع نے کہا۔ مگر سوچ کر میرا مجمع یہ بتائے کہ اُس میدان میں علی علیہ السلام نے بھی کچھ کہا۔ کوئی بات آپ تک پہنچی ہے کہ علی علیہ السلام نے منبر کی بلندی سے خود بھی کچھ کہا ہو، خاموش ہیں۔ قرآن ناطق ہیں مگر ساکت ہیں۔

ہمیں کچھ نہیں کہنا، ہمیں اپنی بات نہیں سنانا۔ خدا کی بات سنو، نبی کی بات سنو، مجمع کا اقرار سنو۔ علی مرتضٰی علیہ السلام کی طرف سے گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ ہمیں کچھ نہیں کہنا۔ اب جب ہم نے کچھ کہا ہی نہیں تو اب جو مجھے مانے گا، میرے کہنے کی بنیاد پر نہ ہوگا اُس کا ماننا۔

حضرات! میں بہانگ دہل یہ لفظ کہنا چاہتا ہوں۔ بے شک ہم نے اہلِ

بیتؑ نبی کو مانا مگر اہلِ بیتؑ کو اہلِ بیتؑ کے کہنے سے نہیں مانا، خدا کے کہنے سے مانا یا خدا کے رسولؐ کے کہنے سے۔

باقہم مجمع عالم مجھے یہ جواب دیتا ہوا بتائے کہ جب ہم نے خدا اور رسولؐ کے کہنے سے مانا تو یچ بتایئے کہ ہم نے اصل میں کسے مانا؟ یہ مانا خدا اور رسول کا ماننا ہے اور خدا اور رسولؐ کے کہنے سے بھی جس نے نہ مانا، یہ نہ ماننا اہلِ بیتؑ کا نہ ہوا، یہ نہ ماننا خدا اور رسول کا ہوا۔

وہ منواتے گئے، اُن کے منوانے سے ہم مانتے گئے بلکہ ہم نے تو یہ ٹھان رکھا ہے کہ جسے وہ (خدا اور رسولؐ) منوائیں، ہماری مجال کیا ہے کہ ہم نہ مانیں اور جسے وہ نہ منوائیں، اُسے ہم کیوں مانیں؟ ہم خدا کی طرف دیکھتے ہیں، خدائی کی طرف ہم نہیں دیکھتے۔ (صلوٰۃ)

خداوند عالم منوائے تو کوئی مانے یا نہ مانے، ہم ماننے کیلئے تیار ہیں اور خدا نہ منوائے تو خدائی مانے جائے، ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ میں تو ترقی کر کے یہ جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم تو اُس کو ماننا چاہتے ہیں جسے ہم سب سے پہلے خود خدا نے مانا ہو۔ یہ جملہ میرا نہ مبالغہ ہے، نہ شاعری ہے، آپ انصاف سے بتائیں، جس نے جس کو نبی بنایا ہے، اُس کو نبی پہلے ہم نے مانا ہے یا اُس نے مانا ہے؟ خداوند عالم نے جس کو امام قرار دیا ہے، اُس کی امامت کو ہم سے پہلے خدا نے مانا ہے یا خدا سے پہلے ہم نے مانا ہے؟

ہم درود اُس پر بھیجتے ہیں جس پر ہم سے پہلے خدا درود بھیجتا ہو۔ ہم اُس کی مدح کرتے ہیں، کہ ہم سے پہلے جس کی خدا مدح کرتا ہو۔ ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں

جس کا ذکر ہم سے پہلے خدا کرتا ہو۔ ہمیں اُن افراد سے محبت ہے کہ ہم سے پہلے خدا اور رسول کو اُن سے محبت ہو۔

ہمارا عمل اُنؑ کے بارے میں پہلا عمل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کا عمل ہم سے پہلا ہے۔ (صلوٰۃ)

نور کا ذکر اور اُس نور کا ذکر جس کے ذکر سے قرآن پُرنور ہے اور نور سے معمور ہے۔ خدا شاہد ہے کہ اگر یہ خدا کے ممدوحین نہ ہوتے تو میں سوچتا ہوں کہ قرآن میں پھر کیا ہوتا؟

اگر ان کا ذکرِ جمیل نہ ہوتا تو قرآن میں جمال کیا ہوتا؟ اگر ان کا ذکرِ پُرنور نہ ہوتا تو قرآن میں روشنی کیا ہوتی؟

ذرا سی ترتیب ہے بیان کی میری۔ قرآن نے انؑ کو نہیں سجایا، انہوںؑ نے قرآن کو سجایا ہے۔ یہ لفظ میں نے اس بناء پر کہا کہ قرآن حقیقتاً ایک آئینہ ہے۔ آئینہ کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ کسی کی صورت کو سنوارے یا بگاڑ دے۔ آئینہ کا کام تو یہ ہے کہ جیسی صورت اس کے سامنے آئے گی، وہ ویسی ہی صورت دکھا دے گا۔ سجی ہوئی صورت کو سجا ہوا دکھا دے گا، بگڑی ہوئی صورت کو بگڑا ہوا دکھا دے گا۔ جیسی صورت سامنے آئے گی، ویسی ہی صورت دکھا دینا قرآن کا کام ہے۔ غلط ہے یہ خیال کہ بُرا ہو گیا کوئی قرآن کے بُرا کہہ دینے سے یا بھلا ہو گیا کوئی قرآن کے بھلا کہہ دینے سے۔

کہہ دینے سے نہ کوئی بھلا ہوتا ہے اور کہہ دینے سے نہ کوئی بُرا ہوتا ہے۔ قرآن نے بھلے کو بھلا دکھایا، بُرے کو بُرا دکھایا ہے۔ جیسی صورت اُس کے سامنے آتی ہے، آئینہ مصحفہ ہے قرآن، ویسی ہی صورت دکھا دیتا ہے۔ نہ اُس نے کسی کی

صورت کو سجایا ہے، نہ اُس نے کسی کی شکل صورت کو بگاڑا ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ یہ ولی ہو گئے، کب ہوئے؟ کہ جب انما ولیکم اللہ آیا۔

قدرت کا بھی انتظام دیکھئے کہ علی علیہ السلام ولی ہو گئے، مجھے تو اصل میں یہ جملہ بھی ناپسند ہے کہ آپؑ مولا ہو گئے۔

کب مولا نہیں تھے۔ یہ "ہو گئے" بھی عدم معرفت کا جملہ ہے۔ مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ

اب یہ آیت آ گئی تو علی علیہ السلام ولی ہو گئے۔ میرا انداز فکر کہتا ہے کہ بالکل غلط بات ہے۔ آیت نے آ کر علی علیہ السلام کو ولی بنایا نہیں ہے۔ آیت نے آ کر ان کو ولی بتایا ہے۔ بنانا اور بات ہے اور بتانا اور بات ہے۔

خداوند عالم تو پہلے ہی انتظام کر چکا ہے۔ علی علیہ السلام کو آیت نے ولی اس وقت کہا جب علی علیہ السلام کو ولی کہنے سے پہلے اپنے آپ کو ولی کہہ چکا، اپنے رسولؐ کو ولی کہہ چکا۔ آخر میں علی علیہ السلام کو ولی کہا۔

یہ بات حضرات بڑی پُر لطف بات ہے کہ آج تک اس آیت کے بارے میں کسی نے جھوٹوں بھی نہیں کہا کہ یہ آیت خدا کی شان میں آئی یا یہ آیت رسولؐ کی شان میں آئی۔ جس نے کہا، یہی کہا کہ یہ آیت جناب علی علیہ السلام کی شان میں آئی۔

حالانکہ علی علیہ السلام کے ولی کہنے سے پہلے خداوند عالم نے اپنے آپ کو

ولی کہا ہے اور اپنے آپ کے ولی کہنے کے بعد اپنے رسولؐ کو ولی کہا ہے۔

علی علیہ السلام کو تو آخر میں کہا۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام جب آ چکا مرتبۂ ولایت میں، علی علیہ السلام کو تو بالکل بعد میں کہا۔

لیکن اللہ اللہ، کیا حُسن کلام ہے قدرت کا اور کیا مطابق کلامِ خدا ہے کلامِ رسولؐ! خداوند عالم نے اپنے آپ کو ولی کہے بغیر علی علیہ السلام کو ولی نہیں کہا اور نبیؐ نے بھی علی علیہ السلام کو اپنے مولا کہے بغیر مولا نہیں کہا۔ پہلے خدا اپنے آپ کو ولی کہتا ہے، بعد میں علی علیہ السلام کو ولی کہتا ہے، نبی بھی سب سے پہلے اپنے آپ کو مولا کہتے ہیں، بعد میں علی علیہ السلام کو مولا کہتے ہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آیت کے آنے کے بعد علی علیہ السلام ولی ہوئے، پھر یہ بھی کہے کہنے والا کہ اس آیت کے آنے کے بعد خدا ولی ہوا۔ اس آیت کے آنے کے بعد رسولؐ ولی ہوئے۔ یہ کوئی کہہ نہیں سکتا کیونکہ اس آیت کے آنے سے پہلے خدا ولی تھا ہمارا اور رسولؐ ولی تھے ہمارے۔

جنابِ والا! آیت نے ولی بنایا نہیں ہے، ولی کو ولی کہا ہے۔ آیۂ تطہیر نے پاک ہستیوں کو پاک کہا ہے، پاک کیا نہیں ہے۔ پاک کرنا اور بات ہے، پاک کہنا اور بات ہے۔

بے خبروں کو آیات نے باخبر کیا ہے۔ آیت کے نزول سے پہلے ولی تھے۔ آیت کے نزول سے پہلے طاہر تھے۔ اس طرح کے جتنے بھی فضائل ہیں، وہ فضائل پہلے سے موجود تھے۔

آیات کا کام تو انکشاف کرنا تھا، ظاہر کر دینا تھا، حجت کا تمام کرنا تھا۔ اس

بناء پر میں یہ جملہ بار بار کہہ دینا چاہتا ہوں کہ قرآن نے آکر انہیں سجایا نہیں ہے۔
قرآن تو انؑ کے ذکر سے سجا ہے۔

کتنا کچھ ذکر ہے ان کا قرآنِ کریم میں، جس عالِم کا شعر میں نے ابھی آپ
کو سنایا تھا، انہیں کا ایک شعر اور سنئے:

زِ تفسیر کلام اللہ چو می پرسی شود ناطق
کہ سہ صد آیہ نازل شد بشانِ شوہرِ زہراؑ

"اگر قرآن کی تفسیر کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے تو میں خود کچھ نہیں کہتا،
قرآن خود بول کر بتا رہا ہے کہ تین سو آیات شوہرِ زہراؑ کی شان میں نازل ہوئیں"۔

حضرات! مجھے یہ کہنے میں کوئی ڈر نہیں ہے کہ یہ گنتی تین سو آیات کی، اُن کی
گنتی ہے جو خود کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ یہ شمار اُن کا ہے جو خود کسی شمار میں نہیں ہیں۔

تین سو آیات جس ولیِ کردگار کی شان میں آئی ہوں اور تین سو آیاتِ مدح
قرآنِ کریم نے جس ایک کے بارے میں پیش کی ہوں، کتنے کچھ فضائل ہوں گے انؑ
کے، کتنا کچھ بلند مرتبہ ہوگا!

حقیقتاً وہ ہمنامِ خدا علی علیہ السلام ہی ہوں گے۔ بلندی کے اعتبار سے کہہ رہا
ہوں۔ ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں۔ خدا کی کتاب کا نام توراۃ بھی ہے، کسی کتاب کا
زبور بھی ہے، اللہ ہی کی کتاب کا نام انجیل بھی ہے اور:

صحف ابراھیم و موسیٰ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام پر بھی صحیفے نازل ہوئے
ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتابیں آئیں۔ کتابیں تو اور بھی آئی ہیں مگر وہ کتابیں آتی بھی

رہیں اور منسوخ بھی ہوتی رہیں۔ مگر قرآن نام اُس کتاب کا ہے جو ناسخ تو ہے، منسوخ نہیں ہے۔

اگر کوئی قرآن میں صورتِ زیبا میں آ گیا تو اُس کی زیبائش اب منسوخ نہیں ہے اور نازیبا صورت میں آ گیا تو............ صلوٰۃ۔

یہ بتائیے کہ اب قرآنِ کریم کے بعد کونسی کتاب آنے والی ہے؟

غرضیکہ یہ ممدوحِ خدا حوضِ کوثر پر سینوں میں قرآن لئے ہوئے حاضر ہوں گے۔ خود بھی قرآن، سینوں میں بھی قرآن۔ خود قرآنِ ناطق ہیں، سینوں میں صامت ہیں۔

خداوند عالم خبر دے رہا ہے پیغمبرؐ کے بارے میں۔ شفاعت کا ذکر تو آپ سنتے ہی رہتے ہیں۔ لقب بھی آپ کا شفیع المذنبین ہے۔ لیکن شفاعت کے سوا کچھ اور بھی خبر ہے قرآنِ مجید میں۔ جہاں شفاعت فرمائیں گے، وہاں شکایت بھی کریں گے۔

کیا کہنا اُس کا جس کی شفاعت کریں اور کہاں ٹھکانہ اُس کا جس کی شکایت کریں۔ شکایت بھی کریں گے۔ حضرات! جہاں تک میری نظر کام کرتی ہے، میں نے قرآنِ حکیم میں کوئی ایسی آیت آج تک نہیں دیکھی جس سے پتہ چل سکے کہ شفاعت کرتے وقت کیا کہیں گے! شفاعت کا مضمون کیا ہوگا! یہ نظر سے نہیں دیکھا لیکن قرآنِ کریم میں یہ ضرور موجود ہے کہ کن لفظوں میں شکایت کریں گے اور کن لوگوں کی شکایت کریں گے۔

جب وہ محبوب کردگار ہستی بارگاہِ رب العزت میں اپنی شکایت پیش کر رہی

ہوں گی جن کیلئے ربِّ ذوالجلال خود کلامِ پاک میں صادق کی مُہر ثبت کر چکا تو جن کے بارے میں حرفِ شکایت اُن صادقین کی زبانوں پر ہوگا، یومِ حشر اُن کے انجام کا اندازہ آپ حضرات بخوبی لگا سکتے ہیں۔ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کا کوفہ میں خطبہ دراصل پیشین گوئی کی حیثیت رکھتا ہے اُن ملعونوں کے انجام کے بارے میں۔ ثانیِ زہرا سلام اللہ علیہا ارشاد فرماتی ہیں:

فلا یستخفنکم المھل.

''تمہارے عذاب میں اللہ تعالیٰ نے جو مہلت دی ہے، یہ نہ سمجھو کہ اُس کی نظر میں تمہارے گناہ قلیل ہیں''۔

فانہٗ لا یحفزہ البدار.

''کیونکہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلد بازی نہیں کرتا''۔

ولا یخاف فوت الثار.

''اس بات میں (اللہ تعالیٰ کو) کوئی حرج نہیں کہ خونِ مظلوم کے انتقام میں تاخیر ہو جائے۔ تاہم اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کیلئے قریب اور اُن کی گھات میں ہے''۔

صدیقہ اور طاہرہ کی پارۂ جگر بھی ہیں اور خود بھی صدیقہ، طاہرہ ہیں۔ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں بی بی پر جب برادرِ مظلوم کا سرِ اقدس نوکِ نیزہ پر بلند دیکھا ہے۔

یہ قافلہ شام سے گزر رہا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ قافلہ سالار سرِ سید شہداء، نیزے پر آگے آگے۔ صدہا کا ہجوم ہے۔ راستہ میں کچھ کوٹھوں پر بیٹھے ہیں۔ عورتیں بھی تماشائی ہیں، بالائے بام ہیں۔ اگر کوئی نہیں بھی جانتا کہ یہ سر کس کا ہے، دوسروں

سے پوچھتا ہے کہ یہ سر کس کا ہے؟ بتانے والے بتا دیتے ہیں۔ قیامت آگئی کہ کوٹھے پر چڑھی ہوئی ایک عورت، دشمن تھی وہ علیؑ کے نام کی۔ پوچھا اُس نے سرِ نیزہ کو دیکھ کر کہ یہ کس کا سر ہے؟ بتا دیا کہ حسین ابن علی علیہما السلام ہیں۔ بس علی علیہ السلام کا نام سننا تھا کہ پتھر اٹھایا اور سرِ اقدس کا نشانہ لیا۔ شہیدؑ کی پیشانی تھی، شگافتہ ہو گیا۔ تازہ خون جاری ہوا۔ بہن نے جو بھائی کی زخمی پیشانی کو دیکھا تو بیقرار ہو کر اپنا سر بھی چوبِ محمل پر پٹخا۔ سرِ جنابِ زینبؑ سے بھی خون بہہ رہا ہے۔ بہن کی پیشانی سے بھی خون بہہ رہا ہے اور اُس وقت یہ نوحہ پڑھ رہی ہیں ثانیِ زہراؑ:

یا ھلا لا لما استتم کما لا
غا لہ خسفہ فا بدی غروبا

''اے فاطمہؑ کے چاند! ابھی تو کمال پر بھی نہ پہنچا تھا کہ تجھے گہن پر گہن لگ رہے ہیں۔ اے میرے بھیا حسینؑ! آپؑ دیکھ رہے ہیں کہ زینبؑ کو زینبؑ کا مقدر کیا کیا دکھا رہا ہے؟''

الا لعنۃ اللّٰہ علی القوم الظالمین
وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

چھٹی

مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (اعراف:۱۵۷)

''جولوگ مجھ پر ایمان لائے ہوں اور (میرے ساتھ) میرے رسولؐ پر ایمان لائے ہوں اور رسول کا احترام بھی کیا ہو اور رسولؐ کی مدد بھی کی ہو اور اُس نور کی بھی پیروی کی ہو جسے ہم نے رسولؐ کے ساتھ ساتھ رکھا، یہ لوگ یقیناً نجات پانے والے ہیں''۔

حصولِ نجات پر مجھے کچھ کلمات، اور وہ کلمات بھی اپنے نہیں بلکہ کلماتِ الٰہی ہیں، پیش کرنا ہیں۔ آپ حضرات کے تصور میں یہ ہوگا کہ یہاں لفظِ نجات سے مراد یہاں کی بیماریوں سے نجات، یہاں کے آلام واسقام سے نجات کا مقصد نہیں، موت سے نجات اس نجات کا مفہوم نہیں۔ یہ چیزیں آج بھی ہیں۔ ہم بھی فانی ہیں اور یہاں کے حالات بھی فانی ہیں۔ نہ کوئی بیماری باقی رہنے والی ہے، نہ کوئی رنج والم باقی رہنے والا ہے۔

یہ جہانِ فانی ہے۔ یہاں کی تکلیف کوئی تکلیف نہیں۔ یہاں کی راحت کوئی راحت نہیں۔ یہاں لفظِ نجات کا مقصد دنیوی آلام واسقام سے نجات کا نہیں۔ یہاں تو ذکر اُس نجات کا ہے جو عذابِ محشر سے ہو، یہاں ذکر اُس نجات کا ہے جس نجات کے بعد کوئی خطرہ ہی نہ رہے۔ عذابِ آخرت سے نجات ہو۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا کے آلام واسقام کی یہاں کوئی نجات نہیں دلا سکتا تو جو یہاں کی نجات سے عاری ہو، ظاہر ہے کہ وہ وہاں کی نجات کیلئے کیا کارگزار ہو سکتا ہے؟

عذاب آخرت سے نجات دلانا اور نجات دینا عظیم ہستیوں کا کام ہے۔ خداوند عالم نے اس نجات کا ذکر قرآن مجید میں یہ کہہ کر کیا ہے کہ:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ. (آل عمران:۱۸۵)

"جو جہنم سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہو جائے بس وہ ہے کامیاب"۔

جہنم سے بچ جانا اور جنت کا پالینا، یہ ہے نجات۔ اب کون بچائے کس کو جہنم سے اور کون لے جائے کس کو جنت میں؟

ظاہر ہے کہ یہ اقتدار انہیں کا ہو سکتا ہے کہ جنہیں خدا نے جنت اور نار کا منتظم بنا دیا اور قسیم النار و الجنہ قرار دے دیا ہو۔ صلوٰۃ

غرضیکہ نجات ایک ایسا پیارا لفظ ہے جس کا ہر ایک طالب ہے۔ مستحق ہو تب بھی طالب ہے، غیر مستحق ہو، تب بھی طالب ہے۔

میرا یہ کہنا بجا ہوگا کہ تمام مقاصد کی انتہا ہے نجات۔ نجات سے وہ مراد اور وہ مقصد ہے کہ جس کے بعد اب کوئی مراد ہی نہیں ہے۔ منتہائے مراد ہے نجات۔

جتنے بھی مقدمات، تدبیری امور ہیں، ان تمام کا منتہی ہے مقصد نجات۔ دنیا میں انسان آیا عبادت کیلئے اور ظاہر ہے کہ عبادت بھی عبادت کیلئے نہیں ہے۔ عبادت کا بھی کوئی مقصد ہے۔

اگر انسان بے مقصد نہیں تو پھر عبادت کا بھی کوئی مقصد ہے۔ پرہیز گاری کا

بھی کوئی مقصد ہے، ماننے کا بھی کوئی مقصد ہے۔ عملِ خیر کا بھی کوئی مقصد ہے، کذب سے بچنے کا بھی کوئی مقصد ہے۔ یہ چیزیں بذاتِ خود مقصد نہیں۔

نماز برائے نماز نہیں، روزہ برائے روزہ نہیں، عبادت برائے عبادت نہیں بلکہ عبادت کا مقصد وہی ہے جس کا نام ہے نجات۔ اور جب مقصدِ عبادت ہی یہ نجات ہے تو مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جو عبادت نجات دلا دے، چاہے وہ گھڑی بھر کی ہو، جس عبادت کا نتیجہ نجات نکل آئے، وہ چاہے گھڑی بھر کی ہو، کارآمد ہے۔ اور وہ عبادت جو ہزار ہا برس کی ہو اور نجات نہ دلا سکے، وہ بیکار کیا بلکہ کارِ معصیت ہے۔

جب عبادت کا مقصد ہی نجات ہے تو کامیاب وہ عبادت گزار ہے جس کی عبادت سببِ نجات بن جائے، چاہے وہ گھڑی بھر کی ہو یا دو گھڑی کی ہو۔

جنابِ حر کا کتنا وقت عبادت میں گزرا؟ عبادت کیلئے ایمان کی شرط ہے۔ ایمان کیلئے ولائے آلِ محمدؐ کی شرط ہے۔ کوئی عبادت اس ولا کے بغیر عبادت نہیں۔ کوئی ایمان کلِ ایمان کو مانے بغیر ایمان نہیں۔ (صلوٰۃ)

ظاہر ہے کہ جنابِ حرؑ کی وہ پہلی زندگی جو دسویں محرم سے پہلے پہلے گزری، وہ بس گئی گزری، کوئی اُس کا نتیجہ نہ تھا اور اگر اُسی پر دمِ آخر آ جاتا تو نجات کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ عبادت کتنی گھڑی کی تھی جو سببِ نجات بن گئی؟ وہ عبادت کتنے دن کی تھی؟ کتنے زمانے کی تھی؟ ایک دن کی بھی تو نہیں تھی! وقت کے وقت آ گئے، آ گئے اور چلے گئے۔ مگر وہ قلیل ترین وقفہ کی عبادت سببِ نجات بن گئی اور حرؑ اسمِ بامسمیٰ ہو گئے۔

میرا ایمان تو یہ کہتا ہے کہ صرف نجات یا بندہ ہی نہیں ہوئے بلکہ نجات دہندہ ہو گئے۔ معصومینؑ کے ارشاد کی روشنی میں میں نے یہ جملہ کہا ہے کہ انصارِ حسین علیہ السلام نجات یا بندہ ہی نہیں ہیں بلکہ نجات دہندہ ہیں۔ اُن کو حقِ شفاعت دیا جائے گا۔ ہزار ہا کے بخشوانے کا اُن کو حق دیا جائے گا۔ وہ شفیعِ روزِ قیامت ہوں گے۔ تو نجات پائی ہی نہیں، خدا جانے کتنوں کو نجات دلوا بھی دی۔

اس کے مقابلہ میں چھ ہزار برس کی شیطانی عبادت، وہ شیطانی ہی رہی، نجات نہ دلا سکی اور اس کثیر عبادت کے باوجود قدرت نے اُسے کان من الکافرین فرما دیا۔ طوقِ لعنت اُس کی گردن میں ڈال دیا۔ مردودِ بارگاہ قرار دے دیا اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ جنت میں رہتے ہوئے کو جنت سے نکال دیا۔

مجھے یہ جملہ اس لئے کہنا پڑا کہ میرے اور آپ کے مولا امیر المومنین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے جس جرم پر شیطان کو، جو جنت میں رہتا تھا، رہتے ہوئے کو نکال دیا تو کیا تم یہ اُمید کر سکتے ہو کہ اگر تم میں سے کوئی باہر جنت سے رہ کر وہی جرم کرے تو کیا یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ باہر والے کو خداوند عالم اُسی جرم کا مرتکب ہونے پر جنت میں جگہ دیدے۔

کیا گہرا نشان ہے! امام علیہ السلام کا کلام بھی امام الکلام ہے۔ اصلاً بہت کچھ غفلتیں ہیں ہمارے شعوری احساسات پر۔ بادی النظر میں ہم کچھ کا کچھ کہہ دیتے ہیں۔ نہ سوچ کر کہتے ہیں اور نہ کہہ کر سوچتے ہیں۔

شیطان جنت سے کیوں نکالا گیا اور وہ کفر کیا تھا جس کا وہ مرتکب ہوا۔ ظاہر میں اس کا جواب ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھے معلوم ہے۔ کوئی نئی بات تو نہیں آپ بیان

کررہے ہیں۔ یہ کونسی گہری بات ہے جو آپ کہہ رہے ہیں؟ کس کو نہیں معلوم کہ شیطان کیوں جنت سے نکالا گیا؟ کیوں کافر قرار پایا؟ تو وہ کیا ہے آپ کو معلوم؟ ہمیں معلوم ہے کہ سجدہ جو نہیں کیا تھا۔

میرے خیال میں یہ جواب لکھے پڑھے، قابل فاضل، سبھی کا جواب ہے یہ۔ میں نے اکثر اپنے سامعین سے کہا ہے کہ بات ہوتی کچھ ہے، سمجھ لی جاتی ہے کچھ اور۔ سمجھنے سے بات سمجھ میں آتی ہے۔

سجدہ بے شک شیطان نے نہ کیا لیکن جو سجدہ اُس نے نہ کیا، اُس سجدے کا کرنا فرض تھا اُس پر۔ سجدہ کرنا فرض تھا، نہ کیا۔ فرض کو ترک کر دیا۔ اب کوئی بتائے مجھے کہ ترکِ فرض کفر ہے؟ اگر ترکِ فرض کا نام کفر ہے تو ہم میں پھر مومن کون ہے؟ کون ہے ہم میں سے جو کافر نہیں ہے؟

ایک فرض سجدہ اگر اُس نے چھوڑ دیا اور نہ کیا تو وہ کافر! دعویٰ کرسکیں گے ہم کہ ہم سے تو کبھی فرض سجدہ نہیں چھوٹا؟

فرض پر فرض ہم سے چھوٹتے رہیں اور ہم مومن کے مومن رہیں اور اُس سے ایک فرض چھوٹ جائے، خداوند عالم طوقِ لعنت بھی اُس کے گلے میں ڈال دے، کفر کا فتویٰ بھی لگا دے، جنت میں رہتے ہوئے کو جنت سے بھی نکال دے، رذیل بھی ہو جائے، لعین بھی ہو جائے، آخر یہ بات کیا ہے؟

ترکِ فرض گناہِ کبیرہ تو ہے مگر کفر نہیں ہے اور اگر کفر ہے تو ہر ایک کیلئے ہے۔ اُسی شیطان کی کیا تخصیص ہے؟ حقیقتِ امر یہ ہے کہ ترکِ سجدہ کی بناء پر اُس کو کافر نہیں کہا گیا۔ بات کچھ اور ہے۔ جرم اُس کا کچھ اور تھا۔ خداوند عالم نے سجدے کے

ترک پر اُسے کافر نہیں کہا۔ ترکِ سجدہ کی بناء پر اُسے جنت سے نہیں نکالا۔ ہاں! جب اُس نے سجدہ نہ کیا تو خداوند عالم نے سوال کیا اُس سے:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ. (الاعراف:١٢)

''سجدے کا حکم تجھے بھی تو میں نے دیا تھا، تو نے سجدہ کیا کیوں نہیں؟ مانعِ سجدہ کیا بات ہوئی؟ کیا مانع ہوا تجھے؟''

بالکل صحیح لفظی ترجمہ ہے یہ۔ میرے سامعین! ذہن میں یہ بات رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا سجدے سے ترک کے بعد بھی اُس سے پوچھنا یہ بتا رہا ہے کہ قدرت نے ابھی تک اُس کو باغی نہیں قرار دیا۔ نہ مردود کہا، نہ ملعون کہا، نہ کافر کہا۔ صرف ایک سوال ہے کہ سجدہ کرنے سے کیا امر تھا کہ جو مانع ہوا۔ اب اُس کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ:

قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا. (الاسراء:٦١)

''میں اُس گھٹیا کو سجدہ کرتا جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے''۔

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ.

''میں اُس سے افضل و اعلیٰ ہوں''۔

افضل و اعلیٰ ہو کر میں کمتر کو سجدہ کیوں کرتا۔ کس سے اُس نے اپنے کو افضل کہا؟ قدرت کا اعلان پہلے ہی ہو چکا تھا کہ:

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً.

خلیفۃ اللہ سے افضلیت کا دعویٰ کرنا تھا، قدرت نے اُس کے غلط جملے کی تردید کرنا بھی اُس سے گوارہ نہیں کی۔ جواب میں یہ نہیں کہا کہ تو نے غلط کہا۔ تو افضل

نہیں بلکہ یہ افضل ہیں۔ اب وہ اس قابل ہی نہیں کہ اُس سے بات کی جائے۔

جو خلیفۃ اللہ سے اپنے آپ کو افضل کہے، وہ اس لائق ہے کہ اُس سے کوئی بات کی جائے؟

یہ کچھ نہیں کہا کہ تو نے جھوٹ کہا، دروغ کہا، باطل کہا۔ کس سے کہیں؟ اب یہ اس لائق کب ہے کہ اس سے کوئی بات کی جائے؟

بس اِدھر اُس نے خلیفۃ اللہ سے افضلیت کا دعویٰ کیا، ذرا قرآنِ مجید کی آیات پر نظر ڈالیے اور اُس کے تسلسل پر۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا.

اب اگر بات کی ہے تو صرف یہ کہ "نکل یہاں سے"، "دور ہو یہاں سے"،

فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّيْنِ. (ص:۷۸)

"سنگسار لعنت ہے تو اور قیامت تک تجھ پر لعنت برستی ہی رہے گی"۔

اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ.

نظر میں ذرا یہ جملہ بھی رکھیے گا، میرا جملہ نہیں ہے، قرآنی جملہ ہے۔ خدائی کا انکار کر کے کافر نہیں ہوا۔ خدا کی خدائی کا انکار کر کے کافر نہیں ہوا۔ آیات برابر بتا رہی ہیں کہ مردود ہونے کے بعد بھی، جب بھی اس نے خدا سے جو کچھ کہا، رب کہہ کر ہی کہا۔ ربوبیت کا انکار کر کے کافر نہیں ہوا۔

حضرات! خداوند عالم ہمیں عبرت کا سبق دے رہا ہے کہ یہی نہ سمجھنا کہ خدا ہی کے انکار سے کوئی کافر ہوتا ہے۔ خدائی کا انکار کر کے کافر نہیں ہوا، خلیفۃ اللہ کا انکار کر کے کافر ہوا۔

اب جناب آپ سجدے ہی کی بات لئے بیٹھے رہیں گے کہ سجدہ جو نہیں کیا تھا؟ گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے۔ تو سجدے کی بات تو آپ کے سامنے رہی، اُس کے بعد کی جو بات ہے، جو اصل میں اُس کے مُعَذَّبْ ہونے کا سبب ہے، کافر قرار پانے کا جو سبب ہے، ''انا خیرٌ منہُ'' ''تیرے خلیفہ سے میں افضل ہوں''۔

بس افضلیت کا دعویٰ کرنا تھا، نکل یہاں سے، دور ہو یہاں سے۔ اب آپ کی سمجھ میں سرکار امامت کا وہ جملہ آئے گا کہ:

''جس جرم کی سزا میں خداوند عالم نے جنت میں رہتے ہوئے کو جنت سے نکالا ہے، کیا تمہیں یہ اُمید ہے کہ تم باہر وہی جرم کر کے جنت میں چلے جاؤ گے؟''

مجھے اس مقام پر اشارہ کرنا ہے کہ اُس بزم میں یہ ایک ہی تھا۔ اپنے کردار کے اعتبار سے، اپنی رفتار کے اعتبار سے، اپنے کفر کے اعتبار سے، ایک ہی تو تھا۔ باقی تو سارے ملائکہ ہی تھے۔

اَبَا واحد کا صیغہ، اِسۡتَکۡبَر بھی واحد ہی کا صیغہ، ایک ہی تو تھا۔ دو تو ممکن نہیں تھے۔ تکبر ایک ہی نے کیا تھا۔ لہٰذا وہ اَبَا بھی صیغۂ واحد آیا اور اَسۡتَکۡبَرا بھی صیغۂ واحد آیا۔ مگر جب اُسے کافر کہا تو سیدھی بات تو یہ تھی کہ ''کان من الکافر''، ایک تھا، اُسی کو کافر کہا جاتا۔ اور کوئی دوسرا وہاں کافر نہیں تھا۔ مگر وسعتِ نظرِ قدرت۔ خداوند عالم کی نظر اس ایک پر نہیں بلکہ ایسے ہر ایک پر ہے........

وکان من الکافرین.

''اور یہ کافرین میں سے ہے''۔ معلوم ہوا کہ کافرین اور بھی ہیں۔

شاید میرا یہ اشارہ کارگر ہو کہ جس طرح خداوند عالم جنس میں غیر جنس کا ملانا کبھی پسند نہیں فرماتا، یہ طے شدہ ہے کہ یہ عیب ہے کہ ایک جنس میں غیر جنس کو شامل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جن کافروں میں اس کو شامل کیا، یا جو کافر اس میں شامل کیے، ماننا پڑے گا کہ ہم جنس ہیں۔ اگر جنس بدلی ہوئی ہوتی تو یہ کافر ہوا تھا خلیفۃ اللہ کا انکار کر کے، اس کافر کے ساتھ خدا اُن کافروں کو ملائے جو خدا کا انکار کر کے کافر ہوں، تو غیر جنس ہے۔ جس نوعیت کا یہ کافر ہے، اُسی نوعیت کے اور بھی ہوں گے اور یہ انہی میں سے ایک ہے.........

اب اگر میں مجمع ہی سے سوال کر دوں اور مجمع کے ساتھ اپنے دل سے بھی پوچھوں کہ ہزار ہا برس پہلے کا یہ واقعہ جس کے ہم شاہد تھے، نہ جس کے ہم عامل تھے، نہ مامور تھے، نہ اُس امر کا ہم سے کوئی واسطہ تھا، یہ تمام واقعہ ہمیں کیوں سنایا؟ اور ہم نے سنا تو سن کر ہم نے کیا پایا؟

خداوند عالم کا یہ دعویٰ ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (یوسف:111).

''جو قصہ ماضی بیان کیا ہے، بطور قصہ نہیں، بحیثیتِ قصہ نہیں، تمہیں عبرت کا سبق دینے کیلئے ہے''۔

وہ تمام واقعات جو ہم نے پہلے بیان کیے ہیں، وہ تمہاری ہدایت کیلئے ہیں اور ہدایت کیلئے ہیں تو ہم نے ہدایت کیا پائی؟ خداوند عالم نے یہ واقعہ ہمیں کیوں سنایا؟

اسی لئے سنایا کہ اس جرم کے مرتکب کی سزا دیکھ لی! اب عبرت کا سبق سیکھو کہ جو بھی، جب بھی کوئی یہ جرم کرے گا، یہی سزا پائے گا۔

بچاؤ اپنے آپ کو، بچو اس سزا سے۔ (صلوٰۃ)۔

غرضیکہ حضرات! چھ ہزار برس کی کی ہوئی عبادت اور یہ چھ ہزار برس کا جملہ جناب امیر علیہ السلام کے خطبات میں، چھ ہزار برس کچھ کم نہیں ہوتے، ہزار ہا برس کی عبادت رائیگاں گئی، بے کار ہوگئی۔ نجات کا تو کیا ذکر ہے، بالآخر موجب عذاب دائمی ہوگئی اور لعنت کا طوق ہمیشہ کیلئے خلیفہ کے منکر کے گلے میں پڑ گیا۔

خداوند عالم نے یہ واقعہ ہمیں سنایا تو ہم پوچھیں اپنے دلوں سے کہ سننے کے بعد ہم نے کیا پایا؟ یہ قصص و امثال جو قرآنِ مجید میں قدرت نے بیان کیے ہیں، یہ ہمارا وقت گزروانے کیلئے نہیں ہیں، ہر واقعہ میں ایک بابِ ہدایت ہے۔

ہدایت کے دروازے کھلتے ہیں۔ مجھے یہ بات کہنا ہے کہ یہ آخری امت ہے۔ ہادی بھی اس کا آخری نبیؐ ہے۔ وہ نبیؐ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ وہ کتاب آئی کہ جس کے بعد کوئی کتاب نہیں، وہ شریعت آئی کہ جس کے بعد کوئی شریعت نہیں۔ وہ اتمامِ حجت ہے کہ جس کے بعد کوئی اتمامِ حجت نہیں۔ جو حلال ہو کر آ گیا، وہ قیامت تک حلال ہے اور جو حرام ہو کر آ گیا، وہ قیامت تک حرام ہے۔ یہیں سے یہ جملہ بھی برمحل ہوگا کہ جو ممدوح صورت میں آ گیا، وہ قیامت تک ممدوح ہے، جو مذموم صورت میں آ گیا، وہ قیامت تک مذموم ہے، اس لئے کہ قرآن خداوند عالم کا کلامِ آخر ہے، حرفِ آخر ہے۔ اُس سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہیں جو اس کتابِ آخر کا ممدوح ہو اور اُس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں جو اس کتابِ آخر کا مذموم ہو۔

مجھے تو اس مقام پر یہ کہہ دینے کا حق مل رہا ہے کہ خداوند عالم اپنی آخری کتاب میں اُس کی مدح کر ہی نہیں سکتا کہ جو قیامت تک لائق مدح رہنے والا نہ ہو، اس لئے کہ اب کتاب آخری کی مدح کو مٹانے کیلئے کونسی کتاب آنے والی ہے؟ نہ اُس کی مدح مٹ سکتی ہے، نہ اُس کی مذمت مٹ سکتی ہے۔ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہی رہیں گے، مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ، مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہی رہیں گے۔ صلوٰۃ

قرآن پیغامِ آخر ہے۔ نبیؐ آخر، آخری نبیؐ ہیں۔ امت، امتِ آخر ہے۔ شریعت، شریعتِ آخر ہے، لہٰذا قدرت نے اس آخری مرحلہ کو اتمامِ حجت کے جتنے بھی عنوان ہو سکتے تھے، وہ سب پورے کر دیئے اور تکمیلِ ہدایت کے جتنے دروازے کھل سکتے تھے، وہ تمام کے تمام دروازے کھول دیئے۔ ماضی کی تاریخ بھی بیان کر دی، صورتِ حال بھی بیان کر دی، مستقبل کے واقعات بھی بیان کر دیئے۔

جنابِ والا! نظائرِ اوّلین بھی ہمارے سامنے آگئیں۔ اتمامِ حجت کا کوئی راستہ ایسا نہیں ہے کہ جس کو قدرت نے کھول نہ دیا ہو۔ جتنے قصص اور امثال ہیں قرآنِ مجید میں، وہ سب ہماری عبرت کیلئے ہیں۔ اُن سے ہمیں پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، اگر ہم خوش نصیب ہیں!

یہ میں کہہ چکا کہ طالبِ نجات ہر شخص ہے۔ لائق نجات ہو، تب بھی طالب نجات ہے، لائق نجات نہ ہو، تب بھی طالبِ نجات ہے۔ نجات ہر ایک کا مطلوب ہے اور ہر ایک کیلئے امرِ محبوب ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے، جو حقیقتاً چاہتا ہے کہ میرے بندے نجات پائیں اور اس لئے اُس نے شرائطِ نجات کھول کر بیان کر دیں۔

قیامت کے میدان میں پہنچنے سے پہلے پہلے اسی دنیا میں رہ کر اپنے آپ کو لائق نجات بنالو۔ نجات کی شرطوں کو پورا کرلو۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

خداوند عالم ارشاد فرمارہا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے مجھے مانا ہو اور میرے ساتھ میرے رسولؐ کو مانا ہو اور رسولؐ کو ماناہی نہ ہو بلکہ ماننے کے معنی یہ ہیں کہ رسول کا احترام بھی کیا ہو اور محض احترام ہی نہیں، ''ونصروہ''، اور میرے پیغمبر کی مدد بھی کی ہو۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا مگر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہر شرط کے بعد دوسری شرط کڑی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جتنی شرائط آگے بڑھتی جارہی ہیں، نجات پانے والوں کی مقدار کم ہوتی جارہی ہے۔

یہ کوئی فلسفہ تو نہیں ہے، سیدھی سی بات ہے۔ ''مجھے مانا ہو''، تو اب سب وہ نکل گئے کہ جنہوں نے خدا کو نہ مانا۔ دوسری شرط یہ کہ میرے رسولؐ کو مانا ہو، اب خدا کے ماننے والے جو رہ گئے، اُن میں سے وہ سب نکل گئے جنہوں نے رسولؐ کو نہیں مانا۔ مجمع کم ہوتا چلا جارہا ہے۔ اب شرط آتی ہے کہ رسول کا احترام بھی کیا ہو۔ اس شرط نے انہیں سب کو نکال دیا جنہوں نے احترام نہ کیا ہو۔

ہر آنے والی شرط مجمع کو کم سے کم کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔ اس کے بعد شرط ہے کہ ''ونصروہ''، جنہوں نے پیغمبر کی مدد بھی کی۔

تو حضرات! (نعوذ باللہ) پیغمبر کوئی جاہل تو نہیں ہیں کہ انہیں علمی مدد کی کوئی

ضرورت ہو۔ نصرتِ پیغمبرؐ سے مراد ہے میدانِ جنگ۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط اتنی کڑی ہے کہ جان بیچے گا تو شرط پوری ہوگی۔ نصرتِ پیغمبر کوئی معمولی شرط نہیں ہے۔ مگر نصرتِ پیغمبر کی شرط پر بھی خداوند عالم نجات کی سند نہیں دینا چاہتا۔ اتنی کڑی شرط کے بعد بھی فیصلۂ نجات نہیں فرماتا۔ ایک اور شرط ہے:

وا تبعوا النور الذی انزل معہٗ.

''اور اُس نور کی بھی پیروی کی ہو جس کو ہم نے رسولؐ کے ساتھ ساتھ رکھا''

چاہے چادرِ تطہیر میں ساتھ دیکھ لو، چاہے مباہلہ کے میدان میں ساتھ دیکھ لو۔ ایسا ساتھ کہ رسولؐ کی جنگ میں بھی ساتھ، رسولؐ کی صلح میں بھی ساتھ۔

خدا جانے اتباعِ نور کیسی قوی شرطِ نجات تھی کہ جس کے بعد قدرت کا یہ پیغام کہ اب کوئی شرط نہیں ہے، یہ شرطِ آخر ہے۔ اب اس کے بعد فیصلہ ہی فیصلہ ہے۔

اولٰئک ھم المفلحون.

''یہ لوگ یقیناً نجات پانے والے ہیں''۔

یہ شرائط اس لئے بیان کی گئیں کہ اسی دنیا میں رہ کر اپنے آپ کو مستحق نجات بنالو۔

جب یہ وعدۂ خداوند عالم ہے کہ ان شرائط کی بجا آوری کے بعد نجات یقینی ہے، اس کے بعد بھی میں (خداوند عالم) نجات نہ دوں! یہ شرطِ آخر ہے۔

وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ. (التوبۃ:۱۱۱)

''اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے عہد کا پورا کرنے والا کون ہے؟''

اب غور طلب چیز یہ ہے کہ نور سے مراد وہ کونسا نور ہے کہ جس کا اتباع شرط

عذابِ آخرت سے واقعاً جو نجات دلا دیں، وہ ہیں انتہائی کارساز، وہ ہیں انتہائی مددگار۔ کیا کہنا اُن کا جو جہنم سے بچا دیں اور جنت تک پہنچا دیں۔

بچائے گا کسی کو وہی جو خود بچا ہوا ہوگا۔ میں اپنے جملہ کے معنی خود بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہی بچا سکتا ہے کسی کو جو خود بچا ہوا ہو۔ اگر بچا ہوا ہو تو کیا وہاں جا کر بچا ہوا ہو! وہاں جا کر اگر بچا ہوا ہے تو یہاں اُس کو وسیلہ کیسے قرار دیں!

وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۔ (المائدۃ: ۳۵)

ہم یہاں کس بناء پر اُس کو اپنی نجات کا وسیلہ بنائیں۔ بچے گا تو وہاں جا کر بچے گا۔ فیصلہ اگر اُس کیلئے بچنے کا ہوگا تو وہاں جا کر ہوگا۔ تو جناب! وہاں جا کر فیصلہ ہوا تو کیا ہوا۔ وہاں جا کر وسیلہ بنا نہیں سکتے۔ وسیلہ بنانا یہاں ہے تو جب وسیلہ یہاں بنانا ہے تو ضروری ہے کہ جن کا وسیلہ خدا اختیار کروانا چاہتا ہے، اُن کا فیصلہ ہمیں یہیں سنائے۔

ہزار باتوں کی بات کہہ رہا ہوں۔ جب وسیلۂ نجات ہم کو یہیں رہ کر اختیار کرنا ہے، جن کا وسیلہ خدا چاہتا ہے کہ ہم اختیار کریں، اُن کا آخری فیصلہ قیامت پر نہ رکھے، یہیں سنا دے تو ہم مطمئن ہو کر دامن تھام لیں۔

جنابِ والا! قرآنِ مجید نے اگر یہاں رہتے ہوئے نجات کا فیصلہ سنایا ہے تو سورۂ ھل اتی کی آیتوں کو پڑھئے، خداوندِ عالم کا فرمانا:

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا۔ (دہر: ۱۱)

ماضی کا صیغہ ہے۔ مضارع کا اور مستقبل کا نہیں ہے۔

''ہم تو اُن کو اُس دن کے شر سے بچا چکے''۔

میں نے اکثر یہ بیان کیا ہے اپنے سامعین سے کہ اگر خداوند عالم یہ بھی فرماتا کہ ہم اُن کو بچالیں گے، تب بھی بالکل صحیح تھا۔ صادق کی بات تھی۔ مگر اصل میں ہم بے یقینوں کو یقین دلوانے کیلئے خداوند عالم یہ فرمانا گوارہ نہیں کرتا کہ ہم بچالیں گے، فرماتا ہے، بچالیا۔ ولقاھم نضرۃ وسروراً ۔ اور اُن کو اُس دن کی شگفتگی اور مسرت عطا کر چکا۔

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْراً.

جنت وہ پا چکے مگر کسی کے طفیل میں نہیں، وہ اور کسی کے طفیل میں تو کیا پاتے۔ خدا کے فضل کی بناء پر نہیں بلکہ خدا کے عدل کی بناء پر۔

خداوند عالم یہ کہنا گوارہ نہیں کرتا کہ ہم نے اُن کو جنت عطا کی۔ عطا اور چیز ہے اور جزا اور چیز ہے۔

بیٹھے بٹھائے کسی کو یوں دے دینا عطا ہے اور کام لے کر اس کا بدل کسی کو دینا جزا ہے۔

جزاھم بما صبروا.

"ہم تو اُن کے صبر کے بدلہ میں جنت اُنہیں دے چکے"۔

انتہا اس سے زیادہ کیا ہوگی۔ یہ کہا کہ ہم اُن کو اُن کے صبر کے بدلہ میں جنت دے چکے اور اس کے بعد خداوند عالم پھر دہراتا ہے۔ کسی اور کے ساتھ:

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً.

"یہ جنت ہم نے تم کو جزا کے طور پر دی ہے"۔

وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُوْراً.

اور جب جنت جزا میں دے چکے تو اب ہمیں کچھ عطا بھی تو کرنا چاہئے۔ کچھ ہماری شان بھی تو برقرار رہے۔ جزا دینا تو ہر عادل کا کام ہے۔ جنت ہم عطا میں نہیں دے رہے، وہ جزا میں دے رہے ہیں۔ اب ہم کچھ عطا کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ کیا؟

''تمہارے شکرگزار ہیں''۔

تو جنت جزا ہے اور شکریہ ہماری عطا ہے۔ تم نے یہی تو کہا تھا۔ مسکین، یتیم، اسیر کو کھلاتے وقت تمہارا دل یہی تو کہہ رہا تھا، تمہارے دل کی آواز یہی تو تھی کہ:

لَا نُرِيْدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا.

''ہم تم سے نہ کوئی جزا چاہتے ہیں، نہ کوئی شکریہ چاہتے ہیں''، کیونکہ ہم نے تم کو تمہاری وجہ سے نہیں کھلایا، ہم نے تو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کھلایا ہے۔

تم نے ہماری (خداوند عالم کی) وجہ سے کھلایا اور ہمیں یہ بات تسلیم ہے، ہم تصدیق کرتے ہیں کہ تم نے جو کچھ بھی کیا ہے، کسی اور کی وجہ سے نہیں کیا، ہماری وجہ سے کیا ہے۔ جب ہماری وجہ سے کیا ہے تو جزا بھی تمہاری ہم پر، شکریہ بھی تمہارا ہم پر۔

جنت ہم جزا میں دے رہے ہیں اور شکریہ اپنا ہم عطا میں دے رہے ہیں۔

بات حضرات کچھ آگے بڑھ گئی تھی، اس لئے میں اپنے بیان کو سمیٹتا ہوں اور سمیٹتے ہوئے یہ جملہ کہتا ہوں کہ جس صبر کو خداوند عالم جنت کی قیمت قرار دیدے اور جس صبر کے بدلہ میں خداوند عالم پوری کی پوری جنت دیدے، وہ صبر کیسا صبر ہوگا؟

ایک طرف آیت کہتی ہے، پوری جنت ہے اُن کے صبر کی قیمت، دوسری

آیت پر بھی نظر ڈالئے:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ. اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ.

"رسولؐ! ان صابرین کو خوشخبری سناؤ جن پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہ کمالِ صبر کے ساتھ کہتے ہیں:

انا للہ وانا الیہ راجعون.

ایسے صابرین کو خوشخبری سناؤ اس امر کی کہ:

اولئک علیھم صلوٰۃ من ربھم.

"وہی تو ہیں وہ کہ جن پر اُن کے رب کی طرف سے صلوٰۃ ہے"۔

اندازہ لگایئے کہ وہ صبر کیسا عظیم صبر ہوگا کہ جس کا خیر مقدم خداوند عالم صلوٰۃ سے کرے اور وہ صبر کیسا عظیم صبر ہوگا کہ خداوند عالم اُس صبر کی قیمت میں جنت کو پیش کر دے۔

جَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا.

"ہم نے ہیں کچھ ایسے کہ جن کو امام قرار دیا ہے۔ وہ ہمارے امر کے مطابق ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے اُن کو منصب امامت اس لئے دیا ہے کہ وہ صابر ہیں"۔

اب تینوں آیتوں کو سامنے رکھ کر غور و فکر کیجئے کہ وہ کیسا صبر ہوگا کہ جو منصبِ امامت کا حقدار بنا دے۔ وہ صبر کیسا عظیم صبر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے درود و سلام کا مستحق بنا دے۔ وہ صبر کیسا عظیم صبر ہوگا جو جنت کی قیمت قرار پا جائے۔

خدا جانے کیسے صابرین ہیں کہ جن کے صبر کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ مہینہ جو آچکا

ہے تو خیال میں آتا ہے۔ ایک منظر اس مہینے میں ایسا پیش آیا تھا، پہلے بھی، کہ ملائکہ حیران رہ گئے تھے۔

احادیث میں یہ جملہ ہے کہ جب باپ نے بیٹے کو ذبح کرنا چاہا ہے، باپ نے ذبح کرنا چاہا اور بیٹے نے ذبح ہونا چاہا۔ باپ بھی کمر بستہ ہے امرِ الٰہی کیلئے اور بیٹا بھی کہہ رہا ہے:

يَاأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ.

"بابا! آپ کر گزریئے وہ عمل جس کا آپ کو حکم ہو رہا ہے، انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے"۔

جس وقت یہ منظر ملائکہ نے دیکھا ہے تو احادیث میں آیا ہے:

"اور جانورانِ وحشی لپک لپک کر درد بھرے ہوئے دلوں کو لئے ہوئے اُن کی طرف آنے لگے"۔

"اور پرندے باپ بیٹے کے سروں پر آ کر منڈلانے لگے"۔

"نیچے زمین کانپ رہی تھی، اوپر آسمان لرزاں تھا"۔

عالمِ کائنات میں یہ انقلاب کیوں تھا؟

"عالمِ کائنات کو ایک طفلِ صغیر پر رحم آ رہا تھا اور شیخِ کبیر، اُس بوڑھے باپ کے صبر پر تمام کائنات کو حیرانی ہو رہی تھی، تعجب ہو رہا تھا"۔

واقعی وہ منظر عجیب منظر تھا۔ باپ اپنے ایسے بیٹے کو جو عمر بھر کی دعاؤں کا اثر ہو، جو زندگی بھر کی تمنا کا ظہور ہو، اُس کم سن بیٹے کو اور کیسا سعید بیٹا! کہ اس کم سنی میں وہ کہہ رہا ہے کہ:

"بابا! کوئی پرواہ نہ کیجئے، آپ کر گزریئے وہ عمل جس کا آپ کو حکم ہو رہا ہے"۔

کمالِ شہادت کا اظہار ہے۔ اس جواب کے بعد دل کی محبت کے طوفان کتنے اٹھ گئے ہوں گے۔ کتنا محبت کا جوش پیدا ہو گیا ہو گا۔

یہ منظر جس کائنات نے دیکھا، ایک طلاطم برپا ہو گیا۔ فرشتوں میں، جانوروں میں، پرندوں میں، زمین میں، آسمان میں، کیوں؟ ایک صغیر پر رحم آ رہا تھا۔

کیا مجمع مجھے یہ کہنے کا موقع دے گا کہ صغیر بے شک تھے مگر وہ اصغر نہ تھے۔

اور پھر ذرا سوچئے گا حضرات! صبرِ خلیلؑ کے امتحان کا وقت تو حقیقتاً اُس وقت آتا کہ جب بیٹا ذبح کیا ہوا دیکھتے!

جنابِ خلیلؑ نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ اپنے فرزند کے گلے پر خراش تک نہیں دیکھی۔ صبر کا ظہور تو اُس وقت ہوتا، اللہ اکبر۔ اگر یہ بچے کو اپنے ذبح کر چکے ہوتے تو منیٰ میں لاش چھوڑ کر تو گھر نہ آ جاتے۔ اور جب اور تیسرا کوئی تھا ہی نہیں تو باپ ہی بیٹے کی لاش اٹھائے ہوئے آتا۔ اور جس وقت آپ کی کمر پر فرزند کی لاش ہوتی، صبر کا وقت تو وہ تھا۔ جب اپنے گھر کو سنسان دیکھتے، صبر کا وقت تو وہ آتا۔

مگر قدرت! بس ابراہیم بس.........!

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا.

"تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یہ ہماری ایک آزمائش تھی جس میں تم کامیاب ہو گئے"۔

"اب ہم نے تمہارے بچے کی قربانی کو ایک عظیم قربانی قرار دیا۔ وہ قربانی

کیسی عظیم ہوگی کہ جس کو خدائے عظیم کہے کہ عظیم ہے۔

جناب والا! اگر یہ قربانی دسویں ذی الحجہ کی تھی تو وہ قربانی دسویں محرم کی تھی۔ کیسی عظیم قربانی تھی کہ ایک کی نہ تھی بلکہ جتنے تھے، ہر ایک کی تھی۔ واقعاً یہ طے کرنا مشکل ہے کہ شہیدوں کی قربانی زیادہ اہم تھی یا اسیروں کی قربانی۔ علی اکبرؑ کی قربانی زیادہ اہم تھی یا سید سجادؑ کی قربانی۔

جان اکبرؑ نے دی، اصغرؑ نے دی، شہیدوں نے دی، مگر ہر ایک نے جان آن بان سے دی۔ آثارِ بے صبری کسی پر طاری نہیں ہوئے۔ مگر بیمارِ کربلا! آپؑ کے صبر پر ہماری جانیں قربان ہو جائیں، دل میں ایک حسرت پیدا ہوئی ہے امامؑ کے، جو حسرت ہم تک پہنچی ہے، ارشاد فرماتے ہیں بیمارِ کربلا، وہ جملہ آپؑ کی زبان پر اپنی ذات کیلئے آیا ہے، وہ جملہ کسی شہید کی زبان پر نہیں آیا۔ بیمارِ کربلا کا یہ جملہ بس اُنہی کی ذات سے مخصوص ہے، فرماتے ہیں:

"مجھے ذلیل کر کے کھینچا جا رہا تھا"۔

وہ لفظِ ذلیل جو امام علیہ السلام اپنے لئے استعمال کر رہے ہیں، اکبرؑ تو نہیں کر سکتے تھے۔

دمشق کا بازار تھا اور مجھے ذلیل کر کے کھینچا جا رہا تھا گویا کہ میں زنجبار کا کوئی غلام ہوں"۔

اور غلام کا بھی کوئی نہ کوئی مددگار مل جاتا ہے۔

"ایسا غلام جیسے کہ اُس کا کوئی مددگار نہیں ہے"۔

یہاں اسیرِ کربلا نے فرمایا:

''کاش! فہرستِ شہدائے کربلا میں میرا بھی نام ہوتا۔ میں بھی شہیدِ ظلم ہو چکا ہوتا تو بہنوں کو لئے یزید (ملعون) کے دربار میں نہ کھڑا ہوتا''۔

خدا جانے کیا عظیم مصیبت ہے۔ اندازہ نہیں کر سکتے ہم کہ شہیدوں کی مہم زیادہ سخت تھی یا اسیروں کی مہم زیادہ سخت تھی۔ روزِ عاشورا مظلومِ کربلا علیہ السلام نے اتمامِ حجت کرتے ہوئے اپنے نانا کے وہ ارشادات سنائے جو آپؑ کے بارے میں تھے اور سناتے ہوئے آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم کو میرے کہنے کا یقین نہ ہو تو ابھی وہ لوگ زندہ ہیں جنہوں نے میرے نانا سے وہ کلمات سنے۔ تصدیق کرو اُن سے۔ زید بن ارقم موجود ہیں، ابو برزہ اسلمی موجود ہیں اور سہل ابن سعد موجود ہیں۔

تو حسن اتفاق ہے کہ سہل ابن سعد کا نام مظلومِ کربلا علیہ السلام نے خود لیا تھا۔ اب یہی سہل ابن سعد اتفاق سے دمشق کے بازار سے گزرے، بیت المقدس کی زیارت کیلئے چلے۔ دور دراز کے مقام کے رہنے والے تھے، انہیں کیا خبر کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا گھر لٹ گیا اور ایسا اجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا۔ یہ تو بے خبر تھے۔ بازارِ دمشق سے گزر ہوا تو دیکھا کہ دکانیں سجی ہوئی ہیں، بازار آراستہ ہیں۔

لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ آج کیا بات ہے؟ ہر شخص اُن کے چہرے کو تکنے لگا۔ جواب کسی نے نہ دیا اور جب جواب نہ دیا تو اچانک انہوں نے دیکھا کہ ایک قافلہ چلا آرہا ہے مگر اس حالت میں کہ آگے آگے نیزے پر کسی کا سر ہے۔ وہ سر قافلہ کا قافلہ سالار ہے اور اُس کے پیچھے ایک بیمار ہے اسیر۔

اور کیا ضرورت ہے کہ بیان کروں؟ مجبوراً بیان کر رہا ہوں۔ ایک اسیر ہے کہ اُس کے دونوں ہاتھ سامنے رخ پر بندھے ہوئے نہیں ہیں، اُسؑ کے دونوں ہاتھ

گردن کے پیچھے بندھے ہوئے ہیں۔ ہاتھوں میں بیبیوں کے ناقوں کی مہار بندھ رہی ہے۔ سر اُس قیدی کا جھکا ہوا ہے۔

خیال ہوا سہل ابن سعد کو کہ کون وہ قیدی ہوں گے؟ کس ملک کے ہوں گے؟ کس قوم کے ہوں گے؟ بیمار کربلا کے پاس آئے اور آکر پوچھا کہ:

من ای قوم.

''تم لوگ کس قوم کے ہو؟''

سوال ہوا، بیمار کربلا علیہ السلام کا جھکا ہوا سر اٹھا اور آپؑ نے سہل ابن سعد کے منہ کو دیکھ کر فرمایا کہ تم نے ہمیں نہیں پہچانا؟

بس یہ سننا تھا کہ سہل ابن سعد حیران رہ گئے کہ یہ تو مجھے جانیں، میں ان کو نہ جانوں! یہ کیا انقلاب ہے؟ غور و فکر سے دیکھا مگر نہ پہچانا۔ شرمندگی کا اظہار کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

''سہل! شرمندگی کا کوئی موقع نہیں ہے، تم آج ہمیں کیسے پہچانو؟ آج کے دن سے پہلے تم نے ہمیں طوق پہنے کہاں دیکھا ہے؟ بیڑیوں میں کہاں دیکھا تھا؟ آج ہماری حالت ہی یہ ہے کہ ہمیں پہچاننے والے بھی ہمیں نہ پہچان سکے۔

''اچھا سہل! تو میں بتاتا ہوں کہ میں کس قوم سے ہوں؟''

یہ کہہ کر جو امام علیہ السلام نے بیان کرنا شروع کیا:

انا وارث مکه ومنی.

''مکہ اور منیٰ کا وارث ہوں''۔

انا وارث زمزمه وصفا.

''زمزمہ اور صفا کا وارث ہوں۔

انا بن محمد المصطفیٰ۔

''میں فرزندِ مصطفےٰ ہوں''۔

انا بن علی المرتضیٰ۔

''میں فرزندِ علی مرتضیٰ ہوں''۔

انا بن فاطمة الزهراؑ۔

''میں فرزندِ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہوں''۔

انا بن حسینؑ الشهید بکربلا۔

''میں فرزندِ حسینؑ شہید کربلا ہوں''۔

بس یہ سننا تھا کہ سہل نے اپنا منہ پیٹ لیا اور روتے روتے ایک مرتبہ سہل نے باہوش ہو کر عرض کیا:

''آقا میں اس وقت آپؑ کی کیا خدمت کروں؟''

بیمارِ کربلا علیہ السلام نے فرمایا:

''سہل! کچھ کپڑا دے سکتے ہو؟''

سہل نے اپنا صافہ اتارا، امام علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ امامؑ نے فرمایا:

''کسے دے رہے ہو؟ جس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں؟''

''آقا! میں کیا کروں اس کپڑے کا؟''

ارشاد فرماتے ہیں:

"اس کو تہہ در تہہ کر لو اور تہہ در تہہ کر کے میرے اس طوق کے نیچے رکھ دو"۔

سہل کہتے ہیں کہ جب میں نے تہہ در تہہ کر کے طوق کے نیچے رکھنا چاہا، میری آنکھوں نے عجب منظر دیکھا کہ طوق کے آہنی کانٹوں سے گلوئے انور سے اتنا خون بہہ رہا ہے جو دور تک جاری ہے۔ کپڑا میں نے رکھ دیا مگر روتے روتے غش کھا کر گر پڑا۔

الا لعنة اللّٰه علی القوم الظالمین.

ساتویں
مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (اعراف: ۱۵۷)

''وہ لوگ جو مجھ پر ایمان لائے ہوں، میرے رسولؐ پر بھی ایمان لائے ہوں اور رسولؐ کا احترام کیا ہو اور رسولؐ کی مدد بھی کی ہو اور اُس نور کی بھی پیروی کی ہو جسے ہم نے رسولؐ کے ساتھ ساتھ رکھا، یہ لوگ یقیناً نجات پانے والے ہیں''۔

حضرات! نجات پانے والوں کو جو نجات کے پروانے ملیں گے دستِ خدا سے۔ خداوند عالم اُن پروانوں کا مسودہ قرار دے رہا ہے اس آیت قرآنی کو۔ ارشاد فرما رہا ہے کہ وہاں کا فیصلہ یہیں نہیں کہ وہاں جاکر سنو، وہاں کا فیصلہ ہم تمہیں یہیں سنائے دیتے ہیں، یہیں بتائے دیتے ہیں کہ اُس دن نجات پانے والے کون ہوں گے؟

اِس حدیثِ مبارک کو نظر میں رکھئے گا کہ جو متفق الیہ ہے اور مشہورِ عالم ہے کہ:

''میرے بعد میری اُمت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ کل کے کل غرقِ بحرِ عذاب ہوں گے، صرف ایک ہوگا جو نجات پائندہ ہوگا''۔

اس حدیث کو نظر میں رکھ کر آیت کو سنئے۔ خداوند عالم اُس ایک فرقہ کا پتہ دے رہا ہے اور ایک ایک شرطِ نجات بیان کر کے ہر ایک کو دائرۂ نجات سے باہر پھینک رہا ہے۔

ارشاد فرماتا ہے:

فالذین امنوا بہ وعزروہ ونصروہ.

جو لوگ میرے ماننے کے ساتھ میرے نبیؐ کو مان چکے ہوں، میرے نبیؐ پر ایمان لا چکے ہوں، وعــزروہ، جنہوں نے میرے نبیؐ کی شان میں کوئی گستاخی، کوئی بے ادبی نہ کی ہو۔

و نـصـروہ ، جنہوں نے میرے نبیؐ کی نصرت بھی کی ہو اور اپنا رخ نصرت پیغمبرؐ سے نہ موڑا ہو۔

واتبعوا النور الذی انزل معہٗ.

''اور اُس نور کا بھی اتباع کیا ہو جس کو ہم نے نبیؐ کے ساتھ ساتھ نازل کیا''
یہ نہیں کہا گیا آیت میں کہ انزل الیہ۔ یہ نہیں کہا کہ اُس نور کا بھی اتباع کیا ہو جسے رسولؐ پر نازل کیا گیا ہے۔

کل کا میرا فقرہ یاد ہوگا آپ کو جہاں نورِ نبوت کا نزول ہوا، وہیں اُس نور کا ساتھ ساتھ نزول ہوا۔ وہ نور ہر جگہ اصلاب میں، ارحام میں، ساتھ ہی ساتھ رہا۔ اگر چند دنوں کیلئے وہ ساتھ چھڑا یا بھی گیا تو تم کیا جانو کیا کیا مصلحتیں تھیں۔

جناب عبدالمطلب کی صلب پاکیزہ کے بعد کچھ فصل سا واقع ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اتنا سا بھی جو فصل ہوا ہے چند روزہ، وہ اس بناء پر ہے، یقیناً ایک مصلحت خاص اُس میں یہ بھی ہے کہ اگر یہ نور وقتِ آخر تک متصل رہتا اور ایک ہی باپ سے دونوں پیدا ہوتے تو سیدۂ ذی جاہ کا اس دنیا میں کوئی کفو نہ ہو سکتا۔

خاتونِ جنت کا اس عالم میں پھر کوئی کفو نہ ہو سکتا۔ خداوند عالم نے چاہا ہے

کہ بغیر کفو کے رہنا اور ''لم یکن لہ کفوا احد'' کی شان میں رہنا بس میرے لئے ہی مخصوص رہے۔

سرکارِ دوعالم نے فرمایا ہے اور آپ نے سنا تو ہے کہ:

لو لم یکن علیاً لما کان لفاطمۃ کفوا احد آدم و من دونہ.

''اگر خداوند عالم علی علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا تو عالم میں کوئی فاطمہ زہرا کا کفو نہ ہوتا''۔

اب اُس میں چاہے آدم ہوں۔ایک نبی کا نام لے کر سرکارِ دوعالم نے فرمایا ہے کہ یہ کفو کا کہیں بھی اور کسی کا بھی نہ ہونا، یہ عوام سے متعلق نہیں ہے۔

آدم و من دونہ.

''آدم جیسا نبی ہو یا اُن کے سوا کوئی بھی ہو''۔

کسی نبی کیلئے بھی یہ ممکن نہ تھا، کسی نبی کیلئے یہ زیبا نہیں اور کسی نبی کی یہ شان نہیں علیؑ کے سوا کہ وہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا کفو قرار پاتا۔

خداوند عالم کو تو منظور یہ ہے کہ کفوِ سیدہ ذی جاہ وہ ہستی ہو جو علمِ آدمؑ کی بھی امین ہو، فہمِ نوحؑ کی بھی حامل ہو، خلعتِ خلیلؑ بھی رکھتی ہو، ہیبتِ موسیٰؑ بھی رکھتی ہو، زہدِ عیسیٰؑ بھی رکھتی ہو، جمالِ یوسفؑ بھی رکھتی ہو، صبرِ یعقوبؑ بھی رکھتی ہو۔

وہ آئینہ دار ہو صفاتِ کُلِ انبیاء کا۔تمام آئمہ کے تمام صفات کا وہ آئینہ دار ہو اور ایسا آئینہ دار ہو کہ جس نے اُسے دیکھ لیا، اُس نے علمِ آدمؑ کو بھی دیکھ لیا، فہمِ نوحؑ کو بھی دیکھ لیا، خلعتِ خلیلؑ کو بھی دیکھ لیا، صبرِ یعقوبؑ کو بھی دیکھ لیا، حسنِ یوسفؑ کو بھی دیکھ لیا، ہیبتِ موسیٰؑ کو بھی دیکھ لیا اور زہدِ عیسیٰؑ کو بھی دیکھ لیا۔(صلوٰۃ)

بہر حال حضرات! ذرا آیت پر پھر نظر جمایئے گا۔ بڑی وقیع آیت ہے اور ایسی وقیع آیت ہے کہ خداوند عالم آخرت کا فیصلہ ہم بے خبروں کو اسی دنیا میں رہتے ہوئے سنائے دے رہا ہے۔

واقعاً اس آیت کی روشنی میں مجھے اپنے مقتدا اور پیشوا جناب امیر المومنین علیہ السلام کا وہ جملہ یاد آتا ہے کہ سرکارِ امامت فرماتے ہیں کہ:

حاسبوا قبل ان تحاسبوا

وزنوا قبل ان توزنوا

''تم لوگ اپنا حساب خود کر لو قبل اس کے کہ تمہارا حساب وہاں کیا جائے''۔

''اور تم اپنے ایمان و عمل کو یہیں تول لو قبل اس کے کہ وہاں تولا جائے''۔

ترازو تمہارے ہاتھ میں موجود ہے۔ اعداد و حساب تمہارے پاس موجود ہیں۔ اپنا حساب خود کر لو۔

تو جناب والا! وہ حساب کیسے کریں؟ معیار حساب قدرت نے یہیں بیان کر دیا۔ کون پائیں گے نجات اس دن؟ نجات کس کا حصہ ہے؟

آمنوا بہ. وہ جو نبی کو مان چکے ہو۔

وعزروہ. جنہوں نے نبی کا احترام بھی رکھا ہو۔

ونصروہ. جنہوں نے پیغمبر کی نصرت بھی کی ہو۔

ایسا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے کہ خداوند عالم ایک شرط لگاتا ہے اور مجمع کثیر چھٹ جاتا ہے۔ دوسری شرط آتی ہے، کثرت پھر اور قلت سے بدل جاتی ہے۔ تیسری شرط آتی ہے، ہر آنے والی شرط مجمع کو چھانٹی کرتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔

اور شرطِ آخر نے تو شرطیہ تہتر میں سے ایک کو، بہتر (۷۲) کو ہٹا کر ایک کو پیش کر دیا۔

شرطِ آخر۔ واتبعوا النور الذی انزل معہٗ.

''اور اُس نور کی بھی پیروی کی ہو''۔

لفظِ اتباع کا صحیح ترجمہ اگر فارسی میں ہے تو وہ ہے پیروی۔ ''پے'' کے معنی ''پیچھے'' اور ''روی'' کے معنی ''چلنا''۔ پیچھے پیچھے چلنا۔ نقش قدم پر چلنا۔ جہاں سے اگلے کا پیر اٹھے، وہاں پر ہمارا پیر پڑتا رہے۔ یہ ہے پیروی۔

ذرا اندازہ لگائے میرا مجمع کہ پیروی اگر حقیقی معنی میں ہے اور لفظ وہ اگر صحیح استعمال کیا جا رہا ہے۔ پیچھے پیچھے چلنا تو یہ پیچھے پیچھے چلنا جب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب آگے والا چل رہا ہو۔ اگر کوئی چلنے والا ہی نہیں تو پھر پیروی کیسی؟

حضراتِ والا! میرے اشارے کو سمجھ تو رہے ہوں گے آپ۔ مگر میرا فرض ہے کہ میں اور واضح کروں۔ پیچھے پیچھے حضرات اُسی کے تو چلا جا سکتا ہے جو خود بھی چل رہا ہو۔ چل رہا ہو، اس کے معنی یہ ہیں کہ مقامِ عمل میں ہو۔ یہ پیچھے چلنے والا اپنے عمل کو اُس کے عمل کے مطابق رکھے۔ وضو کرنے بیٹھے تو اُس کے وضو کی طرح کا وضو، نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اُس کی طرح کی نماز پڑھے۔ طواف کرنے چلا ہو تو اُس جیسا طواف کرے۔

میرا مجمع یہیں سے سمجھ سکتا ہے کہ یہاں نور سے مراد قرآن کیسے ہو سکتا ہے؟ قرآن کا اتباع کیسے ہوگا؟ قرآن کے پیچھے پیچھے کوئی کیسے چلے گا؟ وہ (قرآن) چل کب رہا ہے؟ وہاں روانگی کب ہے؟

اتباع ہمیشہ عمل میں ہوتا ہے اور جب عمل میں ہوتا ہے، فوراً طے پایا کہ اتباع ہمیشہ صاحب عمل کا ہوتا ہے اور جب صاحب عمل کا ہوتا ہے تو فوراً یہ طے پایا کہ قرآن سب کچھ ہے اپنی جگہ مگر صاحب عمل نہیں ہے۔ کہہ سکتا ہے کہ میدانِ قتال میں ثابت قدم رہو مگر یہ نہیں ہے کہ ثابت قدم رہ کر بھی دکھائے۔

یہ قرآن کا کام نہیں۔ حکمِ طواف دے سکتا ہے مگر خود طواف کر کے نہیں دکھا سکتا۔ نماز کا حکم دے سکتا ہے، زکوٰۃ دینے کا حکم دے سکتا ہے۔ اُس کے پاس قول ہے، اُس کا کام کہہ دینا ہے، کر کے دکھانا، یہ اُس کا کام نہیں۔

وہ صاحب عمل نہیں ہے۔ اتباع اُس کا ہوگا جو خود صاحب عمل ہو۔ اس لئے جن لوگوں نے کہا ہے کہ نور سے مراد قرآن ہے تو میں کہوں گا کہ ہاں قرآن تو ہے مگر قرآنِ ناطق ہے۔

آپ نمازِ جماعت کے بارے میں دن رات سنتے ہیں۔ ماموم پر امام جماعت کا اتباع واجب ہے۔ اُس سے پہلے رکوع میں نہ جائے، اُس سے پہلے رکوع سے سر نہ اٹھائے۔ کسی نے آج تک یہ نہیں کہا کہ ماموم پر امام کی اطاعت واجب ہے۔ اطاعت کا لفظ کبھی نہیں بولا جائے گا۔ اتباع کا بولا جائے گا۔ اس لئے کہ اطاعت ہوتی ہے قول میں اور اتباع ہوا کرتا ہے عمل میں۔ کہہ کر تو نہیں جارہا ہے امام رکوع میں کہ تم بھی آؤ۔ آپ اُس کا کہنا مان کر تو نہیں جارہے ہیں۔ کہہ وہ نہیں رہا ہے، کچھ کر رہا ہے امام۔ آپ کا عمل اُس کے عمل کے ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے ہے۔

عمل میں اتباع ہوتا ہے، جب عمل میں اتباع ہوتا ہے تو نور پھر کوئی وہ شے ہے جو خود صاحب عمل ہے۔ یہ تو میرے خیال میں کوئی نابینائے روزگار بھی نہیں کہہ سکتا

کہ نور سے مراد خود نبیؐ ہیں۔ آیت خود بتا رہی ہے کہ:

واتبعوا النورا لذی انزل معہٗ.

''اُس نور کی بھی پیروی کی ہو جس کو ہم نے رسولؐ کے ساتھ ساتھ نازل کیا''۔

وہ نور رسولؐ کے علاوہ ہی تو کوئی شے ہے۔ بڑی دوڑ جو ہے وہ قرآن کی طرف جا سکتی ہے مگر ایک اتباع کا لفظ اور ایک معہ' ، ساتھ ساتھ نازل کیا گیا۔ یہ دونوں لفظ مل کر بتا رہے ہیں کہ نور سے مراد کوئی صاحب عمل ہے۔

حضرات والا! عجب شان ہے اُس نور کے اتباع کی کہ جب یہ شرط آجائے پھر نجات کیلئے کوئی شرط باقی نہیں رہتی۔ یہ شرط آخر ہے۔ جیسے ہی ذات باری تعالیٰ نے فرمایا:

واتبعوا النورا لذی انزل معہٗ.

''اور اُس نور کی بھی پیروی کی ہو جس کو رسولؐ کے ساتھ ساتھ نازل کیا گیا ہے''۔ فوراً فرمایا گیا:

اولئک هم المفلحون.

''یہ لوگ یقیناً نجات پانے والے ہیں''۔

اب ان لوگوں کی نجات میں نہ کوئی عمل ہے، نہ کوئی اور شرط باقی ہے۔ شرط آخر اس نور کے اتباع کی تھی۔ جس نے اس شرط کو پورا کر دیا، اُس کی نجات بھی شرطیہ ہے۔

میں نے اکثر اپنے سامعین سے کہا ہے۔ مقابلہ پر بات حضرات کھلا کرتی

ہے۔ سورۂ جمعہ آپ حضرات ابھی پڑھ کر آ رہے ہیں اور ہمیشہ ہی پڑھتے ہوں گے۔

خداوند عالم ارشاد فرما رہا ہے سورۂ جمعہ میں:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيراً لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

''تم ہر حالت میں اللہ کو بہت یاد کیا کرو، ممکن ہے کہ تم نجات پا لو''۔

نماز ہی پر موقوف نہیں ہے۔ تم ہر حالت میں خدا کا کثیر ذکر کیا کرو۔ ممکن ہے کہ تم نجات پا لو۔ کتنا فرق ہے اِس مقام میں اور اُس مقام میں۔ خدا کا ذکر اور ذکر بھی معمولی نہیں، کثیراً۔ خدا کا کثیر ذکر کرتے رہو تو ممکن ہے کہ تم نجات پا لو۔

لفظِ ''ممکن'' حتمی نہیں ہوا کرتا بلکہ ممکن کہتے ہی ہیں اُس بات کو جس کا ہونا بھی ممکن ہو اور جس کا نہ ہونا بھی ممکن ہو۔ مجھ سے کوئی مجلس کا وعدہ لے اور میں کہوں کہ ممکن ہے کہ میں پڑھوں، تو کیا مطمئن ہو جائے گا کہنے والا؟ یہ وعدہ ہو گیا؟

لفظِ ممکن کمزور ہے۔ خداوند عالم اپنے ذکرِ کثیر پر بھی حتمی بخشش کا وعدہ نہیں کرتا جس کے معنی یہ ہیں کہ اور بھی شرائط ہیں۔ جب تک وہ پوری نہ ہوں، اُس وقت تک حتم اور جزم کیسا؟

مگر خدا جانے کہ اتباعِ نور کی تاثیر کتنی قوی ہے کہ اِدھر اُس ذاتِ باری کی زبانِ بے زبانی پر یہ جملہ آیا کہ تم نے اُس نور کی بھی پیروی کی ہو جسے ہم نے رسولؐ کے ساتھ ساتھ نازل کیا، فوراً فرمایا:

اولئک هم المفلحون.

اُن کی نجات میں کوئی شک نہیں۔ یہ لوگ یقیناً نجات پانے والے ہیں۔ کہاں وہ نجات کہ جس کیلئے ممکن کہا جا رہا ہے اور کہاں وہ نجات کہ جس کیلئے عدمِ

نجات ناممکن ہو اور نجات حتمی ہو۔ شرط آخر ہے یہ نجات کی۔

حضراتِ والا! میں بہت اشارے کر چکا ہوں اپنے سامعین کو کہ جناب بات تو آخر پر ہی ٹھہرتی ہے۔ زندگی کا آخر اگر ایمان کے ساتھ رہا تو نجات۔ ہمیشہ آخر پر فیصلے ہوئے ہیں، ابتداء سے فیصلے کا کیا تعلق؟

پہلے یہ کیا تھا؟ کون دیکھے گا؟ دیکھنا تو یہ ہے کہ جب دنیا سے اُٹھ رہا تھا تو کیا تھا اور کہاں تھا؟ اگر ابتداء پر فیصلہ ہونے لگے تو شیطان بھی نجات پالے۔ لیکن نہیں، چونکہ انتہا میں کوئی شیطان ہو جاتا ہے، کوئی حُرؑ ہو جاتا ہے۔

اس لئے قدرتی فیصلہ ابتداء کو دیکھنا نہیں ہے، وہ انتہا کو دیکھتا ہے۔ انتہا جس کی درست ہے، بس وہ ناجی ہے۔ اسی لئے دنیا دعائیں دیتی ہے اور دعائیں مانگتی ہے کہ اللہ انجام بخیر کرے۔ ابتداء بخیر کرے، کوئی نہیں کہتا۔

دیکھنا تو انجام کا ہے اور انتہا پر فیصلہ ہونا امتی ہی کیلئے مخصوص نہیں ہے اور اُمت ہی کیلئے مخصوص نہیں ہے۔ خداوند عالم نے تو آخر پر فیصلے کی حیثیت رسولؐ تک کے سامنے پیش کر دی اور کہہ دیا کہ:

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ. (المائدہ:٦٧)

''رسولؐ! میرا یہ آخری پیغام ہے جو پہنچانا ہے اگر تم نے یہ نہ پہنچایا تو کچھ نہیں پہنچایا''۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ رسولؐ! اگر تم نے یہ پیغام پہنچا دیا، ہر ایک پہنچا دیا اور اسی بناء پر میں کہا کرتا ہوں کہ دنیا خوشی کرتی ہے کہ آج ہمارا دین کامل ہو گیا۔ آج اللہ تعالیٰ کی نعمت ہمارے لئے تمام ہوئی۔ ہماری عید کا دن ہے۔

اگر سچ پوچھیے تو عیدِ حقیقی تو اُس پیغمبر کی ہے جسے کارکردگی رسالت کی سند آج ملی ہے۔ رسالت کی سند تو مل چکی مگر کارکردگی کی سند اس نے آج پائی ہے۔

رسولؐ! تم نے اگر یہ نہ پہنچایا تو کچھ بھی نہ پہنچایا۔

فوراً اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم نے یہ پہنچادیا تو پھر تم نے سب ہی پہنچادیا۔ آج سندِ تکمیلِ رسالت سرکارؐ کو ملی ہے۔

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ.

غرضیکہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اتباعِ نور آخری شرطِ نجات ہے اور اُس کے بعد نجات کا ہونا یقینی اور حتمی۔ وہاں جو فیصلہ نجات کا ہونا ہے، وہ فیصلہ یہ آیت ہمیں یہیں سنا رہی ہے تاکہ ہم اس فیصلے کے لئے اپنے آپ کو مہیا کر رکھیں۔

جیسا بننا چاہتے ہوں، بن جائیں۔ حضرات! اگر ایسا ہوتا کہ یہاں رہ کر ہمیں یہاں کے کام کرنا ہوتے اور بس وہاں جاکر ہمیں وہاں کے کام کرنا ہوتے تو ہماری منزل آسان تھی۔ جب تک یہاں رہے، یہاں کے کام کرتے رہیں، جب وہاں چلے جائیں تو وہاں کیلئے کریں۔

اگر کام بانٹ دیئے جاتے کہ یہاں کے کام یہاں کرو۔ وہاں کے کام وہاں جاکر کرو تو کتنی آسانی تھی ہمارے لئے! مگر کیا واقعا ایسا ہے کہ وہاں کے کام وہاں جاکر کریں؟ دشواری یہ ہے کہ یہاں کے کام کریں تو یہاں رہ کر، وہاں کے کام کریں تو یہاں رہ کر۔

مرنے کے بعد اپنی آخرت کو کوئی نہیں بنا سکتا۔ بنانا ہے آخرت کو تو یہاں رہ کر بنایئے۔ دنیا کیلئے کرنا ہے تو دنیا میں کیجئے۔ آخرت کیلئے کرنا ہے تو یہاں کیجئے۔

دو جہان کا کام ہمیں ایک جہان میں کرنا ہے۔ اس لئے کہ یہاں سے جانے کے بعد ہم وہاں کیلئے کچھ نہیں کر سکتے۔ جسے ماننا ہے، یہاں رہ کر مانو۔ جس سے انکار کرنا ہے، یہاں رہ کر کرو۔ جو کرنا ہے یہاں کرو۔ جو چھوڑنا ہے یہاں چھوڑو۔ ہے نا حضرات یہی بات!

مرنے کے بعد تمہیں یہ موقع نہیں ہے کہ تم اپنی صوابدید کو کام میں لا کر جس کو جی چاہے مان لو، جس کو جی چاہے نہ مانو۔ جسے امام ماننا ہے، یہیں مانو۔ یہاں رہ کر مانو اور اپنی خوشی سے مانو۔ ہماری طرف سے کوئی جبر نہیں ہے۔ بتائے دیتے ہیں۔ رہنمائی کئے دیتے ہیں۔ بتائے دیتے ہیں کہ یہ امام جنت کی طرف لے جانے والا ہے۔ یہ آیتوں کا ترجمہ کر رہا ہوں میں۔ یہ امام جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔

جَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ اِلَى النَّارِ. (القصص:۴۱)

بتائے دیتے ہیں۔ اب یہ تمہاری خوشی ہے کہ جسے چاہو، مان لو۔ مگر دیکھو! یہاں تم جس کے پیچھے چلو گے، اپنی مرضی سے چلو گے۔ اپنی خوشی سے چلو گے۔ اپنی صوابدید سے چلو گے۔

مگر ہم تمہیں یہ بتائے دیتے ہیں کہ تم یہاں جس کے پیچھے چلے، یہاں چلے اپنی مرضی سے اور وہاں اُس کے پیچھے رہو گے میری (خداوند عالم) مرضی سے۔

اب یہ ممکن نہیں ہے کہ یہاں تم کسی اور کے پیچھے ہو اور وہاں جا کر تم کسی اور کے پیچھے ہو۔ یہاں تم جس کے پیچھے ہو، آخرت میں تمہیں مجبوراً اُسی کے پیچھے رہنا ہوگا۔ اب تم جگہ نہیں بدل سکتے۔

یوم ندعو کلِ اناس با ما مھم.

''ہمیں وہاں ہر گروہ کو اُس کے امام کے ساتھ ساتھ بلانا ہے''۔

نہ امام اپنے ماموم سے الگ ہو سکتا ہے، نہ ماموم اپنے امام سے الگ ہو سکتا ہے۔ یہ قرارداد ہماری ہے۔

یہاں دنیا میں قرارداد تیری رضا سے تھی، تیری خوشی سے تھی، تیری پسند سے تھی۔ لیکن وہاں یہ قرارداد از روئے قانون ہے۔ اب ماموم! تجھے اپنے امام ہی کے ساتھ رہنا ہے۔ اب امام! تجھے اپنے ماموین کے ساتھ رہنا ہے۔ ہر گروہ کو ہم اُس دن اُس کے امام کے ساتھ طلب کریں گے۔

اور ذرا سنئے میرا مجمع! کتنا پُر لطف مقام ہے یہ! خداوند عالم نے یہاں 'کل اناس' کہہ کر مستثنیٰ کسی کو نہیں کیا۔ امامِ حق کا ماننے والا ہے، تب اُس کے ساتھ رہے گا اور امامِ باطل کا ماننے والا ہے، تب ماموم و امام ایک جگہ ساتھ ساتھ رہیں گے۔ اب ''کل اناس'' سے مستثنیٰ کون ہے؟ سب ہی کے لئے قانون ہے۔

ایک مقام پر مؤمنین کیلئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ.

''ایمان والو! تمہیں ہم خوشخبری سناتے ہیں''۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ.

''تمہارے آگے آگے نور چل رہا ہوگا''۔

ہر گروہ کو ہم اُس کے امام کے ساتھ بلائیں گے اور جب امام کے ساتھ بلائیں گے تو یہ منطق کوئی سمجھنے کی اور بحث کے لائق تو نہیں ہے کہ امام آگے آگے ہوگا اور ماموم پیچھے پیچھے ہوں گے۔

مؤمنین! تمہارے آگے نور چل رہا ہوگا۔ تو بارِالٰہا! مؤمنین کیلئے تو نے اپنا قانون بدل دیا۔ ہر ایک کے آگے امام ہوں، ان کے آگے امام نہ ہو؟ یہ نور کا لفظ جو تو نے کہا کہ مؤمنین کے آگے نور چل رہا ہوگا، یہ کیوں؟ کیا بدل دیا ایمان والوں کیلئے تو نے صورتحال کو؟

تو جواب ملے گا کہ بے خبر! بدلا نہیں ہے۔ بتایا یہ ہے کہ مؤمنین کی یہ خصوصیت ہے کہ اُن کا جو امام اُن کے آگے آگے ہوگا، وہ امام ہی نور ہوگا۔ وہ نور ہی امام ہوگا۔ (صلوٰۃ)

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ.

"اور اُس نور کی بھی پیروی کی ہو جسے رسولؐ کے ساتھ ساتھ نازل کیا گیا ہے"۔

حضراتِ والا! میں قرآنِ مجید کو بھی یقیناً ہادی سمجھتا ہوں۔

ھدی للمتقین بھی ہے اور نزولِ قرآن ہدایت ہی تو ہے، جو کچھ کہا، ہدایت کیلئے کہا۔ وہ بھی ہمارا ہادی۔ اور پھر پیغمبرؐ اور امامؑ! وہ بھی ہمارے ہادی و رہنما۔

مگر حضرات! رہنمائی کے دو انداز ہیں۔ راستہ کسی سے پوچھئے۔ ایک عنوان راستہ بتانے کا یہ ہے کہ جس سے پوچھا، اپنی جگہ سے وہ ہلتا تو نہیں، بیٹھا ہے تو بیٹھا رہا۔ کھڑا ہے تو کھڑا رہا اور اُس نے ازراہِ کرم راستے کے جوڑ توڑ بتا دیئے۔ کوئی نشان بتایا، کبھی سمت بتائی اور کبھی رخ بتایا۔

انداز ہے نا بتانے کا! اب وہ اپنا وقت صرف کر رہا ہے۔ بتا رہا ہے۔ کارِ ثواب ہے، مہربانی کر رہا ہے۔ لیکن بیٹھے بیٹھے۔ جب کوئی راستہ بتائے گا تو ہے تو اُس

کا کرم۔ مگر ہو سکتا ہے کہ راہرو پھر بھی بھٹک جائے۔ یہ رات دن کے تجربات ہیں جس سے ہر ایک گزرتا رہتا ہے۔ آیت کہہ رہی ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا۔

اس قرآن کی ہدایت کے باوجود بہت سے بھٹک جاتے ہیں۔ ہدایت کرتا ہے قرآن مگر ہدایت کرنے کے باوجود کثیر ہیں کہ جو بھٹک جاتے ہیں۔ بہت سے ہیں جو نہیں بھٹکتے۔

یہ رہنمائی کا انداز رہنما نے اپنی جگہ رہتے ہوئے بتایا۔ یہ بے خطر نہیں ہے اور آپ یہ یقین نہیں کر سکتے کہ اُس کے اتے پتے بتائے ہوئے تھے، اُن پتوں پر یہ ٹھیک منزل پر پہنچ جائے گا؟

اس کے مقابلہ میں رہنمائی کا ایک انداز یہ ہے کہ کوئی انتہائی کرمفرما مل گیا۔ اُس سے جب پوچھا گیا (مثلاً) کہ وہاں جانا ہے جہاں مجالس ہو رہی ہیں اور اُس نے ازراہِ کرم کہا کہ چلیے میں چلتا ہوں۔

اب رہنما آگے آگے ہے اور راہرو اُن کے پیچھے پیچھے۔ جب رہنما ساتھ ہو، اب بھٹکنے کا اندیشہ کیا ہے؟ میں ایک معنوی بات کر کے اس بحث کو ختم کر رہا ہوں۔ جب رہنما آگے آگے ہو اور راہرو پیچھے پیچھے ہو تو اب راہرو کو راہ سے کوئی بحث نہیں ہے۔ اُسے کیا دیکھنا ہے اب راستے کو۔ اُس کیلئے تو ضروری بس یہی ہے کہ اُس کی نظر رہبر پر جمی رہے اور یہ کوشش کرتا رہے کہ کہیں وہ نظر سے اوجھل نہ ہو جائے۔

اتنی دوری نہ ہو جائے کہ وہ مجھے نظر نہ آئے۔ اب اُسے راستے کو دیکھنا نہیں ہے، رہنما کو دیکھنا ہے۔ اُس کی صراطِ مستقیم راستہ نہیں ہے، وہ رہنما ہے۔

اسی لئے احادیث میں آتا ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد امام ہیں۔ وہ اسی لئے آتا ہے کہ جب رہنما آگے آگے ہے تو اب ہمیں کیا مطلب ہے اس توڑ، اس جوڑ سے، اس موڑ سے۔ ہمیں تو امام کے، رہنما کے ساتھ ساتھ رہنا ہے۔

جو ساتھ ساتھ رہا، منزل پر پہنچا۔ یہ فرق ہے حضرات! قرآن کی ہدایت میں اور آلِ محمدؐ کی ہدایت میں۔ ہادی وہ بھی ہے اور ہادی یہ بھی ہیں۔ مگر وہ (قرآنِ مجید) بیٹھے بیٹھے بتاتا ہے۔ راستہ چل کر نہیں بتاتا۔ عمل کر کے نہیں دکھاتا۔

راہرو کے ساتھ چلے، یہ اُس کی حیثیت نہیں ہے۔ مگر یہ رہنما (امامینؑ) جو ہیں، محض کہنے ہی کے نہیں ہیں، بتا دینے ہی کے نہیں ہیں، یہ تو ساتھ ساتھ مقامِ عمل میں ہیں۔

نماز پڑھ کر دکھا رہے ہیں، روزہ رکھ کر دکھا رہے ہیں، ثابت قدم رہ کر دکھا رہے ہیں۔ قرآن مجید کا کام مثلاً بس اتنا ہی تو تھا کہ:

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتاً. (البقرہ:۱۵۴)

''خدا کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ مت کہنا''۔

یہ قرآن کی ہدایت ہے نا! دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتاً. (آلِ عمران:۱۶۹)

''ہم تمہاری صرف زبانوں ہی کی بندش نہیں کر رہے ہیں اور مردہ کہنے ہی سے تمہیں روک نہیں رہے ہیں بلکہ خدا کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ سمجھنا بھی نہیں''۔

کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض باتیں زبان پر ہماری نہیں

آتیں مگر ہم سمجھ رہے ہیں۔ نہ مردہ انہیں کہنا اور نہ مردہ انہیں سمجھنا۔ خیال بھی نہ لانا۔

تمہیں اُن کی حیات کا شعور نہیں ہے۔ تم نے وہ حیات دیکھی ہی کہاں ہے جو اُن کیلئے ہے؟ تمہیں تو شعور اُن ہی چیزوں کا ہو سکتا ہے جو چیزیں تم نے محسوس کر لی ہوں، ٹٹول لی ہوں، چکھ لی ہوں، سونگھ لی ہوں۔ اُس حیات کا تمہیں شعور کیا ہے؟

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ.

''تم اُس کا شعور نہیں کر سکتے''۔

اس میں بحث مت کرو اور اس میں دماغ سوزی کی تمہارے ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے کہنے کا یقین مانو۔ یقین مانو کہ شہدائے راہِ خدا زندہ ہیں۔

بَلْ هُمْ اَحْيَاءٌ.

''بلکہ وہ زندہ ہیں''۔

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.

''وہ اپنے رب کی طرف سے رزق پاتے ہیں''۔

اور اس کے بعد آیات طولانی ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ قرآن صرف کہہ سکتا ہے کہ شہید کو مردہ نہ کہنا۔ شہید کو مردہ مت سمجھنا۔ یہ کام تھا نا قرآن کا؟

کہنے والی چیز ہی تو ہے، لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ تم شہید ہو کر، قرآن سے کہے کہ تم خود شہید ہو کر، قرآن پر کچھ بھی گزر جائے، آپ اس کو شہید تو نہیں کہہ سکتے، اس کو مقتول تو نہیں کہہ سکتے۔

اب قرآن کے بس کی بات نہیں کہ وہ حیاتِ شہادت کو اپنے کسی عمل سے

ظاہر کر سکے۔ حیاتِ شہید کو قرآن اپنے کسی عمل سے دکھا سکے۔ یہ قرآن کے بس کی بات نہیں۔

یہ بات اگر بس کی ہے تو خود شہید کے بس کی ہے کہ نیزے پر سر ہو اور وہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہو۔ لو دیکھ لو! شہید راہِ خدا زندہ ہوتے ہیں۔

یہ ایک واقعہ نہیں ہے۔ خدا جانے کتنے واقعات پیش آئے ہیں۔ انہیں واقعات کی بناء پر اس راہ میں (راہِ کربلا) جس راہ کا تصور قائم ہو گیا اس وقت میرے ذہن میں۔ خدا جانے کہ اس راہ میں، نیزے والے سرِ مبارک سے آیاتِ قرآنی کو سن سن کر کتنے بے دین دیندار ہو گئے۔

کتنے کافر مؤمن ہو گئے اور ایسے مؤمن ہو گئے، غیر دین سے پلٹ کر ایسے دفعتاً مؤمن ہو گئے کہ اب وہ اپنی جگہ یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ نصرت امام علیہ السلام اب ہم پر واجب ہے۔ وہ تلوار نکالتے ہیں اور قتل کرنا چاہتے ہیں۔ بالآخر قتل ہو جاتے ہیں مگر شہادت کا مرتبہ حاصل ہو رہا ہے۔

کتنے نصاریٰ ہیں، کتنے راہب ہیں جو اس راہ میں بے دینی سے دین پر آ گئے۔ اللہ اللہ کیا شان ہے آلِ محمدؐ کی۔ جو دین پر آئے تھے، وہ انؑ سے دشمنی کر کے بے دین ہو گئے، جو بے دین تھے، وہ ان حضراتؑ کے معجزے دیکھ کر دیندار ہو گئے۔

کتنے اہم واقعات ہیں یہ۔ حضرات والا! قرآن تو بس یہ کہہ گیا کہ شہید زندہ ہوتا ہے مگر انہوںؑ نے حیات بعدِ شہادت جا بجا دکھائی۔

سب سے پہلا مظاہرہ میری نظر میں خاتونِؑ جنت کی جانب سے ہے۔ خاتونِؑ جنت کے مسئلہ میں خود علی مرتضیٰ علیہ السلام کا بیان جسے آپؑ نے بقسم بیان کیا

ہے۔ جب غسل کے بعد کفن دیا جا چکا خاتونِ جنت کو، چھوٹے چھوٹے بچے تھے انہیں مسجد میں بھیج دیا گیا تھا۔ اُن بچوں کو اب مسجد سے بلایا جا رہا ہے کہ وہ اپنی والدہ کا آخری دیدار کر لیں۔ جب بچوں تک یہ پیغام پہنچا تو وہ ہائے اماں، ہائے اماں کہتے ہوئے دوڑے ہیں۔ دنیا میں کہاں کسی کو ایسی ماں ملی ہے۔ کہاں کسی ماں کو ایسے بچے ملے ہیں۔ واامّاہ، واامّاہ کہتے ہوئے برہنہ سر، پریشان حال یہ بچے اپنی والدہ کے جنازے کی طرف بڑھتے ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام سرہانے کھڑے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"اُس خدا کی قسم جس کے قبضے میں جان ہے علیؑ کی، ادھر بچے جنازے کی طرف بڑھے، میں نے خود سنا کہ سیدۂ ذی جاہ کی لاش سے کراہنے کی آواز آئی۔ جب یہ بچے جنازے کے قریب پہنچے تو لاش میں ایسا تزلزل ہوا، اتنی لاش ہلی کہ جو بند بندھے گئے تھے، وہ ٹوٹ گئے۔ جب یہ بچے بالکل جنازے کے پاس آئے تو سیدہؑ نے کفن سے دونوں ہاتھ نکال کر اپنے بچوں کو اپنے سینے سے لگایا۔ عجب طلاطم تھا اُس وقت یہاں۔ فرماتے ہیں علیؑ کہ مجھے آواز آئی کہ یا علیؑ! جلد ان بچوں کو جنازے سے ہٹا لو۔ ملائکہ سموات جزع و فزع میں آ گئے ہیں۔ عالمِ بالا میں طلاطم برپا ہے۔

معصومہؑ شہیدِ راہِ خدا ہیں اور جس طرح سے یہ معظمہؑ پردہ نشین ہیں، مجھے کہنے دیجئے کہ عنوانِ شہادت بھی بڑی حد تک پردے میں رہ گیا۔

الا لعنة الله علی القوم الظالمین.

آٹھویں مجلس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ. (المائدہ:۵۵)

''بے شک تمہارے سرپرست اللہ اور اُس کا رسولؐ اور وہ ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں''۔

خصوصیت سے حضرات یہ مجلس معین ہے اور منسوب ہے اُس نامِ نامی سے جس کا نام نامِ خدا ہے۔ نام اُس کا نامِ خدا ہے۔ صفات اُس کے مظہرِ صفاتِ خدا ہیں۔ صورتِ حال یہ قرار پا رہی ہے کہ خدا کو دیکھنا ہو تو انؑ کو دیکھو، خدا کو پہچاننا ہو تو انؑ کو پہچانو۔ خدا کو ماننا ہو تو انؑ کو مانو۔ انؑ کا عرفان عرفانِ الٰہی ہے۔ انؑ کا قرب قربِ الٰہی ہے۔ انؑ کی مدح و ثناء قربِ الٰہی ہے۔ خداوند عالم نے اپنی صفات کا مظہر قرار دیا ہے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو۔ (صلوٰۃ)

بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ قدرت نے اتنی کچھ اپنے آپ کی بھی نہیں پہچان نہیں کروائی جتنی کہ انؑ کی کروائی ہے۔ اپنے آپ سے زیادہ اس لئے پہچان کروائی کہ قدرت مطمئن ہے کہ جتنے جتنے یہ پہچانیں جائیں گے، اتنا اتنا میں پہچانا جاؤں گا۔

آیاتِ قرآنِ مجید کی چھلک رہی ہیں ان حضراتؑ کی مدح و ثناء کے سلسلہ میں۔ مجھے اس مقام پر یہ کہنا ہے کہ قرآنِ مجید کی جامعیت اس درجہ ہے کہ سرکارِ دو عالمؐ ارشاد فرماتے ہیں:

ما من حرف من حروف قرآن الا ولہ سبعون آلاف

من المعنی.

''ایک حرف بھی نہیں ہے حروفِ قرآن سے ایسا جس میں ستر ہزار معنی نہ ہوں''۔

جس کتاب کی جامعیت کی صورتِ حال یہ ہو کہ حرف ایک ہو اور معنی ستر ہزار ہوں۔ اندازہ لگائے میرا مجمع کہ اُس کتاب میں اگر ایک حرف مدح بھی ہو کسی کیلئے تو اُس کے ستر ہزار فضائل ہیں۔ اگر کسی ذیشان کی مدح میں پوری ایک آیت ہو؟ کون گن سکتا ہے اُنؑ کے فضائلِ معرفت کو؟ اگر کوئی ذیشان والا اس شان کا ہو کہ:

ز تفسیر کلام اللّٰہ چو می پرسی شود ناطق
که سه صد آیه نازل شد بشانِ شوهرِ زهراؑ

تین سو آیاتِ مدح کتابِ خدا نے جسؑ کی شان میں پیش کی ہوں، اُس کتاب کی آیات ہیں تین سو کہ جس کا ایک ایک حرف ستر ہزار معنی کا حامل ہو۔

آج طاقت کس میں ہو سکتی ہے کہ اُنؑ کے فضائل کو بیان کر سکے، اُنؑ کے فضائل کو شمار کر سکے، اُنؑ کے فضائل کو سمجھ سکے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر بہت پہچانا کسی نے علی علیہ السلام کو تو انتہائی عرفان کے بعد اُسے کہنا پڑا کہ میں نے نہیں پہچانا۔ بہت جانا اگر کسی نے مولائے کائنات علیہ السلام کو تو سب کچھ جاننے کے بعد یہ کہنا پڑا کہ میں جان نہیں سکا۔

خاموشی از ثنائت حدِ ثناء

میرے خیال میں تلاوتِ قرآن کرنے والے اندازہ رکھتے ہوں گے کہ خداوند عالم نے مدح کی کوئی آیت اس وقت تک نازل نہیں فرمائی جب تک کہ مدح

طلب کوئی عمل ان سے ہو نہیں گیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تین سو آیات کا نزول اصل میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کی زندگی کے تین سو واقعات کا بیان ہے۔ جب کچھ کیا ہے، تب آیت نے کہا ہے۔

ہر آیت ان کے عمل کا شاہکار اور اس کی یادگار ہے۔ رکوع میں انگشتری دیئے بغیر انما ولیکم اللہ نہ آیا۔ مسکین ویتیم واسیر کو کھانا کھلائے بغیر سورۃ ھل اتیٰ نہ آئی۔ مہمان کو سیر کئے بغیر یؤثرون علیٰ انفسھم کا بیان نہ آیا۔

یہ کرتے جاتے تھے اور قرآن کہتا جاتا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تین سو اعمال ہیں مولائے کائنات علیہ السلام کے جن کو قرآنِ کریم نے بیان کیا ہے۔ جس کتاب میں کسی کے تین سو عمل مندرج ہوں، میں پھر کیوں نہ کہوں کہ وہ کتاب نامۂ عمل ہے۔ یہ کتاب مولائے کائنات کیلئے نامۂ عمل ہے۔ سوانح حیات ہے علی مرتضیٰ علیہ السلام کی، کہ جب یکجا ہو گئے تو موسوم بہ قرآن ہو گئے۔

اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ:

علیٌ مع القرآن والقرآن مع علیٌ.

"علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں، قرآن علیؑ کے ساتھ"۔

وقتی طور پر کسی کا موصوف بالصفت ہونا اور چیز ہے اور مستقل طور پر کسی کا موصوف ہونا بالکل الگ بات ہے۔ خداوند عالم نے اور اس کے حبیب محبوب پیغمبرؐ نے جو بھی کلمۂ مدح کہا ہے ان حضراتؑ کے بارے میں، وہ ایسی جامعیت کے ساتھ کہا ہے کہ دن گزرتے چلے جائیں، راتیں بسر ہوتی چلی جائیں مگر اس ذکر کی جامعیت میں کوئی فرق نہ آئے گا، کوئی تغیر نہ آئے گا۔

جہاں جہاں نکتہ رس حضرات ہیں اور ذوقِ کلام رکھنے والے ہیں، خاص طور پر اُن سے کہنا چاہتا ہوں۔ کھلا تو چکے تھے، نذر کو پورا کر چکے تھے، روزے تو تمام ہو چکے تھے، مگر خداوند عالم یہ کہنا گوارہ نہیں کرتا کہ کھلایا ہے بلکہ ذکر بصورتِ استقلال:

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْناً وَيَتِيْماً وَ اَسِيْراً.

یہ کھلایا ہی کرتے ہیں۔ یہ سرشت ہے ان کی، یہ خوبو ہے ان کی، یہ خمیر ہے ان کا۔

یہ نہیں کہ گزر گیا واقعہ۔ گزرے ہوئے واقعہ ہی کا ذکر ہے بلکہ بند و بست استمراری ہو رہا ہے۔ کھلایا کرتے ہیں۔ رکوع میں زکوٰۃ دے چکے تھے۔ انگشتری دے چکے تھے۔ اب آیت کو یہ کہنا تھا کہ رکوع میں زکوٰۃ دی ہے مگر اربابِ ذوق دیکھیں کہ رکوع میں زکوٰۃ دی ہے، یہ نہیں کہا بلکہ:

يؤتون الزكوة وهم راكعون.

"یہ رکوع میں زکوٰۃ دیا کرتے ہیں"۔ یہ ان کا لیل و نہار ہے۔ یہ ان کی صبح و شام ہے۔ یہی ان کا حال ہے، یہی ان کا مستقبل ہے۔ ان کی زندگی کے یہ واقعات اچانک ہونے والے واقعات نہیں ہیں بلکہ یہ ایک مستقل سرشت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سرکارِ دو عالم نے جب بھی کوئی حدیثِ فضیلت بیان کی ہے، اس میں جملے اسمیہ رکھے ہیں۔ فعل کا جملوں میں گزر نہیں ہے۔ مثال کے طور پر کہتا ہوں:

انا مدينة العلم و علي بابها.

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ"۔

دو مکمل جملے اس حدیث میں ہیں مگر فعل کا دونوں جملوں میں کوئی گزر نہیں۔ نہ کوئی فعل ماضی ہے، نہ کوئی فعل مستقبل ہے۔

بات یہ ہے کہ فعل کا گزر تو ایسی فضیلت کے بیان کیلئے ہوگا جس فضیلت کیلئے کوئی مخصوص زمانہ ہو۔ سرکارِ دو عالم علم کا شہر تھے بھی، ہیں بھی اور رہیں گے بھی۔ جس طرح آپ کا علم کا شہر ہونا مستقل، اُسی طرح علی مرتضٰی علیہ السلام کا بابِ مدینۃ العلم ہونا بھی مستقل۔

(2) الحسنؑ والحسینؑ سیدا شباب اھل الجنہ.

مکمل جملہ ہے مگر آپ ڈھونڈیں گے بھی اگر عمر بھر تو فعل کا اس حدیث میں کہیں ذکر نہیں پائیں گے۔ حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں، تھے بھی اور رہیں گے بھی۔

یہ فضیلت کسی مخصوص زمانے سے مخصوص نہیں ہے۔ اسی طرح سرکارِ دو عالم ارشاد فرماتے ہیں:

(3) علی مع القرآن والقرآن مع علی.

دونوں جملے ہیں مگر کسی جملے میں کسی فعل کا کوئی گزر نہیں۔ ترجمہ کرتے وقت ہم کہہ دیتے ہیں کہ علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ حدیث میں نہ ''ہے'' اور نہ ''ہیں''۔ اس لئے کہ یہ ''ہیں'' اور ''ہے'' بھی اصل میں فعلِ ناقص ہیں جو کسی زمانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

سرکارؐ نے تو فرمایا یہ ہے کہ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ۔ یہی علیؑ کا ماضی ہے، یہ علی علیہ السلام کا حال ہے، یہی علیؑ کا مستقبل ہے۔

٥١٩

مجھے پورے طور پر یہ کہنے کا حق ہے کہ جو علی علیہ السلام کے ساتھ نہ ہو، وہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگر قرآن نہیں ہوسکتا۔ علی علیہ السلام کے ساتھ نہ ہو تو قرآن نہیں ہوسکتا اور جو قرآن کے ساتھ نہ ہو، وہ علی نہیں ہوسکتا۔

علی علیہ السلام کا ہونا ہی اس کی ضمانت ہے کہ وہ قرآن کے ساتھ، قرآن کا ہونا اسکی ضمانت ہے کہ وہ علی کے ساتھ۔ غالباً میرا مجمع تھوڑی دیر کیلئے توجہ کرے گا، جو میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ ماضی میں بھی، حال میں بھی، مستقبل میں بھی۔ جب سے ہیں علی قرآن کے ساتھ اور جب سے ہے قرآن علی کے ساتھ۔ پہلا جملہ تھا ''علی مع القرآن'' علی قرآن کے ساتھ۔

میرا مجمع سوچ کر بتائے کہ انسان جب کبھی بھی کوئی گناہ کرتا ہے، گناہ کے ارتکاب کے وقت کیا وہ قرآن کے ساتھ رہتا ہے؟ قرآن کے ساتھ رہ کر گناہ کرتا ہے؟

گناہ کا سرزد ہونا ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ اُس وقت قرآن کے ساتھ نہیں ہے۔ جس کے بارے میں سرکارِ دوعالم یہ ضمانت فرمائیں کہ علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ۔ علی کا دن ہے تو قرآن کے ساتھ، علی علیہ السلام کی رات ہے تو قرآن کے ساتھ، علی کی صبح ہے تو قرآن کے ساتھ، علی کی شام ہے تو قرآن کے ساتھ، بہرحال علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ۔ تو پہلا ہی جملہ اس کی دلیل ہے کہ علی علیہ السلام معصوم ہیں۔ (صلوٰۃ)

علی علیہ السلام سے ارتکابِ گناہ نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ لیکن اُس کے بعد کا دوسرا جملہ ''والقرآن مع علی''، کاش دنیا سمجھنے کی خوگر ہو جائے کہ دوسرا یہ جملہ دہرایا گیا

ہے کہ "اور قرآن علیؑ کے ساتھ"۔

اگر بعد کے جملے نے معنویت میں کوئی اضافہ نہ کیا تو قولِ رسولؐ عبث قرار پائے گا۔

فعل الحكيم لا يخلو عن الحكمة.

سرکارِ دوعالمؐ تو معلم کتابِ حکمت ہیں۔ آپؐ کے ارشاد کا کوئی بھی پہلو عبث اور بیکار نہیں ہوسکتا۔

ایسے کلمات کا جاری کرنا شانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہے۔ جب یہ ہوچکا کہ علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ، پھر کیا کہنا تھا یہ کہ قرآن علیؑ کے ساتھ۔ لیکن حقیقتِ امر یہ ہے کہ پہلا جملہ تو صرف اس کی دلیل ہے کہ علیؑ معصوم عن الخطا ہیں۔ اب دوسرا جملہ سمجھنے کیلئے زور دینا پڑے گا صلاحیتِ فہم پر۔ علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ۔ وہی کرتے ہیں جو قرآن کہتا ہے، وہی کہتے ہیں جو قرآن کہتا ہے۔

اب دوسرا جملہ کہ قرآن بھی تو علی علیہ السلام کے ساتھ۔ میں اس کے سمجھانے کے لئے بس ایک جملہ کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں حضرات! مؤمنین وہ ہیں جن کا عمل قرآن کے مطابق ہے اور واقعاً اگر مطابقِ قرآن ہو مؤمنین کا عمل تو وہ حقیقتاً مؤمنین ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مؤمنین تو وہ ہیں جن کا عمل قرآن کے مطابق ہو، امیر المؤمنینؑ کون ہیں؟ اُن کا مقام کیا ہے؟ تو سرکارؐ کا جملہ بتاتا ہے کہ مؤمنین وہ جن کا عمل ہو قرآن کے مطابق، مگر امیر المؤمنینؑ وہ کہ قرآن کا کہنا ہو جنؑ کے عمل کے مطابق۔ (صلوٰۃ)

ہماری شان تو یہ ہے کہ پہلے قرآن کا قول ہو، اُس کے مطابق ہمارا عمل ہو مگر امیر المومنینؑ وہ ہیں کہ عمل اُن کا مقدم ہو اور قرآن عمل کے مطابق اُتارا جائے۔

پہلے قرار پا جائے۔ عملِ مقدم کی مدح میں آیت آئے۔

انما ولیکم اللہ ورسولہ.

پہلے وہ عمل کرے، اب اُس کے عمل کے مطابق سورۂ ھل اتی کا نزول ہو رہا ہے۔ وہ مردِ میدانِ فتوت ثابت ہو چکے پہلے، اظہارِ شجاعت پہلے ہو لے تو آیت بعد میں آئے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ.

یہ شان حضرات مومنین کی نہیں ہو سکتی۔ مومنین یہ تمنا نہیں کر سکتے کہ جو عمل ہم کرتے رہیں، قرآنِ مجید ہمارے عمل کے مطابق کہتا رہے۔ یہ شان امیر المومنین علیہ السلام کی ہے کہ وہ عمل کرتے رہیں اور قرآن اُنؑ کے عمل کے مطابق نازل ہوتا رہے۔

آخر میں ایک جملہ یہ کہنا چاہتا ہوں، مظہرِ صفاتِ خداوندی ہونا کسی بندۂ خدا کا آسان نہیں ہے۔ خداوند عالم کا کرم، اُس کا جود اور اُس کا ایثار، کون یہ مثال پیش کر سکتا ہے؟ معمولی سی دشمنی ہو جاتی ہے ہماری کسی سے، اُس کی صورت کے دیکھنے کے ہم روادار نہیں رہتے۔ اُس کے لئے احسان، کرم، بخشش، مہر..... کہاں یہ موقعے رہتے ہیں اور اگر سخت دشمنی ہو جائے کسی سے تو سچ یہ ہے کہ اگر اُس کی روزی ہمارے ہاتھ میں ہو تو ہم بند کئے بغیر نہ رہیں۔ مگر یہ شانِ خداوندی ہے کہ وہ اپنے منکر کو بھی

کھلاتا ہے۔ وہ اپنے دشمن کو بھی پالتا ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام موسیٰ اولوالعزم پیغمبر ہونے کے باوجود عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! فرعون تیری خدائی کا منکر بلکہ تیرے مقابلہ میں خدا بن بیٹھا مگر وہ تیری ہوا سے سانس لے رہا ہے، وہ تیری ہی نعمتوں سے مالا مال ہے، وہ تیری ہی پیدا کی ہوئی چیزوں کو برت رہا ہے۔ زندگی عیش و عشرت سے گزار رہا ہے۔ دروازے اپنی نعمتوں کے تو نے اس پر بند نہیں کیے۔

جواب ملتا ہے کہ موسیٰ!

ان ترک فرعون عبودیتہٗ فکیف ترکت ربوبیتہٗ.

"اگر فرعون نے اپنی عبدیت کو چھوڑ دیا تو میں اپنی ربوبیت کو کیسے چھوڑ دوں؟"

اگر اس نے کہہ دیا کہ بندۂ خدا نہیں ہوں تو میں کیسے کہہ دوں کہ میں فرعون کا خدا نہیں ہوں۔ یہ کرم ہے رب جلیل کا۔ قرآن مجید میں حضرات! ارشاد فرمایا گیا ہے اور یہ آیت کا جزو ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ.

تو خداوند عالم کافروں کا دشمن ہے، اس لئے کہ کافر خدا کے دشمن ہیں۔ مگر یہ خدا ہی کی شان ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو پالتا ہے، کھلا رہا ہے اور پلا رہا ہے۔ یہ وصف کسی بندے میں اگر آپ دیکھنا چاہیں، نظر نہیں آسکتا۔ ہمارا ظرف اتنا وسیع نہیں ہے کہ ہم کسی کے دشمن ہونے کے بعد بھی کسی کے مربی بن جائیں۔ اُس پر نگاہِ مہر رکھیں۔ مگر ہیں کچھ ایسے بندے کہ جن کو خداوند عالم نے اپنی صفات کا مظہر قرار

دیا۔ (صلوٰۃ)

اگر اُس کی یہ شان ہے کہ اپنے منکروں کو پالتا ہے اور اپنی نعمتوں سے مالا مال رکھتا ہے تو خدا کی خدائی میں بھی ایسے بندے ملنے چاہئیں جو اپنے قاتل کو سیراب کردیں۔ یہ عین صفتِ الٰہی ہے، عین وصفِ خداوندی ہے کہ شہزادے شربت پیش کرتے ہوئے عرض کررہے ہیں پدر بزرگوار کی خدمت میں کہ:

شربت مفید ہے شہِ عادل کے واسطے
فرمایا بھیج دو اسے قاتل کے واسطے

بلکہ اس مقام پر مجھے اچانک یہ بات یاد آئی کہ سورۂ ھل اتیٰ کا وہ جملہ:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔

خاص طور پر آیت میں لفظ اسیر بھی آیا ہے اور میں نے کہا تھا کہ کھلایا نہیں بلکہ خداوند عالم نے کہا کہ کھلایا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مستقبل تک کی آیت نے خبر دی ہے۔ اس لفظِ اسیر میں مولائے کائنات علیہ السلام کا قاتل تک آرہا ہے۔

وہ اسیر ہے، قاتل ہے، مگر کیا کہنا نگاہِ مہر کا کہ جب مولاؑ اپنے سامنے اُسے کھڑا ہوا دیکھتے ہیں، مسجد میں تشریف فرما ہیں اور ضعف پر ضعف غالب آتا جارہا ہے، باربار آنکھیں بند ہوتی جاتی ہیں۔

ایک مرتبہ مولاؑ کی آنکھیں بند تھیں، حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ پدر بزرگوار! آپؑ کا قاتل اسیر ہو کر آپؑ کے سامنے کھڑا ہے۔ آپؑ نے آنکھ کھولی اور اپنے قاتل کو ایک نظر دیکھا، دیکھ کر ارشاد فرمایا:

”کیا میں تیرا بہترین امام نہ تھا؟ کیا میں دوسروں سے تجھے زیادہ نہ دیتا

تھا؟ میں تیرے دکھ درد کا لحاظ نہ رکھتا تھا؟''

دو تین جملے آپؑ نے کہے۔ وہ لرزہ براندام ہے۔ بدن اُس کا کانپ رہا ہے۔ ایک دم کلام کے رخ کو موڑا امام علیہ السلام نے اور ارشاد فرمایا کہ حسنؑ! دیکھ رہے ہو کہ خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ آنکھوں میں اس کے حلقے پڑ گئے ہیں۔ چہرے پر اس کے مردنی چھا گئی ہے۔ فرزند رسولؐ اسے بھوکا نہ رکھنا، اسے پیاسا نہ رکھنا۔ اپنے کھانے میں سے اسے کھانا دینا۔ اپنے پانی میں سے اسے پانی دینا اور اگر میں جانبر ہو گیا تو مجھے اختیار ہے کہ جو حکم چاہوں گا، جاری کروں گا۔ لیکن اگر میں جانبر نہ ہو سکا تو قصاص حکمِ خداوندی ہے، مگر میری وصیت یہ ہے کہ ایک ضرب سے زیادہ اس کو نہ لگانا۔

جس کے معنی یہ ہیں کہ قتل تو کرنا مگر بیدردی سے قتل نہ کرنا۔ قتل کرنا اس کو مگر ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا۔

میرے سید و آقا! آپ اپنے قاتل کے بارے میں وصیت کر رہے ہیں کہ بیدردی سے نہ مارا جائے؟ ذرا اپنے فرزند اور فرزندِ رسولؐ کی لاش پر آیئے۔ زیارت ناحیہ کا جملہ یاد آتا ہے کہ:

السلام علی الاعضاء المقطعات.

''ہزاروں سلامِ عقیدت ہوں ہمارے اُن اعضاء پر جو کٹے ہوئے بکھرے ہوئے کربلا کی زمین پر پڑے تھے''۔

قاتل پر بھی نظر کرم ہے اور اُس کے بعد ایک ایک شے پر امام علیہ السلام کی نظر۔ خاص طور پر ایک اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔ مسجدِ کوفہ ہے، سرِ علی علیہ السلام شگافتہ

ہے، بار بار فرما رہے ہیں کہ مجھے گھر لے چلو۔ مگر کس کو ہوش ہے۔ مجمع ماتمی بنا ہوا ہے۔ شاہزادے پچھاڑیں کھا رہے ہیں۔ ایک مرتبہ اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہیں نبی زادیاں نہ نکل آئیں۔ نبی زادیاں مضطرب ہو کر نہ نکل آئیں۔ فریاد کرتا ہوں میں یاامیرالمومنینؑ! اگر شاہزادیاں آتیں بھی تو سر برہنہ تو نہ آتیں، بے ردا ہو کر تو نہ آتیں۔ یہی کوفہ ہے کہ "شامیاں بستند بازوئے زینب و کلثوم را!"

سواری درِ دولت تک پہنچی۔ دروازہ پر جب سواری پہنچی، شہزادوں سے فرمایا کہ اب میں بصورتِ جنازہ گھر میں نہ داخل ہوں گا۔ خیمہ میں داخل ہوئے میرے مولاؑ۔ اب یہ پہلا موقع ہے کہ بیٹیوں کی نظر باپ کے چہرے پر پڑی۔ باپ کی نظر بیٹیوں کے چہروں پر پڑی۔ روایاتِ معتبرہ یہ ہیں کہ بیٹیاں تو کیوں نہ روتیں، اُن کی حالت دیکھ کر مولاؑ بھی شدتِ غم سے ایسا روئے کہ گریہ گلوگیر ہو گیا۔

جنابِ زینبِ کبریٰ سلام اللہ علیہا پانی لے کر دوڑیں، اس لئے کہ کوفہ تھا، کربلا نہیں تھا۔ باپ کے خون آلود چہرے کو صاف کیا۔ بیبیاں ماتم کر رہی ہیں، گریہ و زاری بلند ہے۔ جو مجمع ساتھ آیا تھا، وہ دروازے پر دہاڑیں مار مار کر رو رہا ہے۔ مولائے کائنات علیہ السلام نے خیال کیا کہ گھر میں نبی زادیاں رو رہی ہیں اور باہر کھڑا ہوا یہ مجمع رو رہا ہے۔ حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ بیٹا! باہر کے لوگوں سے کہہ دو کہ اب یہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ گوارہ نہیں ہوتا کہ نبی زادیوں کے رونے کی آوازوں کو مجمع سنے۔

یاعلیؑ! فریاد ہے۔ یہی کوفہ کا بازار، یہی آپؑ کی بیٹیاں ہیں، سر برہنہ ہیں، ماتمی ہیں، فریادی ہیں۔ واحسینا، واحسینا کی فریاد کر رہی ہیں۔ اگر کوئی نہیں بھی جانتا تھا

تو منادی اعلان کرتا تھا کہ لوگو! یہ رقیہؑ ہیں، یہ زینبؑ ہیں، یہ اُمِ کلثومؑ ہیں، یہ ربابؑ ہیں۔

ختم کر چکا حضرات میں اپنے بیان کو، ۱۹ بھی گزر چکی، ۲۰ بھی گزر گئی اور اب ۲۱ بھی گزر چکی ہے۔ آپ حضرات کا یہاں آنا بیمار پرسی کیلئے نہیں ہے بلکہ مُشایعتِ جنازہ کیلئے ہے۔ امیر المؤمنین علیہ السلام کا جنازہ اُٹھ رہا ہے۔ خدا جانے نبیؐ زادیوں نے باپ کے جنازے کو کس طرح رخصت کیا ہوگا؟ مجمع فریادی ہے، واعلیؑ، واعلیؑ۔

الا لعنة الله على القوم الظالمين.

نویں

مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. (الاحزاب:۳۳)

حضرات! یہ ذکر مقدسِ آلِ محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام وہ مبارک ذکر ہے اور وہ نافع اور مصلح ذکر ہے کہ جس سے ہمارے زندہ بھی اور ہمارے مردہ بھی فیضیاب ہوتے ہیں۔ زندوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے اس ذکر سے اور مرنے والوں کو مغفرت نصیب ہوتی ہے اس ذکر سے۔ کتنی کچھ مجالس قائم ہوتی ہیں صرف ایصالِ ثواب کی غرض سے۔ ثواب پانے کیلئے بھی ہوتی ہیں مجالس اور ثواب کے پہنچانے کیلئے بھی ہوتی ہیں مجالس۔

بہرحال اکثر مجالس کا مقصد ایصالِ ثواب ہوتا ہے اور ہم یادگارِ آلِ محمدؐ کے ذریعے سے اپنے مرنے والوں کو بھی فراموش نہیں کرتے۔ اُن کی یاد آلِ محمد کی یاد کے ذریعے سے قائم کرتے ہیں۔

حضرات! خداوند عالم نے اپنی کائنات کی اکثر چیزوں کے بارہ حصے قرار دیئے۔ یہاں تک کہ مہینے کسی بھی قوم میں ہوں، کسی مذہب میں ہوں، کسی ملک میں ہوں، نہ کہیں گیارہ مہینے سنے گئے ہیں اور نہ کہیں تیرہ مہینے سنے گئے ہیں۔ سال کے مہینے ہر جگہ بارہ ہیں۔ گھنٹے بھی دن کے ہوں یا رات کے ہوں، بارہ ہیں۔ آسمان کے برج ہوں، وہ بھی بارہ ہیں۔ چاند کی منزلیں ہوں، وہ بھی بارہ ہیں۔

خداوند عالم نے اکثر چیزوں کی بنیاد بارہ پر قرار دی ہے۔ بحمد للہ ہمارے

پیشوا اور ہمارے آئمہ بھی بارہ ہیں اور اس بناء پر ہم اثنا عشری کہلاتے ہیں۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ان بارہ مہینوں میں سے کوئی مہینہ کسی معصوم سے منسوب ہوگیا، کوئی مہینہ کسی سے منسوب ہوگیا۔

رجب علی علیہ السلام کا مہینہ، شعبان رسولؐ معظم کا مہینہ، رمضان اللہ کا مہینہ، محرم حسین علیہ السلام کا مہینہ، صفر زینبؑ کا مہینہ اور اسی انداز پر یہ کہوں گا کہ یہ مہینہ جو رواں ہے۔ جمادی الثانی، یہ مہینہ معصومۂ کونین کا مہینہ ہے۔ اس لئے کہ خاتونِ کونین کی آمد بھی اسی مہینے میں ہے اور آپؑ کی حسرت ناک رحلت بھی اسی مہینے میں ہے۔ یہ مہینہ اوّل سے لے کر آخر تک ماہِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہے۔

یہ مجلس جس میں آپ حضرات تشریف فرما ہیں، انہیںؑ کے نامِ نامی سے موسوم ہے۔ اُنؑ کے مخصوص ذکر کیلئے قائم کی گئی ہے۔

سوچتا ہوں کہ معصومۂ کونین کا ذکر کس آیۂ قرآنی سے شروع کروں، اس لئے کہ ہر آیت میں، جلوۂ فروزاں میں مجھے خاتونِ جنت نظر آتی ہیں۔ کتاب کا ہر جزو اُنؑ کیلئے، کتابِ فضائل ہے اور ہر آیت اُنؑ کی عظمت کی بہترین آیت ہے۔

حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ آیات نے انہیں نہیں چمکایا بلکہ انہوںؑ نے آیات کو چمکایا ہے۔ کیا کہنا اُنؑ عظیم ہستی کا جنہیں خداوند عالم نے مرکزِ آیۂ تطہیر قرار دیا۔

ملکِ مقرب نے جب یہ سوال کیا:

یارب ومن تحت الکساء.

''پروردگار! وہ زیرِ کساء جو وجۂ ایجادِ عالمین ہیں، ہیں کون؟''

جوابِ قدرت آتا ہے:

هم اهل بيتِ النبوة ومعدن الرسالة.

''وہ نبوت کا خاندان ہے، رسالت کی کان ہے''۔

هم فاطمة وابوها وبعلها وبنوها.

نام لیا ہے اُن میں سے قدرت نے صرف ایک نامدار کا، ایک پردہ دار کا۔ وہ حضرتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہیں، اُنؑ کے والد ہیں، اُن کے شوہر ہیں اور اُن کے فرزند ہیں۔ معصومۂ طاہرہ کے نام کا آنا صاف بتا رہا ہے کہ دائرۂ تطہیر کا مرکز ہیں جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا۔ دائرۂ تطہیر کا نقطۂ وسعت ہیں خاتونِ جنت۔

حقیقتِ امر یہ ہے کہ پھر اُن معصومہ کی شان میں ایک آیۂ تطہیر کے علاوہ کوئی اور آیہ نہ بھی ہوتا، تب بھی اُن کیلئے خداوند عالم کا صرف یہی ارشاد فرما دینا کافی تھا۔ مگر آپ حضرات دیکھتے ہیں اور سنتے رہتے ہیں، یہ وہ حضرات ہیں جن کی شان میں صرف ایک ہی آیت کا نہیں، کونسی آیت ہے جو انؑ کیلئے آیتِ فضیلت نہ ہو۔ کونسا جزوِ قرآن ہے جو انؑ کے کل فضائل کی روشنی نہ بن رہا ہو!

معصومۂ طاہرہ، صدیقۂ کبریٰ، فخرِ مریم و سارہ، جنابِ زہراء، بتولِ عذراء، بنتِ احمدِ مجتبیٰ، دخترِ جنابِ محمدِ مصطفےٰؐ، کتنی آیات ہیں جن میں ان معصومۂ کونین کا ذکرِ جمیل نظر آتا ہے۔ آیۂ مباہلہ کو دیکھئے تو دائرۂ مباہلین میں معصومۂ طاہرۂ نقطۂ وسعت قرار پا رہی ہیں۔ ایک طرف ابناء نا ہے، دوسری جانب انفسنا ہے، درمیان میں نساء نا ہے۔ نقطۂ دائرۂ اصحابِ مباہلہ قرار دیا گیا ہے سیدۂ طاہرہ کو۔

آیۂ مباہلہ بغیر فاطمۂ زہرا کے نہیں۔ آیۂ تطہیر ان کے بغیر نہیں۔ آیۂ صادقین ان صدیقہ کے بغیر نہیں۔ آیۂ مودت قل لا اسئلکم، ظاہر ہے کہ قرابت داریِ پیغمبرؐ

میں اوّل نام نامی خاتونِ جنت کا ہے۔

میں اپنے باہوش مجمع سے اور پُرجوش مجمع سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں درود بھیج کر، صلوٰۃ۔

ذرا چست ہو کر سنئے گا۔ قرآن مجید میں آیت ہے:

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ. (الاسراء:۲۶)

"اے رسولؐ! قرابت دار کو اُس کا حق دے دو"۔

فوراً دے دو، بلا تاخیر دو۔ قرابت دار کو اُس کا حق ادا کر دو۔ تمام مفسرین نے، یہاں تک کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں بھی یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت رسولؐ پر نازل ہوئی اور اس موقع پر نازل ہوئی جب آپ کو علاقۂ فدک بنی نظیر کے یہودیوں سے مل چکا تھا۔

اِدھر یہ علاقہ سرکار کو ملا اور اُدھر یہ آیت اُتری کہ قرابت دار کو اُس کا حق ادا کرو اور سرکارِ دوعالم نے اُس آیت کے نزول پر فی الفور وہ علاقہ سیدۂ طاہرہ کو ہبہ کر دیا۔

مسلّم ہے یہ خبر اور متواتر ہے یہ خبر کہ حق دار کو اُس کا حق دو۔ سرکارِ دوعالم نے وہ علاقہ بیٹی کے حق میں ہبہ کر دیا۔ مگر حضرات سوچنے اور سمجھنے کی بات جو مجھے پیش کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے قانون بنا دیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ کفار سے جو علاقہ، جو جائیداد جہاد کے فتح کی صورت میں ملے، وہ اسلامی ریاست ہے۔ جیسے ہم مروجہ الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ state کی ملکیت ہے جو جہاد کے ذریعے سے ملے۔ وہ ریاستِ اسلامی ہے کہ جس میں سب حقدار ہیں یعنی قومی ملکیت ہے۔ لیکن

واضح کر دیا ہے سورۃ الحشر میں خداوند عالم نے کہ اگر کوئی علاقہ، اگر کوئی جائیداد، اگر کوئی شے کفار سے جنگ و جدال کے بغیر ملے تو وہ خالصتاً رسولؐ کی ملکیت ہے۔ اُس میں امت اور افرادِ اُمت کا کوئی حق نہیں۔

صاف الفاظ ہیں قرآن مجید کے کہ جس علاقہ کے حاصل کرنے کیلئے تم نے گھوڑے نہیں دوڑائے، تم نے کوئی جنگ و جدال نہیں کی تو وہ چیز جو کفار نے مرعوب ہو کر اس پیش بندی کیلئے کہ ہم سے لڑائی نہ لڑی جائے اور ہم سے قتال نہ کیا جائے، اگر مرعوب ہو کر پیش کر دیا جائے تو وہ ملکیتِ رسولؐ قرار پائے گا۔ اسی بناء پر یہ طے شدہ ہے کہ فدک کا علاقہ بنی نظیر کے یہودیوں نے بغیر اس کے کہ اُن سے جنگ و جدل ہوئی ہو، انہوں نے خود آمادۂ صلح ہو کر یہ علاقہ رسولؐ کی بارگاہ میں پیش کر دیا اور اُس علاقہ سے وہ دست بردار ہو گئے۔

لہٰذا وہ خالصتاً ملکِ رسولؐ ہے۔ ادھر وہ علاقہ ملکِ رسولؐ قرار پایا، ادھر آیت اُتری کہ قرابت دار کو اس کا حق دو۔ فوراً سرکارِ دو عالم نے وہ فدک بحق سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا ہبہ کر دیا۔ لیکن میں آپ کو ایک بات کہنا چاہ رہا ہوں جو ابھی تک میں نے نہیں کہی، وہ یہ کہ جب وہ ملکِ رسولؐ قرار پا چکا اور اللہ تعالیٰ اُس کو ملکیتِ رسولؐ قرار دے چکا، پھر اس آیت کا اترنا کہ قرابت دار کو اس کا حق دو، یہ بات سمجھنے اور سوچنے کی ہے یا نہیں!

حضورِ والا! میرے خیال میں یہ سوچنے سمجھنے کی عادت ہم لوگوں نے چھوڑ رکھی ہے۔ بحث اس بات کی ہے کہ رسولؐ کی ملکیت ہے کوئی شے تو وہ رسولؐ کی زندگی میں، رسولؐ کے ہوتے ہوئے حقِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کیوں ہے؟ جبکہ شریعت

نے کہیں کسی پر یہ تقاضا نہیں کیا کہ انسان اپنی زندگی میں اپنی جائیداد، اپنا مکان، اپنی زراعت، اپنی زمین، اپنی حیات میں اپنی اولاد کو ضرور دے۔ ہے کہیں یہ حکم؟

قرابت دار کا حق قائم ہوتا ہے مورث کی وفات کے بعد۔ مورث کی زندگی میں اُس کا یہ حق تو نہیں ہے کہ وہ مورث کی ملکیت سے نکل کر وارث کی ملکیت قرار پا جائے۔ یہ مطالبہ تو کہیں نہیں ہے۔ کبھی کسی نے اس پر غور کیا ہے کہ رسولؐ کی ملکیت رسولؐ کے ہوتے ہوئے حقِ ملکیتِ زہراؑ کیوں ہے؟ جبکہ ماں باپ کی ملکیت اُن کی زندگی میں انہیں کی ملکیت رہتی ہے۔ وارثوں کا حق اُن کی وفات کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

مگر یہاں طلب ہے اور تقاضا ہے کہ ابھی دو اور فوراً دو، اور کرم گستری کرتے ہوئے نہیں بلکہ اُس کا حق ہے۔

میرے ایک ایک لفظ پر نظر رہے کہ اُس کا حق ہے، اور جنابِ والا! آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کسی کے حق کا نہ دینا ظلم ہے۔ کسی کے حق کا نہ دینا گناہ ہے۔ تو پھر خداوندِ عالم یہ کیوں طے کر رہا ہے کہ تمہاری ملکیت میں جو شے آئی ہے، وہ فی الفور زہراؑ کا حق ہے۔ اُسے ابھی دو اور آپؐ نے جو بھی دیا۔ یہ مسئلہ بڑا گہرا مسئلہ ہے، دقیق ہے اور سمجھنے کے لائق ہے۔

کیوں ہے وہ اسی وقت اُن کا حق؟ رسولؐ کے بعد قائم ہوگا اولاد کا حق اور پھر ملکیت کا سوال ہے، منافع کا سوال نہیں ہے۔ یہ تو نہیں ہے کہ اُس کی آمدنی دیتے رہو۔ اُس کے متمتع کرتے رہو۔ یہاں تو ملکیت کو منتقل کر دینا ہے۔ تو حقِ ملکیت کسی مورث کا اُس کی زندگی میں اُس کے وارث تک نہیں پہنچتا۔ گھر ہے کسی کا تو اولاد بھی

اُسی میں رہے لیکن مالک کس کو کہا جائے گا؟ مالک تو وہی ہے جس کا وہ گھر ہے۔ ہاں! اولاد مالک ہوگی اُس کی وفات کے بعد۔ مگر یہاں صورتِ حالات از روئے قرآن یہ ہے کہ پہلی جائیداد ہے رسولؐ کو ملنے والی۔ ادھر یہ جائیداد ملی اور اُدھر یہ حکم آ گیا کہ قرابت دار کو اُس کا حق ادا کر دو۔

اس آیت کے بارے میں میں آپ کو یہ خبر دینا چاہتا ہوں کہ اس آیت کے بارے میں اتنا اتفاق ہے کہ یہ حق سیدہ طاہرہؑ ہے۔ اس آیت کا حق خاتونِ جنت ہونا اتنا متفق الیہ ہے کہ شہنشاہ اورنگزیب نے بھی اپنے وصیت نامہ میں اس آیت کا ذکر کیا ہے۔

جس کا جی چاہے وصیت نامہ کو دیکھ لے اور جیسا کہ میں ابھی کہہ رہا تھا کہ قدرت نے ہر چیز کی بناء بارہ پر رکھی ہے تو شہنشاہ اورنگزیب نے بھی اپنی وصیتیں بارہ قرار دی ہیں۔ وصیت نامے میں بارہ وصیتوں کی گنتی گنائی ہے اور یہ کہہ کر گنائی ہے کہ کیونکہ بارہ مبارک ہیں، اس لئے میں بھی وصیتیں بارہ ہی کر رہا ہوں۔

حضرات! آپ کو شاید حیرت ہو یہ سن کر کہ ان بارہ وصیتوں میں سب سے پہلی وصیت یہ ہے کہ میرے کفن میں اور میری قبر میں تربتِ مقدسِ حسینیہ ضرور رکھی جائے۔ جسے ہم خاکِ شفاء کہتے ہیں۔ شہنشاہ کہتے ہیں کہ میری قبر میں تربتِ مقدسِ حسینیہ ضرور رکھی جائے کیونکہ گناہوں میں ڈوبے ہوؤں کی مغفرت کا سہارا اس سے بہتر کوئی اور نہیں۔

میں اس حقیقت کو بیان کرنا چاہ رہا ہوں، دنیا تو ہر بات کو بہت جلد بھول جانے والی ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت ہے، خداوند عالم اپنے وہ احسان گنا رہا ہے

کہ جو اُس نے اپنے نبیؐ پر مکہ میں رہتے ہوئے کیے ہیں۔ ہجرت سے پہلے پہلے جو کرم قدرت نے اپنے رسولؐ کے شاملِ حال کیے ہیں، اُن کا ذکر کرتے ہوئے تین باتیں گنائی ہیں:

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی. (الضحیٰ:۶)

''اے میرے پیغمبرؐ! کیا میں نے تم کو یتیم پاکر بہترین ٹھکانہ نہیں دیا''

میں نے کیا تم کو یتیم پاکر تمہیں بہترین پناہ نہیں دی؟ یہ ایک کرم ہے۔

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی. (الضحیٰ:۷)

''اور میں نے جب یہ دیکھا کہ تمہاری روزی کے دروازے بند ہیں تو میں (خداوندعالم) نے تمہاری معیشت کا دروازہ کھول دیا''

وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی. (الضحیٰ:۸)

''اور تنگدست پاکر میں نے تم کو غنی نہیں کر دیا!''

یہ کہاں کا ذکر ہو رہا ہے؟ مکے کا۔ یتیمی کی حالت میں پناہ دینا اور بہترین ٹھکانہ معین کرنا، یہ کس کی طرف اشارہ ہے، وہ پناہ کی جگہ کونسی تھی؟ وہ بہترین ٹھکانہ کون سا تھا؟

میں منطقی انداز میں کہنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات قرآن کے ہر لفظ کو مکمل صورت میں دیکھنے کی کوشش کیجئے۔

سرکارؐ مکمل یتیم کب ہوئے؟ یتیمی کے کئی دور ہیں۔ پہلے والد کے سائے سے محروم ہوئے۔ وہ بھی یتیمی ہے۔ پھر والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، وہ بھی یتیمی ہے۔ مگر کیونکہ دادا کا سایہ ابھی سر پر تھا، اسلئے آپ کی یتیمی جناب عبدالمطلب کے ہوتے

ہوئے مکمل نہیں ہوئی۔ باپ کا باپ موجود ہے۔ مکمل یتیمی ہے آپ کی جناب عبدالمطلب کی وفات پر۔ اب نہ ماں ہے، اور نہ باپ ہے اور آٹھ برس کی عمر ہے کہ اب دادا کے سائے سے بھی محروم ہو گئے۔ یتیمی کی انتہا ہو گئی۔

اب ضرورت تھی کہ رسالت پناہ کیلئے کوئی پناہ ہو اور آپؐ کے لئے کوئی بہترین ٹھکانہ ہو۔

جانیں ہماری قربان ہو جائیں مربی رسولؐ پر۔ ایک طرف جناب ابو طالب علیہ السلام پر، دوسری طرف جنابِ فاطمہ بنتِ اسد سلام اللہ علیہا پر۔ چچی نے ماں بن کر پالا، چچا نے باپ بن کر پالا۔ اور یہ تو کہنے کے لفظ تھے جو میں کہہ گیا۔ باپ وہ نہیں کرسکتا جو جنابِ ابو طالبؑ نے کیا اور ماں وہ نہیں کرسکتی جو جنابِ فاطمہؑ بنتِ اسد نے کیا۔

سب سے پہلا کرم، سب سے پہلا احسان آپ کی تربیت کے بارے میں ان دو ہستیوں کا ہے۔ وہ اتنا کرم تھا کہ جس کے بارے میں آپ نے ضرور سنا ہو گا۔ مگر موقع کی بات ہے، اس لئے میں بھی کہے جاتا ہوں کہ جنابِ فاطمہ بنتِ اسد کی جب وفات ہوئی ہے، مدینے میں وفات ہوئی تھی تو جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام نے سرکارِ دو عالم سے روتے ہوئے فرمایا کہ:

ماتت امی۔

تو سرکارؐ نے سن کر جواب دیا کہ:

بل ماتت اُمی۔

"اصل تو یہ ہے کہ میری ماں نے انتقال کیا، وہ میری ماں ہیں"۔

اگر میں یہاں یہ جملہ کہہ دوں تو جملہ حضرات ضرور پسند کریں گے کہ ایک طرف کتنا شرف ہے اُن بیبیوں کا کہ جن کو مؤمنین کی ماں کہا گیا ہے۔ ہے تو شرف کی بات، بزرگی کی بات ہے اور احترام کی بات ہے کہ خداوند عالم نے ان کو مؤمنین کی ماں کہہ کر ماؤں سے تشبیہ دی ہے۔ مگر جن مؤمنین کی وہ ماں ہیں، اُن میں مجھ سے بھی جاہل ہیں۔ راستہ چلتے ہر قسم کے مسلمان، جس جس قسم کے ہیں، اور جس جس انداز کے ہیں، میں نقشہ نہیں کھینچنا چاہتا۔ یہ جا رہا ہے، وہ اس کی بھی ماں ہیں، وہ جا رہا ہے، وہ اُس کی بھی ماں ہیں۔ وہ اس کھیل میں ہے، اُس کی بھی ماں ہے۔ یہ اس شغل میں ہے، اس کی بھی ماں ہیں۔

ایسے مؤمنین کی ماں ہونا بھی بہر حال فخر کی بات ہے۔ ایک طرف وہ بیبیاں ہیں جو مؤمنین کی ماں ہیں۔ ایسے ویسے مؤمنین کی ماں ہیں اور ایک وہ بی بی جو رسولؐ کی ماں ہیں۔ رسولؐ نے جن کو ماں کہا، کیا کہنا اُنؑ کے شرف کا! اور پھر خداوند عالم نے اپنا کرم اپنے رسولؐ پر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مکہ کے مکہ ہی میں رہتے ہوئے تنگدستی سے ہم نے تمھیں تونگر کر دیا، ہم نے تمھیں غنی کر دیا، مالدار کر دیا۔

کیا میرا مجمع نہیں بتائے گا کہ یہ مالداری کدھر سے آئی ہے؟ یہ کس کا مال تھا؟ جب مالِ کار رسولؐ کا مال قرار پایا اور خداوند عالم نے اغنیٰ کہہ کر بتایا، اتنا مال...... کہ اے رسولؐ! ہم نے تم کو غنی کر دیا۔ ابھی تو سرکارؐ نے ہجرت نہیں کی، ابھی تو مکے ہی میں ہیں کہ یہ سورہ اتر رہا ہے کہ اے رسولؐ! کیا ہم نے تمھیں یتیم پا کر پناہ نہیں دی اور ہم نے تم کو تنگدست پا کر غنی نہیں کر دیا؟

تو مکے میں رہتے ہوئے بتائیں لوگ کہ یہ مال کہاں سے آیا اور کس کی وجہ

سے آپ اتنے تونگر ہو گئے کہ غنی عن العالمین نے رسولؐ کو غنی کہا کہ ہم نے تمہیں غنی کر دیا۔

ظاہر ہے حضرات والا کہ یہ ذکر ملکہ حجاز کا ہے، جن کا لقب رسولؐ کے عقد میں آنے سے پہلے طاہرہ تھا اور ہر زبان پر ان کا ذکر لفظ طاہرہ سے آتا تھا۔

یہ بات دوسری ہے کہ ناسازگار زمانے نے بہت کچھ کوشش کی ہے ان کی شان کو گرانے کی۔ مگر جس کی شان کو خدا اور خدا عالمؑ دو بالا کرے کون گرا سکتا ہے؟

دو وقت کا تو بیوہ ہونا دکھایا جاتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے دنیا کی عقلوں پر کہ جس شکم کو صدف جوہرِ فاطمہ زہراؑ بننا ہو اور جس پاکیزہ شکم میں نورِ فاطمیؑ کا منتقل ہونا ہو کیا خدا اور خدا عالمؑ اسے ایسا بھی قرار دے سکتا ہے!

حضرات! میں جھنجھلا کر کہہ دیا کرتا ہوں کہ کیا خدا اور خدا عالمؑ کو اپنے حبیب کیلئے کوئی کنواری نہیں ملی تھی؟

غرض کہ دنیا کے انقلاب نے خبروں کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے اور تاریخ کو مسخ کر دیا ہے۔ شادی آپ کی ہوئی۔ غلط ہے یہ کہ بیوہ تھیں یا آپ کا پہلے عقد ہوا تھا۔ جناب خدیجۃ الکبریٰ طاہرہ تھیں، باکرہ تھیں اور بڑی شان سے عقد ہوا اور اس شان سے عقد ہوا کہ جس شان سے باحیا عفت مآب بچیوں کا عقد ہوا کرتا ہے۔

جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور جناب صدوقؒ نے اور ہمارے لکھنؤ کے ناصر الملت، صدر المحققین جن کا لقب تھا، صاف بیان کیا ہے عقد میں نے بھی اور متاخرین نے بھی کہ ان کا پہلا عقد ہوا ہے سرکارؐ سے، وہ باکرہ تھیں، کنواری تھیں۔

صرف سن و سال میں تین سال کا فرق تھا۔ ان کی عمر اٹھائیس سال کی تھی اور

سرکارِ دوعالم کی عمر پچیس سال کی تھی۔

بڑے بڑے پیغام آتے تھے، اس لئے کہ حجاز کی ملکہ مشہور تھیں۔ تمول کی انتہا تھی۔ عرب میں اُن جیسا تمول اور اُن کی تجارت جیسی تجارت کسی کی نہ تھی۔ بڑے بڑے خاندان متمنی تھے۔ مگر ذوقِ نظر جناب خدیجہ کا اتنا اونچا تھا کہ جناب محمد مصطفےٰ سے کم پر راضی نہیں تھیں۔ سید المرسلینؐ سے کم مرتبہ کے شوہر کو شوہر بنانا پسند نہیں کیا، ہر پیغام کو ٹھکراتی رہیں۔

مگر جب ان کو دیکھا اور ان کے معجزات کو دیکھا، اور اپنے بالا خانہ پر بیٹھے ہوئے سرکار کو اونٹ پر بیٹھے ہوئے آتے ہوئے اس طرح دیکھا کہ ابر سایہ فگن ہے اور چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ یا تو ہر پیغام کو ٹھکراتی رہی تھیں یا اب کمالِ حیا سے اور کمالِ ادب سے اور کمالِ بہترین عنوان سے آپ نے خود اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ مگر لطیف انداز میں اور انداز بھی واقعاً کتنا لطیف ہے کہ سرکارِ دوعالم کو اُن کا حصہ جو تجارت میں بنتا تھا، وہ بھی کثیر رقم تھی، وہ دیتے ہوئے ایک مرتبہ یہ پوچھا کہ آپ اتنی بڑی رقم کو کہاں صرف کریں گے؟

Proposa

جواب میں یہ فرمایا کہ میرے شفیق چچا کو میری شادی کی فکر ہے۔ یہ رقم میں اپنے چچا کو جا کر پیش کر دوں گا تا کہ وہ اس مہم میں لگا سکیں۔

جناب خدیجہؑ نے یہ عرض کیا کہ ایک رشتہ آپ کا میری نظر میں ہے اور یہ کہہ کر جو حالات بیان کئے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وہ عمر میں آپ سے تین سال زیادہ ہے۔ تمول بے حد ہے۔ حیا اور عفت بدرجۂ کمال ہے۔ یہیں سے آپؐ یہ سمجھ گئے کہ اشارہ کس طرف ہے۔ اپنے چچا سے جا کر تمام گفتگو یہ بیان کی۔ انہوں نے آزمائش

کیلئے کہ وہ چاہتی ہیں اس رشتے کو، جناب ابوطالبؑ نے اپنی بہن جناب صفیہ کو اس اندازے کیلئے جناب خدیجہؑ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے رسولؐ کی پھوپھی کا انتہائی احترام کیا، بڑی محبت سے پیش آئیں اور ان کے اعزاز میں ایک گراں بہا خلعت پیش کی تو انہوں نے واپس آ کر اپنے بھائی جناب ابوطالب علیہ السلام سے ذکر کیا کہ مجھے بے شک اندازہ ہے کہ وہ اس رشتے کو پسند کرتی ہیں۔ اُس کے بعد جناب ابوطالب علیہ السلام نے باقاعدہ رشتہ پیش کیا۔

بہرحال خداوند عالم نے وہ جوہر لطیف عطا کیا تھا جناب خدیجہ کو کہ عقد رسولؐ میں آتے ہی پہلا جملہ اُن کا یہ تھا کہ اب میری دولت تو آپؐ ہیں۔ میرا سرمایۂ حیات آپؐ ہیں۔ اب تک جو کچھ میرا تھا، وہ آپ کا ہے، اس لئے کہ میرے لئے بس کافی ہے کہ آپؐ میرے ہیں اور میرا جو کچھ بھی ہے، وہ سب آپ کا ہی ہے۔

اپنا کل مال اور کل دولت آپ نے رسولؐ کے قدموں پر نچھاور کر دی اور پیش کر دی۔ سرکارؐ دو عالم نے رانڈوں کی پرورشیں کیں، یتیموں کی نوازشیں کیں، مسافروں کی دیکھ بھال کی اور خدا کی راہ میں اُس مال کو خرچ کیا، یہاں تک کہ آپ مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ آج بھی لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ جی ہجرت سے پہلے جو لوگ ایمان لائے تھے، وہ کس لالچ میں لائے تھے؟ اس وقت رسولؐ کے پاس کیا تھا؟ وہ اُس تمول کو بھول جاتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ کل مال خدیجۃ الکبریٰ اسلام کی راہ میں صرف ہو گیا۔ یہاں تک کہ جناب خدیجہؑ کی وفات کے وقت سرکار کو اُن کے کفن کی فکر تھی۔ یعنی وہ مال اتنا صرف ہو چکا ہے کہ اب باقی نہیں رہا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ انتہائی تمول اور وہ انتہائی ملکیت رہتی تو وارثہ کون تھیں؟ وہ کس کا حق تھا؟ اگر وہ دولت رہتی تو خاتونِ جنت ہی کو ملتی۔ مگر جب زندگی ہی میں وہ دولت کل کی کل صرف ہوگئی تو ظاہر ہے کہ جو چیز سیدہؑ کی تھی اور سیدہؑ کا حق بنتا تھا، وہ پہلے ہی صرف ہوگیا۔

حضرات! اب میں نقشہ کھینچنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے کسی بچے کو پرورش کیا ہو، لکھایا ہو، پڑھایا ہو، اُس کی ناز برداری کی ہو، اُس کی ہر طرح دیکھ بھال کی ہو اور تربیت دینے کے بعد اس قابل بنا دیا ہو کہ وہ کچھ کما سکے تو اُس بچے کا فرض ہے کہ وہ اپنی پہلی کمائی اپنے مربی کے سامنے لا کر رکھے کہ یہ آپ کا حق ہے۔ آپ نے تو بہت کچھ مجھے لگایا ہے اور بہت کچھ مجھ پر خرچ کیا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ مالِ خدیجۃ الکبریٰ سے سیدہؑ طاہرہؑ محروم ہوگئیں، اس بناء پر کہ راہِ اسلام میں اور راہِ دین میں وہ تمام کی تمام دولت خرچ ہوگئی۔

اب اسلام کے نام پر رسولؐ کو پہلی مرتبہ ایک علاقہ ملا ہے۔ غور فرمایا آپ حضرات نے! اُس دین کی راہ میں کہ جس کی راہ میں تمام مالِ خدیجہؑ خرچ ہو چکا تھا، اب اُس راہ سے ایک علاقہ حضورؐ کو ملا ہے، تو وہ اس لئے کہ حقیقتاً اگر خدیجۃؑ الکبریٰ زندہ ہوتیں، یہ حق اُن کا تھا مگر آج خدیجہؑ نہیں ہیں تو اُن کی جیتی جاگتی تصویر فاطمہ زہراؑ ہیں، خاتونِ جنت ہیں۔ اس لئے وہ علاقہ رسولؐ کی زندگی ہی میں فاطمہ زہراؑ کا حق قرار پایا۔ زندگی ہی میں وہ آپؑ کا حق قرار دیا گیا۔

دوسرے، اس لئے کہ اُسے اتنی بڑی مالدار ماں کی دولت میں سے کچھ نہیں ملا ہے کہ جس دین کے راستہ میں اُس کی ماں کی دولت سب خرچ ہوگئی۔ اب اُسی دین

کے نام پر تمہیں یہ علاقہ ملا ہے۔ لہٰذا یہ حق فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا تھا۔

آیت فَآتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّهٗ آیت آئی اور آپ نے وہ فدک فوراً جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو ہبہ کر دیا۔

میں کس منہ سے کہوں حضرات اور کس انداز سے کہوں کہ فاطمہ زہراؑ صادقین میں ہی کی صدیقہ ہیں، طاہرین میں سے ہی طاہرہ ہیں اور معصومین میں سے ہی معصومہ ہیں اور آپ کی عظمت اس سے زیادہ اور کیا بیان میں آسکتی ہے کہ خداوند عالم نے اپنی وحدانیت کا پانچ ہستیوں کو گواہ بنایا ہے۔

نصاریٰ عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہہ رہے تھے نا تو ابن اللہ سے دھبہ لگتا ہے اللہ کی توحید کے دامن پر۔ لہٰذا قدرت نے اپنی وحدانیت کا گواہ قرار دیا ہے ان پانچ ہستیوں کو۔

اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ كُمْ وَنِسَاءَ نَا وَنِسَاءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ.

لیکن اگر کوئی شخص یہ سوچنے لگا ہو مجمع میں بیٹھا بیٹھا کہ کیا اللہ کی وحدانیت کی گواہی کیلئے کوئی اور ہستی نہیں ہو سکتی تھی؟ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے تو اور بھی بہت سے تھے۔ تھے نا؟ تو مجھے اُن کے ''تھے'' سے انکار نہیں ہے مگر میں ''تھا'' دیکھنا چاہتا ہوں۔ وحدانیت کے قائل اور بھی تھے۔ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے اور بھی تھے مگر خداوند عالم کسی ایسے کو اپنی وحدانیت اور گواہی کیلئے پیش کرنا نہیں چاہتا کہ جس نے بیان کبھی کچھ کیا ہو، کبھی کچھ کیا ہو۔

آپ نے غور کیا میرے جملے پر کہ پہلے اللہ کی توحید سے انحراف رہا ہو، پھر اللہ کی توحید کا کوئی قائل رہا ہو، تو زبانیں جو بدلی ہوئی ہوں، وہ لائقِ شہادتِ الٰہیہ نہیں

ہیں۔ خداوند عالم ایسوں کو اپنی گواہی میں پیش کرنا چاہتا ہے کہ جن کو تاریخ نے بھی بیان کیا ہے اور سرکارِ دوعالم نے بڑے فخر سے کہا ہے کہ میں نے اور علیؑ نے سوائے خدا کے کسی کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی نے، بڑے عالم گزرے ہیں، انہوں نے بیان کیا ہے۔ آج تو حضرات انقلاب ہی انقلاب ہوتا ہوا نظر آرہا ہے ورنہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ کبھی کسی متقدم عالم نے رضی اللہ عنہ نہیں لکھا تھا۔ علی مرتضیٰ علیہ السلام کے نام کیلئے مخصوص جملہ تھا ''اُدھر'' کرم اللہ وجہہ، کہ بزرگ مرتبہ قرار دیا ہے اللہ نے علیؑ کے روئے روشن کو۔

اب رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے اور اُس جملے کو فراموش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر بہر حال قدیم سے علی مرتضیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ اُدھر یہ جملہ جزوِ لاینفک کہ علی کرم اللہ وجہہ۔ تو امام فخر الدین رازی نے اپنی تصنیفات میں اس جملے کی وجہ لکھتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ جملہ خاص علی علیہ السلام کیلئے کیوں ہے؟ یعنی یہ جملہ اور کسی کیلئے کیوں نہیں ہے؟

اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

علیؑ صرف علیؑ ہیں، وہ کہ جن کا چہرہ سوائے خدا کے کسی کے سامنے کبھی جھکا نہیں۔ جنہوں نے اللہ کے سوا کبھی کسی کو سجدہ ہی نہیں کیا ہے، اس لئے اُن کے نامِ نامی سے یہ جملہ مخصوص ہے۔ اسی بناء پر علی علیہ السلام کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے۔

النظر الی وجهه علی عبادہ.

غرضیکہ حضرات! میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ مجلس اُس ذاتِ نامی سے منسوب

ہے کہ زنانِ عالم میں جس کا کوئی ہمسر نہیں۔ سیدۃ النساء العالمین، تمام عالمین کی مستورات کی سیدہ و سردار ہیں اور اگر نازک خیالی سے آپ قدر کر سکیں تو میں ایک جملہ کہوں گا کہ سیدہؑ کے بعد نساء العالمین آتا ہے، تمام عالمین کی عورتوں کی سیدہ ہیں۔ تو کیوں جناب اس اُمت کے مردوں کی سیدہ نہیں ہیں؟

یہ نساء کی تخصیص کیا ہے؟ بات ذرا باریک سی ہے مگر میرے خیال میں میرے حساس حضرات ضرور سمجھ جائیں گے کہ آپ کی سیادت کو جو نساء کے لفظ سے منسوب کیا ہے، یہ احترام ہے سیدۂ طاہرہؑ کا۔ یعنی مقابلہ مردوں سے نہیں کیا گیا، حالانکہ وہؑ جس طرح زنانِ عالم کی سیدہ ہیں، اُسی طرح وہ مردانِ عالم کی بھی سیدہ ہیں۔ مگر مردوں کے تقابل میں سیدہ کے احترام اور اُنؑ کی شان میں فرق آتا تھا۔ اس لئے لفظِ نساء سے تقابل کیا گیا ہے۔ اور میں یہاں یہ لفظ کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ خداوند عالم نے زوجہ پر شوہر کو فضیلت عطا کی ہے اور فرمایا گیا ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. (البقرۃ:۲۲۸)

مردوں کو مستورات پر ایک قسم کی فوقیت ہے۔ ایک درجہ مردوں کا مستورات کے درجے سے بلند ہے۔ مگر ہاتھوں ہاتھ یہ جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ سیدۂ کے شوہر سے ایک ہستی بہتر بھی تو ہے۔ علیؑ سے نبی کی ذات افضل و اعلیٰ تو ہے، تو شوہر سے تو ایک ہستی افضل ہے مگر زوجہ سے کوئی ہستی افضل دکھایئے! نساء العالمین ہیں، کوئی ذات ایسی نہیں ہے جو سیدہؑ سے بہتر ہو، سیدہ سے فوقیت لئے ہوئے ہو۔

چونکہ شوہر کو قدرت نے ازواج پر ایک درجے کی فوقیت دی ہے تو یہاں

حضرات یہ مسئلہ حقیقتاً بڑا مشکل طلب ہو گیا تھا کہ بیٹی وہ ہے جو سید المرسلین کے گھر کی بیٹی ہے اور گھر کی بیٹی نہیں بلکہ سید المرسلین کی بیٹی ہے۔ اب کونسا گھر سرکارؐ کے گھر سے کائنات میں افضل ہو سکتا ہے؟ تو جو لڑکی کہوں یا دلہن کہوں، سید المرسلینؐ کے گھر میں سید المرسلین کی بیٹی ہو، اب اُس سے افضل ہونا چاہئے اُس کا شوہر۔ تو عالم میں سید المرسلینؐ کے گھر سے بہتر کس کا گھر ہو سکتا ہے اور سید المرسلین کی بیٹی سے کس کا بیٹا افضل ہو سکتا ہے؟

مگر قدرت نے شوہر کے مرتبے کی حفاظت کا اہتمام اس انداز میں کیا کہ اگر زوجہ سید المرسلینؐ کے گھر کی ہو تو پھر شوہر ایسے گھر کا ہو جو گھر رسولؐ کے گھر سے بھی برتر و اعلیٰ ہو۔ (صلوٰۃ)

کیا اچھا شعر کہا ہے کسی نے کہ:

مرتضیٰ کو خانہ زادِ ربِّ اکبر دیکھ کر
بیاہ دی بیٹی پیمبرؐ نے بڑا گھر دیکھ کر

پھر حضرات! وہی بات میں کہنا چاہتا تھا کہ ہم نے رسولؐ تم کو یتیم پا کر بہترین پناہ دی۔ یتیمی کی انتہا ہوئی ہے دادا کی وفات پر۔ تو پناہ کو بھی پناہ کی انتہا کی بنیاد پر دیکھئے۔ پناہ بھی وہ ہے جس کے بعد پھر پناہ کی ضرورت نہ رہے۔ تو آخری پناہِ پیغمبر کونسی ذات ہے سوائے جناب ابو طالب علیہ السلام کے۔ وہ اشارہ جنابِ ابو طالبؑ کی طرف ہے اور "تم کو تنگدست پا کر غنی نہیں کر دیا"، یہ اشارہ ہے جنابِ خدیجۃ الکبریٰ کی طرف۔

یہ دو محسنِ اسلام ہیں۔ ابو طالب علیہ السلام اور جنابِ خدیجہؑ۔ جان لگا دی

ہے جناب ابوطالبؑ نے اور مال اپنا نثار کر دیا ہے رسولؐ پر جناب خدیجہؑ نے۔ یہ دو ایسے محسن ہیں اسلام میں کہ جن میں ایک مرد ہے اور ایک خاتون۔ قدرت نے دونوں کو ایسا صلہ دیا، اُس محسن کو جس نے اپنی جان لگادی، علی علیہ السلام جیسا بیٹا دیا۔ خاتون جس نے اپنا مال نچھاور کر دیا، اُسے قدرت نے وہ خاتون دی جو خاتونِ جنت قرار پائیں۔ صلوٰۃ

محسن مرد کو مرد دیا اور ایسا مرد دیا جو شاہِ مرداں کہلایا اور محسن خاتون کو قدرت نے ایسی خاتون دی جو شاہِ زنان کہلائیں۔ ابوطالب علیہ السلام کو شاہِ مرداں جیسا بیٹا اور خدیجہ الکبریٰ کو شاہِ زنان جیسی بیٹی عطا کی۔ صلوٰۃ

پھر قدرت کو منظور ہوا کہ میرے یہ دونوں عطیئے یکجا ہو جائیں۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ. بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ. (الرحمٰن:۱۹تا۲۲)

بہرحال عجیب منزلت ہے خاتونِ جنت کی۔ سرکارِ مرتبت کا یہ جملہ آپ نے ہزاروں مرتبہ سنا ہو گا کہ:

لو لم یکن علیا

اگر علیؑ نہ ہوتے تو عالم میں فاطمہ زہراؑ کی ہمسری کیلئے کوئی نہ ہوتا۔ یعنی شوہری کیلئے برابری کیلئے کوئی نہ ہوتا۔ میں سوچا کرتا ہوں کہ یہ حدیث علی علیہ السلام کی فضیلت میں ہے یا فاطمہؑ کی۔ دونوں پہلو نکل رہے ہیں۔ اگر علیؑ نہ ہوتے، کوئی فاطمہؑ کا کفو نہ ہوتا۔

اگر بیٹھے بیٹھے آپ یہ سوچنے لگیں کہ سرکارؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر فاطمہؑ نہ

ہوتیں تو علیؑ کا کوئی کفو نہ تھا۔ بات یوں بن تو سکتی تھی نا! لیکن اگر یوں آتی کہ فاطمہؑ نہ ہوتیں تو علی علیہ السلام کا کوئی کفو نہ تھا۔ بات یوں ہو تو سکتی تھی مگر غلط ہی ہوتی۔ صحیح تو نہ ہوتی، کیوں؟ اس لئے کہ کفو کا مسئلہ شوہر ہونے کیلئے ہے، زوجہ ہونے کیلئے نہیں۔ زوجہ جو بھی ہو اور جیسی بھی ہو، شوہر کی شان میں اُس سے فرق نہیں آتا۔ شانِ شوہر میں کوئی فرق نہیں آتا۔ زوجہ کیلئے اس امر کی تلاش نہیں ہے کہ بالکل برابری کی ہو اور ہم شان ہو، کوئی بھی ہو! معصوم کی زوجہ اکثر غیر معصوم۔ لیکن مسئلہ اکثر دقیق وہاں ہے جہاں زوجہ معصومہ ہو۔

آپ نے توجہ کی اس بات پر؟ انبیاء کی ازواج اکثر غیر معصومہ بلکہ بات یہ ہے کہ سارے جہان کی عورتوں میں اگر ایک معصومہ تھیں بھی جنابِ مریمؑ تو اُن کے شوہر نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سرکارِ دو عالم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر، کسی کی زوجہ معصوم نہیں۔ تو غیر معصوم ازواج ہونے سے انبیاء کی شان میں کوئی فرق تو نہیں آیا۔ لیکن یہاں مشکل یہ ہے کہ خاتون معصومہ ہیں اور میں تو یہ کہوں گا کہ معصوم کہہ کہہ کر میں شرما جاتا ہوں کہ معصومہ کہوں میں اُس کو کہ جس کے خادم معصوم ہوں، جس کے دربان معصوم ہوں، جس کے گہوارہ جنبان معصوم ہوں۔ اُسے بھی اگر معصوم کہوں تو خادم بھی معصوم اور مخدومہ بھی معصوم تو بات نہیں بنتی۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ پانچ ہستیاں یا یہ چودہ ہستیاں ایسی معصوم ہیں جن پر عصمت کو ناز ہے۔ ان حضرات کی عصمت ہے عصمتوں کی انتہا۔ تمام سنی کتابوں میں آپ دیکھ لیں، الم نشرح موجود ہے۔ کئی بیبیوں کا بیان ہے یہ۔ جنابِ اُمِ ایمن کا بھی یہ بیان صاف لکھتے ہیں علمائے اہلِ سنت کہ جنابِ اُمِ ایمن بیان کرتی ہیں کہ ایک

مرتبہ خاتونِ جنت کی زیارت کیلئے درِ دولت پر پہنچی تو دروازے کو میں نے بند پایا۔ مگر روزنِ در سے جو میں نے نظر کی تو مجھے یہ پتہ چلا کہ معصومہ چکی کے پاس بیٹھی ہیں اور سوگئی ہیں مگر چکی برابر چل رہی ہے۔ ہاتھ میں آپؑ کے تسبیح ہے مگر دانے برابر جنبش میں ہیں۔ برابر میں آپؑ کے حسین علیہ السلام کا جھولا ہے، وہ برابر ہل رہا ہے جیسے کوئی ہلا رہا ہو۔

یہ تین حالتیں جب میں نے دیکھیں کہ خود سو رہی ہیں معصومہ، تسبیح کے دانوں میں گردش ہے۔ چکی برابر چل رہی ہے اور جھولا برابر ہل رہا ہے تو میں گھبرا کر رسولؐ کی خدمت میں پہنچی اور میں نے عرض کیا کہ میں تو یہ دیکھ کر آرہی ہوں سرکارؐ، یہ کیا واقعہ ہے؟

تو آپؐ نے سن کر رنجیدہ ہو کر، آبدیدہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ میری بیٹی کا روزہ تھا اور روزے کی تعب غالب آرہی تھی۔ تکان اور ضعف انتہا کو پہنچ گیا تھا لیکن اس حالت کے باوجود بچوں کیلئے آٹا پیسنے بیٹھی تھیں اور یہ چاہتی تھیں کہ ایک ہاتھ سے آسیہ گردانی کروں اور دوسرے ہاتھ سے تسبیح خوانی کرتی رہوں اور بار بار اپنے بچے کا جھولا ہلاتی رہوں۔

خداوند عالم نے انتظام کیا کہ راحت پہنچانے کیلئے اُن پر نیند کو غالب کر دیا اور جبرائیل کو حکم دیا کہ وہ آسیہ گردانی کرے، میکائیل کو حکم دیا کہ وہ تسبیح خوانی کرے، اسرافیل کو حکم دیا کہ وہ گہوارہ جنبانی کرے، فرشتے سب وہ خدمتیں بجالا رہے ہیں۔ میری بیٹی کو قدرت نے آرام پہنچانا چاہا ہے۔ صلوٰۃ

حضرات! اس بناء پر میں نے کہا کہ معصوم کہنا اُن ہستیوں کو حقیقتاً کوئی لفظ

کافی نظر نہیں آتا۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ معصوم فرشتے جن کے خادم ہیں اور فرشتوں کا ذکر چھوڑیئے، یہ وہ عصمت مآب ہیں کہ معصوم انبیاء نے انکا واسطہ دے دے کر دعائیں کی ہیں اور مرادیں پائی ہیں۔

حضرات! جہاں یہ صورتِ حال ہو کہ خاتون معصومہ ہوں۔ معصومہ کو غیر معصوم کی زوجیت میں دینا یقیناً ظلم ہے۔ لہٰذا ارشاد فرماتے ہیں سرکار کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کیلئے کوئی کفو نہ ہوتا۔

علی علیہ السلام کیلئے تو سب ٹھیک ہے۔ علیؑ کیلئے بھی ٹھیک ہے اور نبیؐ کے لئے بھی ٹھیک ہے مگر سوال کفو کا اصل میں خاتون کیلئے ہوتا ہے اور اُس خاتون کیلئے تو بڑا زبردست سوال ہوگا جو خود معصومہ ہے، طیب ہے، طاہرہ ہے، صدیقہ ہے۔

حضراتِ والا! کیا کہنا عصمت مآب ہستیوں کا۔ جناب فاطمہ زہراؑ، ایسی شان نظر آتی ہے کہ پیدا ہوئیں تو معصوم سے اور جو سیدہؑ سے پیدا ہوئے، وہ عصمت مآب۔ کیسے باپ کی بیٹی، کیسے بیٹوں کی ماں، کیسے شوہر کی زوجہ!

خداوند عالم نے ہر طرف سے انتہا کردی ہے معصومہؑ کونین پر۔ میں نے کسی مجلس میں عرض کیا تھا کہ سرکارِ دوعالم فرما رہے ہیں اپنی بیٹی سے کہ پارۂ جگر! اللہ تعالیٰ نے تجھے وہ شرف عطا کئے جو تیرے سوا کسی اور کو نہیں دیئے۔ اے پارۂ جگر! اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کائنات میں سے اپنی نظرِ انتخاب سے اپنی پوری کائنات میں سے جس ایک کو چنا، وہ تیرا باپ ہے اور اُس ایک کو چن لینے کے بعد پھر قدرت نے بقیہ کائنات میں سے جس ایک کو چنا، وہ تیرا شوہر ہے، اور اُس ایک کو چن لینے کے بعد بقیہ کائنات میں سے جن دو کو چنا، وہ تیرے فرزند ہیں۔ اے بیٹی! مہدیؑ تیرا فرزند

ہے۔ اللہ نے تجھے وہ شرف عطا کیے ہیں جو تیرے سوا کسی کو نہیں دیئے۔

بہر حال یہ تو سب کے سامنے کی بات ہے اور ہر شخص نے بیان کیا ہے کہ وہ پیغمبر جس کی تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کی جناب سے ہوتی ہو، یہ احترام ہی تو ہے آپ کے نبی کا کہ خالق نے خالق ہونے کے باوجود سرکارؐ کا نام لے کر نہیں پکارا۔

ایک معمولی سی بات ہے مگر سامنے کی ہے۔ قرآنِ مجید میں خداوند عالم نے سرکارِ دوعالم کو کہیں نام لے کر نہیں پکارا۔ یا محمد! کہیں ہے؟ حالانکہ ہر نبی کا نام لے کر پکارا ہے۔

آیات میں ذکر آتا ہے کہ آدم کو یا آدم کہہ کر پکارا اور نوح کو یا نوح کہہ کر پکارا اور ابراہیم کو یا ابراہیم کہہ کر پکارا۔ مگر جب اس نبی کو پکارا ہے تو خطاب، لقب سے کبھی اے نبی کہہ کر پکارا، کبھی یا ایھا النبی، کبھی یا رسول کہہ کر، کبھی طٰہٰ کہہ کر، کبھی یٰسین کہہ کر، کبھی یا ایھا المزمل کہہ کر، کبھی یا ایھا المدثر کہہ کر۔ یہ احترام ہے ہمارے نبی کا اُس کے خالق کی نظر میں۔ صلوٰۃ

جس کا احترام خدا کی نظر میں اتنا ہو، وہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تعظیم کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ (صلوٰۃ)

بیٹی کا احترام اور بیٹی کی تعظیم کرتے ہوئے کسی باپ کو نہیں دیکھا سوائے فاطمہ زہراؑ کے والد کے، تو حقیقت یہ ہے کہ نہ ایسا باپ کسی کا ہے اور نہ ایسے باپ کی ایسی کوئی بیٹی ہے۔

مگر آخر میں حضرات یہ جملہ کہوں گا کہ پدرِ بزرگوار کی وفات اصل میں خاتونِؑ جنت کی وفات ہے۔ سرکارؐ آخر وقت روتے ہیں اور روتے ہوئے ارشاد

فرماتے ہیں کہ میرے سامنے ایک ایسا نقشہ ہے، وہ وقت میں یاد کررہا ہوں کہ میرا سایہ فاطمہ زہراؑ کے سر سے اٹھ گیا اور اب میری بیٹی فریاد کرتی ہے اور کوئی اُس کیلئے فریاد رس نہیں۔

خاتونِ جنت کے سر سے باپ کا سایہ اٹھنا تھا، اب معصومۂ کونینؑ کا وہ جاہ و حشم، وہ درِ دولت کا وقار کیسا منقلب ہوگیا۔ زیادہ مجھ سے نہ کہلوایئے، جس دروازے پر رسولؐ آکر سلام کرتے ہوں، اب اُس دروازے پر کیا کیا آرہا ہے۔ اب اُس دروازے کا ذکر کس انداز میں کیا جائے۔ دروازہ تو وہی ہے کہ سرکارِ دوعالم آتے ہیں، صبح کی نماز ادا کرنے سے پہلے اور فرماتے ہیں کہ:

"السلامُ علیک یا اھل البیت النبوۃ معدن الرسالتہ انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیراً"۔

وہی در ہے، وہی گھر ہے، وہی سیدہؑ ہیں، لیکن وہ در بھی تو قائم نہ رکھا گیا۔ اب سیدہؑ کا حال یہ ہے کہ اپنا مرثیہ اپنی زبان سے کہتی ہوئی فرماتی ہیں:

"بابا جان! آپؐ کے بعد مجھ پر ایسی مصیبت پڑی کہ اگر دنوں پر پڑتی تو مثلِ شب کے تاریک ہوجاتے"۔

یہاں تک کہ چند روز کے بعد بیٹی باپ سے جاکر مل جاتی ہیں اور دنیائے ناپائیدار کو چھوڑ دیتی ہیں۔ یہ متفق علیہ ہے، صحیح بخاری میں بھی یہ آپ کو ملے گا کہ سیدۂ طاہرہؑ پردۂ شب میں دفن ہوئیں۔ اب کیوں پردۂ شب میں دفن ہوئیں؟ کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ پردہ داری کا عنوان تھا۔ لیکن میں اپنے ذی ہوش مجمع سے کہوں گا کہ خاتونِ جنت یہ وہی تو ہیں، مباہلے کے میدان میں بھی تو آئی تھیں، دن کا وقت تھا،

رات کا وقت تو نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ مباہلہ گھر کے اندر نہیں ہوا تھا، کھلے میدان میں ہوا تھا۔

خدا جانے کہ پردۂ شب میں دفن ہونے کا سبب کیا تھا۔ میں زیادہ اس طرف زور نہیں دینا چاہتا مگر اتنا جملہ کہوں گا کہ جب جنازہ گھر سے نکلا ہے تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک ہلکی سی شمع دے دی تھی کسی کے ہاتھ میں۔ تاریکی کی وجہ سے ایک شمع روشن کروائی تھی۔ گھر سے جنازہ نکلا تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ پانچ برس کی بچی.........

حضرات! یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ معصومۂ کونینؑ کے سر سے جب ماں کا سایہ اٹھا تھا تو اُنؑ کی عمر بھی پانچ ہی سال کی تھی اور زینبؑ کے سر سے جب ماں کا سایہ اُٹھا ہے تو زینبؑ کبریٰ کی عمر بھی اُس وقت پانچ ہی سال تھی۔

پانچ سال کی بچی ماں کے جنازے کے ساتھ ساتھ گھر سے باہر نکل آئی۔ بیٹی کو دیکھنا تھا، مولاؑ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شمع کو گل کر دیا اور بیٹی کو دولت سرا میں پہنچایا۔ "بیٹی باہر نہ نکلو"۔ میں کہوں گا کہ یا علیؑ! فریاد ہے اس وقت پانچ برس کا سن تھا اور ظاہر ہے کہ وہ بچی اُس وقت بھی بے ردا تو نہیں تھی۔ یا علیؑ! فریاد ہے کہ وہی ثانی زہراؑ حسین علیہ السلام کے بعد اس عالم میں ہیں کہ سر پہ ردا نہیں، بلوائیوں کا ہجوم ہے، کوفے کا بازار ہے، شام کا بازار ہے، ابن زیاد کا دربار ہے، یزید کا دربار ہے......

الا لعنة الله علی القوم الظالمین.

دسویں

مجلس

عیدِ مباہلہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ.

''اے ایمان والو! اللہ کے غضب سے ڈرو اور صادقین کی پیروی کرو''۔(توبہ:۱۱۹)۔

کیا کہنا اُن نفوسِ پاکیزہ کا کہ جن کی صداقت پر قرآنِ کریم نہیں بلکہ پروردگارِ عالم مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔

حضراتِ والا! یہ نکتہ بھی عجیب ہے کہ اگرچہ جتنے بھی انبیاء آئے، صداقت سے موصوف ہو کر آئے۔ صداقت کی تعلیم کیلئے آئے۔ مگر خداوندِ عالم نے اپنی کتاب آخر میں لفظِ صداقت کے ساتھ اگر ذکر کیا ہے تو صرف پانچ ہستیوں کا کیا ہے۔ امت سابقہ کا یہ ذکر ہے۔ تو جناب آدم علیہ السلام سے لے کر جناب عیسیٰ بن مریم تک ہر ایک نبی برگزیدہ ہے۔ مگر اس تمام فہرست میں سے خداوند عالم نے اپنی کتاب پاک میں لفظِ صداقت کے ساتھ جن افراد کا ذکر کیا ہے، وہ صرف پانچ ہیں۔

۱۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا. (مریم:۴۱)

۲. وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِسْمَاعِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَکَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا. (مریم:۵۴)

۳. وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِدْرِیْسَ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا. (مریم:۵۶)

۴. یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ. (یوسف:۴۶)

چار یہ نام ہیں صنفِ مرداں سے کہ جن کے نام کے ساتھ وصفِ صداقت کو قدرت نے منظم قرار دیا ہے۔ پانچویں اگر کوئی ہستی ہے تو وہ ایک خاتون کی ہستی ہے۔

جنابِ مریم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ. (المائدہ:۷۵)

"عیسیٰ کی ماں صدیقہ ہیں"۔

ہزاروں برس کے زمانہ میں پانچ ہستیوں کی صداقت کا ذکر خاص طور پر قرآنِ کریم نے کیا۔ چار مرد ہیں، اُن میں ایک خاتون ہیں۔ اب یہ پانچ ایسے مقتدر ایک صدی میں بھی نہیں۔ مختلف زمانوں میں ہیں، مختلف دیار میں ہیں، مختلف انصاب میں ہیں۔ کوئی کبھی آیا، کوئی کبھی آیا۔ یہ پانچ بیک وقت نہیں، یکجا نہیں، خداوند عالم کی رحمت دیکھئے صورتِ آخر میں۔

ہمارے لئے قدرت نے پانچ صادقین اُس ترتیب سے، یعنی اُسی انداز سے کہ چار مرد ہیں، ایک خاتون ہیں۔

وہ چار وہ ہیں جن میں سے ہر ایک فخرِ ابراہیمؑ ہے، فخرِ اسماعیل ہے، فخرِ ادریس ہے، فخرِ یوسف ہے اور ایک وہ خاتون جو افتخارِ مریم ہیں۔ (صلوٰۃ)

یہ پانچ صادقین قدرت نے بیک وقت اس امت کو دیئے۔ ایک زمانے میں، ایک گھر میں اور حد یہ ہے کہ ایک چادر میں۔ یہ وہ پانچ ہیں کہ اعلانِ قدرت ہے، بیانِ قدرت ہے کہ:

یا ملائکتی و سکان سمٰوٰتی وعزتی وجلالی.

"اے میرے ملائکہ! اے میرے آسمانوں کے رہنے والو! مجھے قسم ہے اپنی عزت کی، اپنی جلالت کی"۔

انی ما خلقت سماء مبنية ولا ارضا مدحية ولا قمرا منيرا ولا شمسا مضيئة ولا فلكا يدور ولا بحرا يجری ولا فلكا تسری..... الا فی محبة هؤلاء الخمسة الذين هم تحت الكساء.

"سن لو میرے ملائکہ! نہیں پیدا کیا میں نے آسمانِ محکم کو، نہیں بچھایا میں نے فرشِ زمیں کو، نہیں پیدا کیا میں نے ماہِ تاباں اور آفتابِ درخشاں کو، گھومتے ہوئے افلاک کو، چلتے ہوئے دریاؤں کو، اُن میں بہتی ہوئی کشتیوں کو، مگر ان پانچ کی محبت میں جو اس وقت ایک چادر میں ہیں"۔ (صلوٰۃ)

ایک وہ دن ہے کہ یہ پانچوں ایک چادر میں ہیں اور ایک یہ آج کا دن ہے (عیدِ مباہلہ) یہ پانچوں ایک چادر پر ہیں۔ وہی پانچ ہیں آیۂ تطہیر والے، وہی پانچ ہیں آیۂ مباہلہ والے۔

میں بیان کر رہا تھا کہ کئی آیات تھیں قرآنِ مجید کی کہ جو عملی تفسیر کی حاجت رکھتی تھیں۔ قولی تفسیر تو اپنی جگہ ہے مگر تفسیر کی تکمیل عمل سے ہوتی ہے۔

سرکارِ دو عالم نے مولیٰ کہا ہی نہیں ہے علی مرتضیٰ علیہ السلام کو بلکہ دکھایا بھی تو ہے۔ زبان سے بھی تبلیغ کی، ہاتھ سے بھی۔ جو زبان سے فرمایا، وہ قول ہے اور جو ہاتھ سے کیا، وہ عمل ہے۔ بہرحال قول و عمل سے ثابت کر دیا۔ اب جو نہ مانے، نہ اُس کے قول کا اعتبار، نہ اُس کے عمل کا اعتبار۔

اسی انداز پر کہنا چاہتا ہوں کہ کئی آیات تھیں قرآنِ مجید کی جو عملی تفسیر

چاہتی تھیں۔

"یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ".

"ایمان والو! غضبِ خدا سے ڈرو اور صادقین کی پیروی کرو"۔

"صادقین کی پیروی کرو"، رسولؐ نے یہ حکم تو پہنچادیا ہو اور یہ نہ بتایا ہو کہ وہ صادقین کون ہیں؟ تو الزام عمل نہ کرنے والوں پر نہ ہوگا۔ رسولؐ پر آئے گا۔ قول سے یقیناً آپؐ نے آیۂ قرآنی کی تفسیر کی یعنی یہ بتایا کہ صادقین کون ہیں۔ مگر یہ بتانا کافی نہیں جب تک کہ دکھایا نہ گیا۔

عملی تفسیر چاہتی ہے وہ مستقل آیت۔ ضرورت تھی کہ صادقین کا حوالہ دینے پر ہی اکتفا نہ ہو بلکہ انہیں پیش بھی کردیا جائے۔

جنابِ والا! صادقین کی وہ پیشکش کہاں ہوئی؟ اسی میدانِ مباہلہ میں۔ چادرِ یمانی میں بے شک پانچوں تھے مگر وہ گھر کے اندر تھے۔ وہ گھر کے اندر کی بات تھی۔ ضرورت تھی کہ پانچوں کو الم نشرح کیا جائے۔ سب کو دکھادیا جائے۔ قدرت کو یہاں تک منظور ہوا کہ پردہ نشین بھی گھر سے نکلے تاکہ اُس کی فضیلت پر پردہ نہ پڑا رہے۔ بتادیا جائے کہ یہ صادقین ہیں اور اس سلسلہ میں وہ صدیقہ طاہرہؑ باہر آئیں۔

آیت تھی قرآنِ مجید کی:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی. (الشوریٰ:۲۳)

"کہہ دو اے رسولؐ! کہ میں تم سے اپنی تبلیغِ رسالت پر کوئی اجر نہیں چاہتا سوائے محبتِ اقرباء کے"۔

ظاہر ہے کہ یہ سوال ہوا کہ وہ اقرباء کون ہیں؟ اور سبھی بیان کرتے آئے ہیں

کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار نام لئے ہیں، علیؑ ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ۔ مگر یہ قول ہی تو تھا۔ ضرورت تھی کہ تبلیغِ بالعمل ہو۔ یعنی اُن اقرباء کی جہاں نام لے کر پہچان کروائی گئی، وہاں پیش کر کے دکھا بھی تو دیا جائے۔

جنابِ والا! آیۂ مباہلہ میں اقرباء ہی کی فہرست تو ہے۔ قرابت ہی کے ساتھ تو ذکر ہو رہا ہے:

"اَبْنَاءَ نَا، نِسَاءَ نَا، اَنْفُسَنَا".

اب تو کھل گیا کہ یہ ہیں وہ اقرباء۔ آیتِ قرآنی ہے:

"اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا". (صلوٰۃ)

کون ہیں وہ حضرات جن کی کمالِ تطہیر کا اعلان ہو رہا ہے؟

بتا دیا گیا مگر دکھا بھی تو دیا جائے۔ دیکھنے والو! درِ دولت پر کھڑے ہو جاؤ۔ اب اُس گھر سے آج جس جس کو رسولؐ کے ساتھ نکلتا دیکھو، بیت سے برآمد ہوتے ہوئے جن جن افراد کو دیکھو، اب تو مانو کہ یہ اہل البیتؑ ہیں۔

غرضیکہ کتنی آیات ہیں جن کی عملی تفسیر ہو رہی ہے۔ حضرات! آج کا دن، کیسی فتحِ مبین کا دن ہے۔ ہر جگہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے شانِ یداللّٰہی دکھائی۔ ہاتھ سے کچھ کیا، شانِ یداللّٰہی نمایاں ہوئی۔ مگر آج ہاتھ نہیں بڑھانا ہے۔ آج کچھ کر کے فتح کریں، یہ نہیں ہے۔ یداللّٰہی شان دکھانا نہیں ہے، آج تو روح اللّٰہی شان دکھانا ہے۔

اگرچہ ہر مقام پر، ہر مہم میں ربانی طاقت ہی کارفرما ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپؐ

نے فرمایا ہے:

"ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسمانیہ بل بقوۃ ربانیہ".

"میں نے خیبر کا در جسمانی طاقت سے نہیں اکھاڑا بلکہ جو کچھ کیا، میں نے ربانی طاقت سے کیا"۔

تو اگرچہ ہر مہم کو سر کرنے میں ربانی طاقت مصروف کار رہی مگر پھر بھی ربانی طاقت کے ظہور کیلئے جسمانی ذریعہ ضروری تھا۔ آج خداوند عالم چاہتا ہے کہ صرف روحانی طاقت کارفرما ہو۔ جسم کا واسطہ ہی نہ ہو۔ خدا جانے کہ نصاریٰ نے کیا دیکھا؟

حضرات والا! آیت یاد آتی ہے قرآنِ مجید کی۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ:

"لَوْ اَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ وَكُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى..... بَلْ لِلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا". (الرعد:۳۱)

"یہ قرآن وہ ہے کہ اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاسکتے ہیں، زمین کی مسافت قطع کی جاسکتی ہے، اس کے ذریعے سے مُردوں سے کلام کیا جاسکتا ہے"۔

مگر پہاڑوں کی خصوصیت اس بناء پر ہے کہ تناور درخت بھی جنبش نہیں کرتے مگر تیز ہوا میں وہ بھی ہل جاتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ قرآن نے بتادیا کہ میں ہوں کہاں؟ میرا ظرف کیا ہے؟ میری جگہ کیا ہے؟ میں کس جگہ ہوں، کس کے پاس ہوں؟

لاکھ تمہارے ہاتھ میں ہوں، لاکھ تمہارے سینے پر ہوں مگر میں (قرآن) تمہارے ساتھ نہیں ہوں۔ تو آیت بتاتی ہے کہ:

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ. (العنکبوت:۴۹)

"اصل قرآن تو وہ ہے جو اُن کے سینوں میں ہے جنہیں علم دیا گیا ہے"۔

اصلِ قرآن جب اُن کے سینوں میں ہے، تو وہ ہیں اصل میں پہاڑوں کو چلا دینے والے، پہاڑوں کو چلا سکتے ہیں، قطعِ ارض کر سکتے ہیں، کلم به الموتیٰ، عمل دکھا سکتے ہیں۔

مجھے اس جملے پر یاد آیا نصاریٰ کا کہا ہوا یہ جملہ کہ ہمارے سامنے وہ انوار ہیں کہ اگر یہ پہاڑ کو اشارہ کر دیں تو پہاڑ رواں دواں ہو جائیں۔

جنابِ والا! آج وہ فتح ہوئی جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرات! کہتے ہوئے رکتا بھی ہوں اور پھر بھی کہہ رہا ہوں کہ سرکارِ رسالتؐ سے تو کئی دن سے باتیں ہو رہی تھیں نصاریٰ کی۔ من حاجک، اس لئے تو فرمایا جا رہا ہے۔ سرکارؐ کو تو بار بار دیکھا تھا انہوں نے، باتیں ہو رہی تھیں۔ سرکارؐ ان کیلئے کوئی نادیدہ ہستی تو نہیں تھے۔ خدا جانے کہ آج کیا دیکھا؟

یقیناً سرکارِؐ دوعالم کی ذات اُس نور کا جزوِ اعظم ہے مگر پھر بھی وہ ایک جزو ہے۔ اعظم ہونے کے باوجود بھی وہ ایک جزو ہے۔ جزو اور کل میں فرق ہوتا ہے۔ کل کی طاقت کچھ اور ہے۔ جزو کی طاقت کچھ اور ہے۔ وہی پانی چھوٹے ظرف میں ہے، ایک قطرہ نجاست کا گر جانے سے وہ نجس ہو جائے گا۔ وہی پانی حوض میں ہے، دریا میں ہے، گرتی رہے نجاست، وہ نجاستوں کو بھی پاک کرتا رہے گا۔

یہ فرق ہے جزو میں اور کل میں، بلکہ قلیل میں اور کثیر میں۔ آج نورِ کل، بلکہ کلِ نور نصاریٰ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ جن میں سے ہر جزو مؤثر بھی ہے اور متاثر بھی ہے۔ چمک بھی رہا ہے اور ایک دوسرے کو چمکا بھی رہا ہے۔

اب نصاریٰ کو گویا دن میں تارے نظر آ گئے۔ بہر حال سرکارِ دو عالم نے فرمایا کہ اگر آج مباہلہ ہوتا تو میں بددعا کرتا اور میرے اہلِ بیتؑ آمین کہتے۔ ان پر (نصاریٰ پر) وہ عذاب ہوتا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ آگ برستی۔ اب آپ اندازہ کریں کہ جن کے ناموں کے لے دینے سے...... دعا کرنے والوں نے ان حضراتؑ کے نام لے دیئے، شنوائی ہو گئی۔ محض انؑ کے نام زبانوں پر آ جانے سے کتنوں کے کام نکلے ہیں، حالانکہ ان حضراتؑ نے وہاں بڑھ کر خود سفارش نہیں کی۔ جب یہ پیش خدا خود آ جائیں اور خدا سے خود کچھ کہیں تو کیوں نہ وہ سریع التاثیر ہو اور انؑ کی وہ آواز کیوں نہ سریع الاجابت ہو۔

''اگر آج میں بددعا کرتا تو ان پر آگ برستی''۔ مگر حضرات! ایک بات میں کہتا چلوں کہ یہ دن، روزِ مباہلہ، تھا بڑی مشکل کا، خداوند عالم نے سرکار کو نبی رحمت قرار دیا اور فرما دیا تھا کہ:

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ''۔ (الانفال:۳۳)

''تیرے ہوتے ہوئے ہم عذاب نازل نہیں کریں گے''۔

یاد رکھیے گا میرے اس اشارے کو، ''تیرے ہوتے ہوئے میں عذاب نازل نہیں کروں گا''۔ عذاب اگر نازل نہ ہوتا آج یا نہ نازل ہوتو نبی کی صداقت میں فرق ہے۔ مباہلہ بے اثر۔ اگر مباہلہ کرنے پر اُن پر نزولِ عذاب نہیں ہوتا تو بات کیا رہی پھر؟

اگر نزولِ عذاب ہوتا ہے تو پھر یہ رحمت کے نبی کہاں رہے؟ اور خدا کا وہ وعدہ کہاں کہ:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّ بَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ".

"تیرے ہوتے ہوئے ہم عذاب نازل نہیں کریں گے"۔

قدرت نے چاہا کہ میری ہر بات صحیح رہے۔ مقلب القلوب ہے اُس کی ذات! پلٹ دیا اُس نے دلوں کو اور دکھا دیا نورِ محکم کو۔ نور کو آج ایسا آشکارہ کر دیا کہ اُس نور کو دیکھنے کے بعد نصاریٰ نے مباہلے کی ہمت ہی نہیں کی۔

مباہلہ کی ہمت نہ رہے اور ذاتِ باری کی بات بنی رہے۔ خدا کی بات بھی بنی اور جن کے دم قدم سے ہر ایک کی بات بنتی رہتی ہے، اُن کی بھی فتح مبین ہوئی۔

دعا کرتا ہوں میں خدارا! ہم گنہگاروں پر رحمت فرما۔ ہمارے بیماروں کو شفا دے۔ ہر طالب مراد کی مراد برآئے۔ ہماری ہر مشکل کو آسان فرما۔ ہمارے زندوں اور مُردوں کو بخش دے۔ انجام بخیر قرار دے، بحق محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام۔

الا لعنة اللّٰه على القوم الظالمين.

زیارتِ ناحیہ مقدسہ

ترجمہ

مولانا سید محمد جعفر زیدی شہید

تعارف زیارتِ ناحیہ مقدسہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

"اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى. اَلَّذِىْ فَلَايُرٰى وَقَرُبَ فَشَهِدَ النَّجْوٰى وَلَهُ الْحَمْدُ فِى الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهِ الْمُصْطَفٰى وَرَسُوْلِهِ الْمُرْتَضٰى وَحَبِيْبِهِ الْمُجْتَبٰى اَلَّذِىْ مَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى وَلَسَوْفَ يُعْطِيْهِ رَبُّهٗ فَيَرْضٰى وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّخَطَاءٍ وَالشَّاكِرِيْنَ فِى الشِّدَّةِ وَالرَّخَاءِ وَالصَّابِرِيْنَ فِىْ شِدَّةِ الْمَصَائِبِ وَالْاَذٰى وَالرَّاضِيْنَ بِالْقَدْرِ وَالْقَضَاءِ اَلَّذِيْنَ هُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى وَالْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى وَالصَّلٰوةُ الدَّآئِمَةُ النَّامِيَةُ الزَّاكِيَةُ عَلٰى بَقِيَّةِ اللّٰهِ وَحُجَّتِهِ الْكُبْرٰى وَكَلِمَتِهِ الْعُلْيَا وَاٰيَتِهِ الْعُظْمٰى الْمَهْدِىِّ الَّذِىْ بِبَقَآئِهٖ بَقِيَتِ الدُّنْيَا بِيُمْنِهٖ رُزِقَ الْوَرٰى بِوُجُوْدِهٖ ثَبَتَتِ الْاَرْضُ وَالسَّمَآءُ سَقَانَا اللّٰهُ بِزِيَارَتِهٖ بَعْدَ الظَّمَا وَعَجَّلَ ظُهُوْرَهٗ بَعْدَ الْخَفَا. اَمَّا بَعْدُ:

خدائے لم یزل ولم یزال کا بے حد شکر ہے کہ مومنین کرام کے سامنے زیارتِ ناحیہ مقدسہ کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کیا جارہا ہے۔ خلاق عالم اراکین بزمِ احباب اسلام پورہ، لاہور کو اجر جزیل عطا فرمائے جنہوں نے حقیر سے اس زیارت کے ترجمہ کی فرمائش کی اور اس کی کتابت وطباعت کے تمام مصارف کو اپنے ذمہ لیا۔

یہ زیارت اصل میں تحفۂ سلام اور وہ نذرِ عقیدت ہے جس کو حضرت صاحب

الامر علیہ السلام نے اپنے جدّ مظلوم، خامس آلِ عبا، حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کیا ہے اور بعنوانِ سلام اپنے جدّ مظلوم کا مرثیہ کہا ہے اور اُن کے ہولناک مصائب و آلام کا تذکرہ کر کے نوحہ کیا ہے۔ اس زیارت کی جلالتِ قدر اور عظمتِ مقام کی ضمانت کیلئے یہی بات کافی ہے کہ یہ کلمۃ اللہ الباقیہ کے کلمات ہیں:

"وَ جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهِ".

غیبتِ صغریٰ میں جن چار حضرات علمائے کرام نے نیابتِ امامؑ کے فرائض انجام دیئے ہیں اور امام علیہ السلام کے ارشاداتِ عالیہ اور احکامِ جاریہ ان کے وسیلہ سے ملتِ اہلبیت تک پہنچے ہیں، وہی حضرات اس زیارتِ عظمیٰ کیلئے ہمارے اور ہمارے امامؑ کے درمیان محکم وسیلہ ہیں۔ ہمارے جید علمائے کرام نے اس زیارت کو معتبر قرار دے کر کتبِ زیارات میں تحریر فرمایا ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے اولاً اپنی کتاب "مزارِ بحار" میں، پھر اس کے بعد اپنی کتاب "تحفۃ الزوائر" میں اس زیارت کو ان زیارتوں کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے جو آئمہ معصومین علیہم السلام سے منقول و ماثور ہیں اور تالیفِ علماء میں سے نہیں ہیں۔

علامہ مجلسیؒ مذکور نے زیارتِ ناحیہ کو سید ابن طاؤس اور شیخ محمد بن المشہدی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسیؒ نے بھی براہِ راست ابن عیاش سے اسی زیارتِ ناحیہ کی روایت کی ہے۔ جناب شیخ مفیدؒ نے بھی، جو شیخ ابو جعفر طوسی و شیخ نجاشیؒ کے اُستاد ہیں، اپنی کتاب "المزار" میں زیارتِ ناحیہ کو بیان فرمایا ہے۔ سید ابن طاؤس نے بھی اپنی کتاب "اقبال" میں زیارتِ ناحیہ کو پیش کیا ہے۔ غرضیکہ علمائے اعلام شیعہ نے اس زیارت کا موثق و معتبر ہونا تسلیم کیا ہے۔

فاضل علام جناب سید سبط الحسن صاحب ہنسوی دام مجدہٗ نے رسالہ "الجواد" بنارس مطبوعہ جنوری 1953ء میں زیارتِ ناحیہ کے موثق و معتبر ہونے پر بڑی زبردست فاضلانہ بحث کی ہے جو نہایت بیش قیمت اور قابل قدر ہے۔ خوش قسمتی سے یہ رسالہ اس

وقت پیش نظر ہے۔ تقریر نہایت مبسوط اور مفصل ہے۔ اسی کی روشنی میں یہ چند جملے جو اس مقصد کیلئے کافی ہیں، سپردِ قلم کیے گئے ہیں۔ رسالہ مذکورہ میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ اسی زیارت ناحیہ کا ترجمہ تاج العلماء مولانا سید علی محمد صاحب طاب ثراہ نے، پھر مولانا سید محمد رضا صاحب مرحوم اور مولانا سید علی محمد صاحب مرحوم نے فرمایا۔ پھر جناب مرزا دبیر و میر عشق رحمہما اللہ نے اس زیارت کا منظوم ترجمہ کیا۔

افسوس کہ یہ چیزیں پیش نظر نہ ہوسکیں۔ ترجمہ کے وقت حقیر کے سامنے صرف ایک نسخہ ہے جو ایران میں طبع ہوا ہے۔ یہ نسخہ اعرابی اور لفظی غلطیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ تاہم میں نے درستی وصحت کا حتی المقدور اہتمام کیا۔ لیکن میں کیا اور میرا مقدور کیا! پھر ترجمہ کے متعلق چاہے کتنی ہی سعی کی گئی ہو، یہ دعویٰ کہ مقصدِ امام تک رسائی ہوگئی ہے، معاذ اللہ من ذلک!

والسلام

سید محمد جعفر زیدی عفی عنہ

خطیب جامع صاحب الزمانؑ،

اسلام پورہ، لاہور۔

زیارتِ ناحیہ مقدسہ

اَلسَّلَامُ عَلٰی آدَمَ صَفْوَۃِ اللّٰہِ مِنْ خَلْقِہٖ

سلام آدمؑ پر جو برگزیدۂ خدا ہیں خلقِ خدا سے

اَلسَّلَامُ عَلٰی شِیْثٍ وَلِیِّ اللّٰہِ وَخِیَرَتِہٖ

سلام شیثؑ پر جو ولیِ خدا اور پسندیدۂ خدا ہیں

اَلسَّلَامُ عَلٰی اِدْرِیْسَ الْقَائِمِ بِحُجَّتِہٖ

سلام ادریسؑ پر جو اپنی دلیل کے ساتھ (جنت میں) مقیم ہیں

اَلسَّلَامُ عَلٰی نُوْحٍ نِ الْمُجَابِ فِیْ دَعْوَتِہٖ

سلام نوحؑ پر جن کی دعا قبول کی گئی

اَلسَّلَامُ عَلٰی ھُوْدٍ نِ الْمَمْدُوْدِ مِنَ اللّٰہِ بِمَعُوْنَتِہٖ

سلام ہودؑ پر جن کی اللہ کی طرف سے مخصوص مدد کی گئی

اَلسَّلَامُ عَلٰی صَالِحٍ نِ الَّذِیْ تَوَجَّہَہُ اللّٰہُ بِکَرَامَتِہٖ

سلام صالحؑ پر جن کو اللہ نے اپنے کرم سے ذیشان قرار دیا

اَلسَّلَامُ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ الَّذِیْ اجْتَبَاہُ اللّٰہُ بِخُلَّتِہٖ

سلام ابراہیمؑ پر جن کو اللہ نے اپنی خُلّت سے سرفراز کیا

اَلسَّلَامُ عَلٰی اِسْمٰعِیْلَ الَّذِیْ فَدَاهُ اللّٰهُ بِذِبْحٍ
سلام اسمٰعیلؑ پر جن کیلئے اللہ نے ذبح عظیم کی قرارداد کے ساتھ اپنی
عَظِیْمٍ مِنْ جَنَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی اِسْحَاقَ الَّذِیْ
جنت سے فدیہ بھیجا۔ سلام اسحاقؑ پر جن کی ذریت
جَعَلَ اللّٰهُ النُّبُوَّةَ فِیْ ذُرِّیَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی
میں اللہ نے نبوت کا سلسلہ رکھا۔ سلام یعقوبؑ
یَعْقُوْبَ الَّذِیْ رَدَّ اللّٰهُ عَلَیْهِ بَصَرَهٗ بِرَحْمَتِهٖ
پر جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دوبارہ بینائی دی
اَلسَّلَامُ عَلٰی یُوْسُفَ الَّذِیْ نَجَّاهُ اللّٰهُ مِنَ الْجُبِّ
سلام یوسفؑ پر جن کو خدا نے اپنا کرمِ عظیم فرماکر
بِعَظَمَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی مُوْسٰی الَّذِیْ فَلَقَ اللّٰهُ
کنویں سے نجات دی۔ سلام موسیٰؑ پر جن کیلئے خدا نے اپنی
الْبَحْرَ لَهٗ بِقُدْرَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی هَارُوْنَ
قدرت سے دریا کو شگافتہ کردیا۔ سلام ہارونؑ پر جن کو خدا نے اپنی
الَّذِیْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِنُبُوَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی شُعَیْبٍ
نبوت سے مخصوص قرار دیا۔ سلام شعیبؑ پر جن کو خدا
نِ الَّذِیْ نَصَرَهُ اللّٰهُ عَلٰی اُمَّتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی عَلٰی دَاوٗدَ
نے ان کی اُمت پر غالب کیا۔ سلام داؤدؑ پر جن کے

الَّذِیْ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ مِنْ خَطِیْئَتِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی سُلَیْمَانَ

ترکِ اولیٰ کو اللہ نے معاف کیا۔ سلام سلیمانؑ پر

الَّذِیْ ذَلَّتْ لَہُ الْجِنُّ بِعِزَّتِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی عَلٰی اَیُّوْبَ

جن کیلئے خدا کی دی ہوئی عزت کی بدولت قومِ جن تابع ہوگئی۔ سلام ایوبؑ

الَّذِیْ شَفَاہُ اللّٰہُ مِنْ عِلَّتِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی یُوْنُسَ

پر جن کو خدا نے ان کی بیماری سے شفا عطا کی۔ سلام یونسؑ پر خدا نے ان کے

الَّذِیْ اَنْجَزَ اللّٰہُ مَضْمُوْنَ عِدَتِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی زَکَرِیَّا

اس وعدہ کو پورا کیا جس کی انہوں نے ضمانت کی تھی۔ سلام زکریاؑ پر جو اپنی

الصَّابِرِ فِیْ مِحْنَتِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی یَحْیَ الَّذِیْ اَزْلَفَہُ

شدید آزمائش میں بھی صابر رہے۔ سلام یحییٰؑ پر جن کا مرتبہ اللہ نے

اللّٰہُ بِشَہَادَتِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی عُزَیْرِنِ الَّذِیْ اَحْیَاہُ

ان کی شہادت سے اور بڑھا دیا۔ سلام عزیزؑ پر جن کو خدا نے مرنے کے بعد

اللّٰہُ بَعْدَ مَیْتَتِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی عِیْسٰی رُوْحِ اللّٰہِ وَ

دوبارہ زندہ کیا۔ سلام عیسیٰؑ پر جو بزبانِ وحی اللہ کی روح

کَلِمَتِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَبِیْبِ اللّٰہِ وَصَفْوَتِہٖ

اور اللہ کا کلمہ ہیں۔ سلام محمد مصطفیٰؐ پر جو محبوبِ خدا اور پسندیدۂ خدا

اَلسَّلَامُ عَلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبِ الْمَخْصُوْصِ

ہیں۔ سلام امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام پر جن کو پیغمبرؐ کے بھائی

بِـاُخُوَّتِـهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰـى فَـاطِـمَةَ الـزَّهْـرَآءِ ابْنَتِـهٖ

ہونے کا مخصوص شرف دیا گیا۔ سلام فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا دختر رسولؐ پر

اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِىْ مُحَـمَّدِنِ الْحَسَنِ وَصِيِّ اَبِيْـهِ وَ

سلام ابو محمد حسن مجتبیٰ علیہ السلام پر جو اپنے والد کے وصی و جانشین ہیں

خَلِيْفَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى الْحُسَيْنِ الَّذِىْ سَمِحَتْ

سلام حسین علیہ السلام پر جنہوں نے راہِ خدا میں انتہائی زخمی ہونے

نَفْسُـهٗ بِمُهْجَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اَطَاعَ اللّٰـهَ فِىْ

کے بعد جو جان جسم میں باقی رہ گئی تھی، وہ بھی دے دی۔ اُس پر سلام جس نے

سِرِّهٖ وَعَلَانِيَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ جَعَلَ اللّٰهُ الشِّفَاءَ

مخفی اور آشکار خدا کی اطاعت کی۔ اس پر سلام جس کی خاک میں اللہ نے

فِىْ تُرْبَتِهٖ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ الْاِجَابَةُ تَحْتَ قُبَّتِهٖ

اثر شفا قرار دیا۔ سلام اس پر جس کے قُبہ کے نیچے دعائیں قبول ہوتی

اَلسَّلَامُ عَلٰـى مَـنِ الْاَئِمَّةُ مِـنْ ذُرِّيَّتِـهٖ اَلسَّلَامُ

ہیں۔ سلام اس پر جس کی ذریت سے قیامت تک امام رہیں گے۔ آخری پیغمبرؐ

عَـلٰـى بْـنِ خَـاتَـمِ الْاَنْبِيَـآءِ اَلسَّلَامُ عَلٰى بْـنِ سَيِّدِ

کے فرزند پر سلام۔ سردارِ اوصیاء (علیؑ) کے فرزند پر سلام۔

الْاَوْصِيَـاءِ اَلسَّلَامُ عَـلٰـى بْـنِ فَـاطِـمَةَ الزَّهْـرَآءِ

سلام فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند پر

اَلسَّلَامُ عَلٰی بْنِ خَدِیْجَةَ الْکُبْرٰیٰ اَلسَّلَامُ عَلٰی
سلام خدیجہؑ بزرگ مرتبہ کے فرزند پر سلام
بْنِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی اَلسَّلَامُ عَلٰی بْنِ جَنَّةِ الْمَاوٰی
سدرۃ المنتہٰی کے وارث پر سلام۔ جنت جیسی پناہ گاہ کے وارث
اَلسَّلَامُ عَلٰی بْنِ زَمْزَمَ وَصَفَا اَلسَّلَامُ عَلٰی الْمُرَمَّلِ
پر سلام۔ زمزم و صفا کے وارث پر سلام۔ خاک و خون میں غلطاں
بِالدِّمَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَهْتُوْکِ الْخِبَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰی
پر سلام۔ سلام اُس پر جس کا خیمہ پھاڑ ڈالا گیا۔ چادرِ تطہیر والوں کی
خَامِسِ اَصْحَابِ الْکِسَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰی غَرِیْبِ الْغُرَبَاءِ
پانچویں فرد پر سلام۔ مسافروں میں سب سے زیادہ بیکس مسافر پر
اَلسَّلَامُ عَلٰی شَهِیْدِ الشُّهَدَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰی قَتِیْلِ
سلام۔ شہیدوں میں سب سے زیادہ پُردرد شہید پر سلام۔ اس پر سلام جس
الْاَدْعِیَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰی سَاکِنِ کَرْبَلَاءِ اَلسَّلَامُ
کو مجہول النسب لوگوں نے قتل کیا۔ ساکن ارضِ کربلا پر سلام
عَلٰی مَنْ بَکَتْهُ مَلٰئِکَةُ السَّمَاءِ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنْ
اُس پر سلام جس کو آسمان کے فرشتے روئے۔ اُس پر سلام
ذُرِّیَّتُهُ الْاَزْکِیَاءُ اَلسَّلَامُ عَلٰی یَعْسُوْبِ الدِّیْنِ
جس کی نسل سے آئمہؑ اطہار ہیں۔ سلام دین کے سردار پر

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنَازِلِ الْبَرَاهِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلٰی

سلام ان (آئمہ) پر جو حق کی منزلیں ہیں۔ سلام ان آئمہ

الْاَئِمَّةِ السَّادَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَی الْجُیُوْبِ الْمُضَرَّجَاتِ

پر جو پیشوائے ملت ہیں۔ ان گریبانوں پر سلام جو خون میں بھرے

اَلسَّلَامُ عَلَی الشِّفَاهِ الذَّابِلَاتِ اَلسَّلَامُ

ہوئے تھے۔ ان ہونٹوں پر سلام جو پیاس سے سوکھے ہوئے تھے

عَلَی النُّفُوْسِ الْمُصْطَلَمَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَی الْاَرْوَاحِ

سلام اُن پر جو ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔ سلام اُن پر جن کو قتل کے بعد فوراً

الْمُخْتَلَسَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَی الدِّمَآءِ السَّائِلَاتِ اَلسَّلَامُ

لوٹ لیا گیا۔ ارضِ کربلا پر بہنے والے خون پر سلام۔ جسموں سے جدا کر دیئے

عَلَی الْاَعْضَاءِ الْمُقَطَّعَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَی الرُّءُوْسِ

جانے والے اعضاء پر سلام۔ نیزوں پر

الْمُشَالَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَی النِّسْوَةِ الْبَارِزَاتِ اَلسَّلَامُ

اُٹھائے جانے والے سروں پر سلام۔ بے ردا ہونے والی مستورات پر سلام

عَلٰی حُجَّةِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی

حجتِ پروردگارِ عالم پر سلام۔ آپؑ پر سلام اور آپؑ کے پاکیزہ آباء و

اٰبَائِکَ الطَّاهِرِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی اَبْنَائِکَ

اجداد پر سلام۔ آپؑ پر سلام اور آپؑ کے شہید ہونے والے فرزندوں

اَلْمُسْتَشْهَدِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى ذُرِّيَّتِكَ

پر سلام۔ آپؑ پر سلام اور حمایتِ حق کرنے والی آپؑ کی ذریت پر سلام

النَّاصِرِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

اور آپؑ کے پہلو میں رہنے والے فرشتوں پر سلام

الْمُضَاجِعِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَى الْقَتِيْلِ الْمَظْلُوْمِ اَلسَّلَامُ

سلام ظلم و ستم سے قتل کیے جانے والے پر اور ان کے بھائی

عَلٰى اَخِيْهِ الْمَسْمُوْمِ اَلسَّلَامُ عَلٰى عَلِيِّ نِ الْكَبِيْرِ

(حسنؑ) پر جن کو زہر دیا گیا۔ سلام جنابِ علی اکبرؑ پر

اَلسَّلَامُ عَلَى الرَّضِيْعِ الصَّغِيْرِ اَلسَّلَامُ عَلٰى

سلام کم سن شیرخوار پر۔ سلام ان

الْاَبْدَانِ السَّلِيْبَةِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْعِتْرَةِ الْقَرِيْبَةِ

جسموں پر جن کو (بعدِ شہادت) لوٹا گیا۔ سلام نبی کی قریب ترین ذریت پر۔

اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُجَدَّلِيْنَ فِى الْفَلَوَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَى

سلام اُن لاشوں پر جن کو بیابان میں پڑا چھوڑ دیا گیا۔ سلام ان

النَّازِحِيْنَ عَنِ الْاَوْطَانِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمَدْفُوْنِيْنَ

مسافروں پر جو اپنے وطن سے دور تھے۔ سلام بے کفن دفن کیے جانے

بِلَا اَكْفَانٍ اَلسَّلَامُ عَلَى الرُّءُوْسِ الْمُفَرَّقَةِ عَنِ

والوں پر۔ سلام ان سروں پر جن کو جسموں سے جدا کر دیا گیا۔

اَلْاَبْدَانِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُحْتَسِبِ الصَّابِرِ اَلسَّلَامُ

راہِ خدا میں اذیت اُٹھانے والے صابر پر سلام۔ عالمِ بیکسی میں ظلم کے

عَلَى الْمَظْلُوْمِ بِلَانَاصِرٍ اَلسَّلَامُ عَلٰى سَاكِنِ التُّرْبَةِ

جانے والے پر سلام۔ خاکِ پاک پر رہنے والے پر سلام۔

الزَّاكِيَةِ اَلسَّلَامُ عَلٰى صَاحِبِ الْقُبَّةِ السَّامِيَةِ

قبہ بلند رکھنے والے پر سلام۔ اُس پر سلام

اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ طَهَّرَهُ الْجَلِيْلُ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ

جس کو خدائے بزرگ نے پاک و پاکیزہ قرار دیا۔ اُس پر سلام جس پر

افْتَخَرَ بِهٖ جِبْرَئِيْلُ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ نَاغَاهُ فِى

جبرئیلؑ نے فخر کیا۔ اُس پر سلام جس کو گہوارہ میں میکائیل نے

الْمَهْدِ مِيْكَائِيْلُ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ نُكِثَتْ ذِمَّتُهٗ

لوریاں دیں۔ اُس پر سلام جس کے بارے میں عہدوپیمان توڑ دیا گیا

اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ هُتِكَتْ حُرْمَتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ

اُس پر سلام جس کی حرمت کو ضائع کیا گیا۔ اُس پر سلام

اُرِيْقَ بِالظُّلْمِ دَمُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُغَسَّلِ بِدَمِ

جس کا خون ظلم سے بہایا گیا۔ اُس پر سلام جن کو زخموں سے بہنے والے

الْجِرَاحِ اَلسَّلَامُ عَلَى الْمُجَرَّعِ بِكَاسَاتِ الرِّمَاحِ

خون میں نہلا دیا گیا۔ اُس پر سلام جسے نیزوں کے گھونٹ پلائے گئے

اَلسَّلَامُ عَلَی الْمُضَامِ الْمُسْتَبَاحِ اَلسَّلَامُ عَلَی الْمَنْحُوْرِ

اُس پر سلام جس پر ہر ظلم و ستم روا رکھا گیا۔ اُس پر سلام کو ہر طرف

الْوَرٰی اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنْ دَفَنَهُ اَهْلُ الْقُرٰی

سے نیزے لگائے جاتے تھے۔ اُس پر سلام جس کو (گرد و نواح) کے گاؤں

اَلسَّلَامُ عَلَی الْمَقْطُوْعِ الْوَتِيْنِ اَلسَّلَامُ عَلَی الْمُحَامِيْ

والوں نے دفن کیا۔ اُس پر سلام جس کی شہ رگ کو (بیدردی سے) کاٹا گیا

بِلَا مُعِيْنٍ اَلسَّلَامُ عَلَی الشَّيْبِ الْخَضِيْبِ اَلسَّلَامُ

اُس پر سلام جو یکہ و تنہا دشمنوں کی یلغار کو ہٹا رہا تھا۔ اُس ریش اقدس پر سلام

عَلَی الْخَدِّ التَّرِيْبِ اَلسَّلَامُ عَلَی الْبَدَنِ السَّلِيْبِ

جو خون سے سرخ تھی۔ اُس رخسار پر سلام جو خاک آلود تھا۔ اُس بدن پر سلام جو

اَلسَّلَامُ عَلَی الثَّغْرِ الْمَقْرُوْعِ بِالْقَضِيْبِ اَلسَّلَامُ عَلَی

غبار آلود تھا۔ اُن دانتوں پر سلام جن پر ظلم کی چھڑی چل رہی تھی۔ اُس سر پر

الرَّاْسِ الْمَرْفُوْعِ اَلسَّلَامُ عَلَی الْاَجْسَامِ الْعَارِيَةِ فِي

سلام جو نیزہ پر اٹھایا گیا۔ ان جسموں پر سلام جو لباسِ خاکِ شفاء میں ملبوس تھے

الْفَلَوَاتِ تَنْهَشُهَا الذِّئَابُ الْعَادِيَاتُ وَتَخْتَلِفُ

جن کو ستمگارانِ اُمت بھیڑیوں کی طرح دوڑ دوڑ کر جھنجھوڑ رہے تھے اور کاٹ کھانے

اِلَيْهَا السِّبَاعُ الضَّارِيَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَوْلَايَ

والے درندے بن کر (پامالی اور لوٹ کھسوٹ کیلئے) منڈلا رہے تھے۔ میرے

وَعَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُرَفْرِفِيْنَ حَوْلَ قُبَّتِكَ

مولا آپؑ پر سلام اور آپؑ کے قبہ کے گرد جمع رہنے والے فرشتوں پر سلام جو آپؑ

الْحَافِّيْنَ بِتُرْبَتِكَ الطَّائِفِيْنَ بِعَرْصَتِكَ الْوَارِدِيْنَ

کی تربت کو گھیرے رہتے ہیں اور آپؑ کے صحن اقدس کا طواف کرتے ہیں اور

لِزِيَارَتِكَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ فَاِنِّىْ قَصَدْتُ

آپؑ کی زیارت کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔ آپؑ پر سلام میں نے آپؑ کی جانب

اِلَيْكَ وَرَجَوْتُ الْفَوْزَ لَدَيْكَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ

رُخ کیا ہے اور آپؑ کی بارگاہ سے کامیابی کا اُمیدوار ہوں۔ آپؑ پر سلام آپؑ کی

سَلَامَ الْعَارِفِ بِحُرْمَتِكَ الْمُخْلِصِ فِىْ وَلَايَتِكَ

حرمت کو پہچاننے والے کا سلام آپؑ سے خالص محبت رکھنے والے کا سلام آپ

الْمُتَقَرِّبِ اِلَى اللّٰهِ بِمَحَبَّتِكَ الْبَرِىْٓءِ مِنْ اَعْدَآئِكَ

کی محبت کے ذریعہ قربِ خدا حاصل کرنے والے کا سلام اُس کا سلام جو آپؑ

سَلَامَ مَنْ قَلْبُهٗ مَقْرُوْحٌ دَمْعُهٗ عِنْدَ ذِكْرِكَ

کے دشمنوں سے بیزار ہے اُسکا سلام جس کا دل آپؑ کے غم سے زخمی ہے اور آپؑ

مَسْفُوْحٌ سَلَامَ الْمَفْجُوْعِ الْحَزِيْنِ الْوَالِهِ الْمُسْتَكِيْنِ

کے ذکر کے وقت اُسکی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے ہیں جو آپؑ کے مصائب

سَلَامَ مَنْ لَوْ كَانَ مَعَكَ بِالطُّفُوْفِ رَمٰى بِنَفْسِهٖ

سے نہایت دردمند غمگین ملول اور بے حال ہے اُسکا سلام جو طفِ کربلا میں اگر آپؑ

حَدَّ السُّيُوفِ وَبَذَلَ حَشَاشَتَهُ دُونَكَ لِلْحُتُوفِ وَ

کے ساتھ ہوتا تو تلواروں کی باڑھ پر اپنی جان کو ڈال دیتا اور آمادہ موت ہو کر اپنے

جَاهَدَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَنَصَرَكَ عَلَى مَنْ بَغَى عَلَيْكَ

خون کا آخری قطرہ آپ پر نثار کر دیتا اور باغیوں کے مقابلہ میں آپ کے سامنے

وَفَدَاكَ بِرُوحِهِ وَجَسَدِهِ وَمَالِهِ وَوُلْدِهِ وَرُوحُهُ

جہاد کر کے آپ کی نصرت کرتا اور اپنی روح اپنا جسم اپنا مال اور اپنی اولاد سب

لِرُوحِكَ فِدَاءٌ وَاَهْلُهُ لِاَهْلِكَ وِقَاءٌ فَلَئِنْ اَخَّرَتْنِي

کچھ آپ پر فدا کر دیتا اس کی روح آپ کی روح پر نثار ہوتی اور اس کے اہل آپ کے

الدُّهُورُ وَعَاقَتْنِي عَنْ نَصْرِكَ الْمَقْدُورُ وَلَمْ

اہل پر فدا ہوتے اب جبکہ زمانہ نے مجھے موخر کر دیا اور اس وقت موجود نہ ہو نیکی

اَكُنْ لِمَنْ حَارَبَكَ مُحَارِبًا وَلِمَنْ نَصَبَ لَكَ

وجہ سے میرے مقدر نے مجھے آپ کی نصرت سے روک دیا اور آپ سے لڑنے والوں

الْعَدَاوَةَ مُنَاصِبًا فَلَاَنْدُبَنَّكَ صَبَاحًا وَمَسَاءً

سے میں نہ لڑ سکا اور آپ کے دشمنوں کے مقابلہ کیلئے میدان میں آکر کھڑا نہ ہو سکا

وَلَاَبْكِيَنَّ لَكَ بَدَلَ الدُّمُوعِ دِمَاءً حَسْرَةً عَلَيْكَ

تو صبح وشام بیقراری سے آپ کے غم میں رویا کرونگا اور خون کا بدلہ آنکھوں سے

وَتَاَسُّفًا عَلَى مَا دَهَاكَ وَتَلَهُّفًا حَتّٰى اَمُوتَ بِلَوْعَةِ

آنسو بہاؤں گا۔ یہ آپ کا غم یہ آپ کے مصائب رنج وملال اور آہ پُر درد کبھی

الْـمُـصَـابِ وَغُـصَّـةِ الْاِكْـتِـسَـابِ اَشْهَـدُ اَنَّـكَ قَـدْ

جانیوالی نہیں۔ اسی سوزشِ غم اسی رنج و ملال کو ساتھ لیکر دنیا سے اُٹھ جاؤنگا۔ مولا

اَقَـمْـتَ الـصَّـلٰوةَ وَآتَيْتَ الزَّكٰوةَ وَاَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کو قائم کیا، بڑی زبردست زکوۃ دی، نیکیوں کا حکم دیا

وَنَهَيْـتَ عَنِ الْـمُـنْـكَـرِ وَالْـعُـدْوَانِ وَاَطَعْـتَ اللّٰـهَ

بُرائیوں اور سرکشی سے روکا آپ نے خدا کی اطاعت کی کبھی اُس کی نافرمانی نہیں کی

وَمَـا عَـصَـيْـتَـهٗ وَتَـمَـسَّـكْـتَ بِـهٖ فَـاَرْضَـيْـتَـهٗ وَخَـشَـيْـتَـهٗ

آپ نے اپنا رابطہ خدا سے قائم رکھا اور اس کو انتہائی خوش رکھا۔ آپ

وَرَاقَبْـتَـهٗ وَاسْـتَـجَـبْـتَـهٗ وَسَـنَـنْـتَ الـسُّـنَـنَ وَاَطْـفَـاتَ

ہمیشہ خدا کی نافرمانی سے ڈرے، آپ کی نظر اُسی کی طرف رہی، آپ نے ہمیشہ اس کی رضا

الْـفِـتَنَ وَدَعَـوْتَ اِلَى الرَّشَادِ وَاَوْضَحْتَ سُبُلَ الـسَّـدَادِ

کو پسند کیا آپ نے سنت خدا اور رسولؐ کو قائم کیا اور فتنوں کی آگ کو بجھایا دوسروں

وَجَـاهَـدْتَ فِـي الـلّٰـهِ حَـقَّ الْـجِـهَـادِ وَكُـنْـتَ لِلّٰـهِ طَـائِـعًـا

کو راہِ حق کی طرف بلایا اور حق کے راستوں کو اجاگر کر کے دکھایا اور خدا کی راہ میں جو جہاد

وَّلِـجَـدِّكَ مُـحَـمَّـدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ تَابِعًا وَّلِقَوْلِ

کا حق تھا اُسے پورا کر دیا آپ خدا کے مطیع رہے اور اپنے جد محمد مصطفےٰؐ کے پیرو

اَبِـيْـكَ سَـامِـعًـا وَّاِلٰـى وَصِـيَّـةِ اَخِـيْـكَ مُـسَـارِعًـا وَّ

رہے اور اپنے والد کے تابع رہے اور اپنے بھائی حسنؑ کی وصیت کو جلد پورا کیا

لِعِمَادِ الدِّیْنِ رَافِعًا وَّلِلطُّغْیَانِ قَامِعًا وَّلِلطُّغَاةِ

آپ ہیں ستونِ دین کو بلند کرنیوالے سرکشی کی بنیادوں کو کھود دینے والے اور سرکشوں

مُقَارِعًا وَّلِلْاُمَّةِ نَاصِحًا وَّفِیْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ

کے سروں کو ضرب نیزہ و شمشیر سے کچل دینے والے اُمت پیغمبر کو نصیحت کرنیوالے اور

سَابِحًا وَّلِلْفُسَّاقِ مُکَافِحًا وَّبِحُجَجِ اللّٰهِ قَائِمًا وَّ

موت کے بھنور میں پیرنے والے اور اہل فسق و فجور کا مردانہ وار مقابلہ کرنیوالے خدا کی

لِلْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ رَاحِمًا وَّلِلْحَقِّ نَاصِرًا وَّعِنْدَ

حجتوں کیساتھ قائم رہنے والے اسلام اور مسلمین کیلئے دل میں رحم رکھنے والے حق کی نصرت کرنیوالے

الْبَلَاءِ صَابِرًا وَّلِلدِّیْنِ کَالِئًا وَّعَنْ حَوْزَتِهٖ مُرَامِیًا

سخت آزمائش میں صبر کرنیوالے اور دین کی حفاظت کرنیوالے اور دین پر حملہ

تَحُوْطُ الْهُدٰی وَتَنْصُرُهٗ وَتَبْسُطُ الْعَدْلَ وَتَنْشُرُهٗ

کرنیوالوں کا منہ پھیر دینے والے آپ ہدایت کی حفاظت

وَتَنْصُرُ الدِّیْنَ وَتُظْهِرُهٗ وَتَکُفُّ الْعَابِثَ وَتَزْجُرُهٗ

اور نصرت کرتے رہے اور عدل و انصاف کی نشر و اشاعت کرتے رہے دین کی

وَتَاْخُذُ لِلدَّنِیِّ مِنَ الشَّرِیْفِ وَتُسَاوِیْ فِی الْحُکْمِ

حقارت کرنے والوں کی روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہے آپ طاقتور سے کمزور

بَیْنَ الْقَوِیِّ وَالضَّعِیْفِ کُنْتَ رَبِیْعَ الْاَیْتَامِ وَعِصْمَةَ

کا حق دلاتے تھے حکم میں طاقتور اور کمزور کو برابر رکھتے تھے آپ یتیموں کی بہار تھے مخلوق

الْاَنَامِ وَعِزَّ الْاِسْلَامِ وَمَعْدِنَ الْاَحْكَامِ وَحَلِيْفَ

کیلئے پناہ گاہ تھے اسلام کی عزت تھے آپکے پاس احکامِ الٰہی کا سرمایہ تھا آپ حاجتمندوں

الْاِنْعَامِ سَالِكًا طَرَائِقَ جَدِّكَ وَاَبِيْكَ مُشْبِهًا

کو بڑا عطیہ دینے کا عزم کیے ہوئے تھے اپنے جد اور پدر نامور کے طریقوں پر

فِي الْوَصِيَّةِ لِاَخِيْكَ وَفِيَّ الذِّمَمِ رَضِيَّ الشِّيَمِ

چلنے والے اپنے بھائی کی طرح امر خیر کی ہدایت کرنے والے اپنی ذمہ داریوں کو پورا

ظَاهِرَ الْكَرَمِ مُتَهَجِّدًا فِي الظُّلَمِ قَوِيْمَ الطَّرَائِقِ كَرِيْمَ

کرنے والے پسندیدہ خو بو رکھنے والے آپ کی سخاوت اظہر من الشمس آپ پردہ شب میں تہجد گزار

الْخَلَائِقِ عَظِيْمَ السَّوَابِقِ شَرِيْفَ النَّسَبِ مُنِيْفَ

آپ کا ہر طریقہ مضبوط اور درست آپ کی ہر عادت بزرگانہ شان کی حامل آپ کی ہر سبقت عظیم الشان

الْحَسَبِ رَفِيْعَ الرُّتَبِ كَثِيْرَ الْمَنَاقِبِ مَحْمُوْدَ الضَّرَائِبِ

آپکا نصب انتہائی بلند آپ کے کمالات انتہائی اونچے آپ کا مرتبہ بلند آپ کے فضائل بہت

جَزِيْلَ الْمَوَاهِبِ حَلِيْمٌ رَشِيْدٌ مُنِيْبٌ جَوَادٌ شَدِيْدٌ

ہی زیادہ آپ کے خصائل پسندیدہ آپ کی بخشش نہایت قیمتی آپ صاحب علم راہِ حق پر گامزن

عَلِيْمٌ اِمَامٌ شَهِيْدٌ اَوَّاهٌ مُنِيْبٌ حَبِيْبٌ مُهِيْبٌ كُنْتَ

خدا کی طرف مائل سخی عزم کے طاقتور صاحب علم امام اُمت گواہِ حقانیت ملت کیلئے دردمند خدا

لِلرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَلَدًا وَلِلْقُرْآنِ سَنَدًا

سے لو لگائے ہوئے ہر صاحب دل کیلئے محبوب خدا کے غضب سے ڈرانے والے آپ رسولؐ کے

وَلِلْاُمَّۃِ عَضُدًا وَفِی الطَّاعَۃِ مُجْتَھِدًا حَافِظًا لِلْعَھْدِ

فرزند ہیں قرآن کیلئے سند ہیں اُمت کیلئے دست و بازو ہیں طاعت خدا میں تعب اُٹھانے والے

وَالْمِیْثَاقِ نَاکِبًا عَنْ سُبُلِ الْفُسَّاقِ بَاذِلًا لِلْمَجْھُوْدِ

عہد و پیمان کی حفاظت کرنیوالے بدکاروں کے راستوں سے الگ تھلگ مصیبت

طَوِیْلَ الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ زَاھِدًا فِی الدُّنْیَا زُھْدَ الرَّاحِلِ

زدہ کو عطا کرنیوالے طولانی رکوع و سجود کرنیوالے دنیا کو اس طرح چھوڑ دیئے

عَنْھَا نَاظِرًا اِلَیْھَا بِعَیْنِ الْمُسْتَوْحِشِیْنَ عَنْھَا اٰمَالُکَ

والے جیسے دنیا سے رخصت ہونے والا دنیا سے سیر ہوتا ہے دنیا کو آپ نے ہمیشہ

عَنْھَا مَکْفُوْفَۃٌ وَھِمَّتُکَ عَنْ زِیْنَتِھَا مَصْرُوْفَۃٌ

نفرت کی نظر سے دیکھا آپ کی آرزوئیں دنیا سے ہٹی ہوئی تھیں دنیا کی آرائش سے آپ

وَاَلْحَاظُکَ عَنْ بَھْجَتِھَا مَطْرُوْفَۃٌ وَرَغْبَتُکَ فِی

کوسوں دور تھے رونق دنیا سے آپ کی نگاہیں پھری ہوئی تھیں اور دنیا جانتی ہے کہ آپکا

الْاٰخِرَۃِ مَعْرُوْفَۃٌ حَتّٰی اِذَا الْجَوْرُ مَدَّ بَاعَہٗ وَاَسْفَرَ

میلان خاطر بس آخرت کی طرف تھا جہاں تک کہ ظلم و جور جب اپنے ہاتھ بہت بڑھائے

الظُّلْمُ قِنَاعَہٗ وَدَعَی الْغَیُّ اَتْبَاعَہٗ وَاَنْتَ فِیْ حَرَمِ

اور ظلم کے چہرہ پر جو ہلکا سا پردہ تھا وہ بھی نہ رہا گمراہی نے اپنے چیلوں کو ہر طرف سے

جَدِّکَ قَاطِنٌ وَلِلظَّالِمِیْنَ مُبَایِنٌ جَلِیْسُ الْبَیْتِ

بلا لیا اس وقت آپ اپنے جد کے حرم میں مقیم تھے ظالموں سے دور تھے گوشہ نشین تھے

وَالْمِحْرَابِ مُعْتَزِلٌ عَنِ اللَّذَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ تُنْكِرُ

محراب عبادت میں محو عبادت تھے دنیا کی لذتوں اور خواہشوں سے کنارہ کش تھے اور

الْمُنْكَرَ بِقَلْبِكَ وَلِسَانِكَ عَلَى حَسْبِ طَاقَتِكَ وَ

اپنی طاقت کے مطابق اور امکان کی حد تک اپنے دل وزبان سے حرام سے بچنے کی ہدایت

اِمْكَانِكَ ثُمَّ اقْتَضَاكَ الْعِلْمُ لِلْاِنْكَارِ وَلَزِمَكَ

بھی کرتے تھے (آپ سے بیعت یزید کا مطالبہ ہوا) اور آپ کے حقیقت شناس علم

اَنْ تُجَاهِدَ الْفُجَّارَ فَسِرْتَ فِيْ اَوْلَادِكَ وَاَهَالِيْكَ

نے طے کرلیا کہ بیعت سے انکار ہو اور بیعت نہ کرنیکی وجہ سے جو لوگ قتال کریں ان فاجروں

وَشِيْعَتِكَ وَمَوَالِيْكَ وَصَدَعْتَ بِالْحَقِّ وَالْبَيِّنَةِ

سے جہاد کریں آپ اپنی اولاد اہل خاندان اپنی فرمانبردار جماعت کو لیکر چلے آپنے

وَدَعَوْتَ اِلَى اللّٰهِ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ

حق اور روشن دلائل کو واضح کردیا خلق خدا کو حکمت اور پسندیدہ موعظہ کے ساتھ خدا کی طرف

اَمَرْتَ بِاِقَامَةِ الْحُدُوْدِ وَالطَّاعَةِ لِلْمَعْبُوْدِ وَنَهَيْتَ

دعوت دی حدود شریعت کے قائم کرنے کا معبود کی فرمانبرداری کا محرمات سے بچنے سرکشی

الْخَبَائِثَ وَالطُّغْيَانَ وَوَاجَهُوْكَ بِالظُّلْمِ وَالْعُدْوَانِ

سے باز رہنے کا حکم دیا لیکن ظالموں نے ظلم وعداوت سے آپ کا مقابلہ کیا آپ نے ان کو

فَجَاهَدْتَهُمْ بَعْدَ الْاِيْعَادِ اِلَيْهِمْ وَتَاكِيْدِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ

غضب خدا سے ڈرایا اور حجت ہدایت کی مضبوطی کی جب انہوں نے آپ کے بارے میں

فَنَكَثُوا ذِمَامَكَ وَبَيْعَتَكَ وَاَسْخَطُوا رَبَّكَ وَجَدَّكَ

عہد کو توڑ دیا ہر حکم خدا کو پس پشت ڈال دیا آپ کی بیعت سے بھی پھر گئے اپنی شقاوت

وَبَدَءُوكَ بِالْحَرْبِ فَثَبَتَّ لِلطَّعْنِ وَالضَّرْبِ وَطَحَنْتَ

سے انہوں نے آپ کے خدا اور آپ کے جد امجد کو غضب ناک کیا آپ سے لڑنے کی

جُنُودَ الْفُجَّارِ وَاقْتَحَمْتَ قَسْطَلَ الْغُبَارِ مُجَادِلًا

پہل اپنی طرف سے کی تو پھر آپ بھی ضرب نیزہ وشمشیر کیلئے میدان میں آگئے اور بدکاروں

بِذِي الْفِقَارِ كَأَنَّكَ عَلِيُّ نِ الْمُخْتَارُ فَلَمَّا رَاَوْكَ

کے لشکروں کو پیس ڈالا آپ جنگ کے گہرے غبار میں دھنسے ہوئے ذوالفقار سے حیدر کرار

ثَابِتَ الْجَاشِ غَيْرَ خَائِفٍ وَلَا خَاشٍ نَصَبُوا لَكَ

کی طرح قتال کر رہے تھے اعداء نے جب آپ کو دل کا مضبوط اور بے خوف و ہراس

غَوَائِلَ مَكْرِهِمْ وَقَاتَلُوكَ بِكَيْدِهِمْ وَشَرِّهِمْ وَاَمَرَ اللَّعِيْنُ

دیکھا تو آپ کیلئے اپنے مکر کے جال بچھانے لگے اور اپنی مخصوص سفیانی چالاکی

جُنُودَهُ فَمَنَعُوكَ الْمَاءَ وَوُرُودَهُ نَاجَزُوكَ الْقِتَالَ

اور شرارت کے ساتھ آپ سے قتال کرنے لگے ملعون عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حکم

وَعَاجَلُوكَ النِّزَالَ وَرَشَقُوكَ بِالسِّهَامِ وَالنِّبَالِ وَ

دیدیا کہ حسینؑ پانی تک نہ پہنچ سکیں سب لوگ تیزی سے آپ سے قتال کرنے لگے

بَسَطُوا اِلَيْكَ اَكُفَّ الْاِصْطِلَامِ وَلَمْ يَرْعَوْا لَكَ ذِمَامًا

پے در پے حملے ہونے لگے آپکو تیروں سے چھلنی کر دیا سب نے ظلم کے ہاتھ آپکی طرف

وَلَا رَاقَبُوا فِیکَ آثَامَهُمْ فِی قَتْلِهِمْ اَوْلِیَائَکَ وَ

بڑھادیئے نہ انہوں نے آپ کے بارے میں اپنی ذمہ داری کو دیکھا نہ آپؑ کو اور آپؑ کے

نَهْبِهِمْ رِحَالَکَ وَاَنْتَ مُقَدَّمٌ فِی الْهَبَوَاتِ وَ

ساتھیوں کو قتل کرنے میں اور آپؑ کے سامان کو لوٹنے میں وہ کتنے زبردست گناہ کے مرتکب

مُحْتَمِلٌ لِلْاَذِیَّاتِ قَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِکَ مَلٰئِکَةُ

ہو گئے آپؑ غبار جنگ میں دھنسے ہوئے ہر ایک اذیت اُٹھا رہے تھے آپؑ کا صبر دیکھ

السَّمٰوَاتِ فَاَحْدَقُوْابِکَ مِنْ کُلِّ الْجِهَاتِ وَ

کر تو ملائکہ بھی تعجب کر رہے تھے ظالموں نے ہر طرف سے آپؑ کو گھیر لیا اور زخم پر زخم

اَثْخَنُوْکَ بِالْجِرَاحِ وَحَالُوْا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الرَّوَاحِ

پہنچا کر آپؑ کو مضمحل کر دیا دم لینے کی مہلت نہ دی کوئی آپکا مددگار نہ رہا بیکسی کے عالم

وَلَمْ یَبْقَ لَکَ نَاصِرٌ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ تَذُبُّ

میں انتہائی صبر وضبط کیساتھ آپؑ اپنی مستورات اور بچوں کی طرف سے ہجوم اشقیاء کو ہٹا

عَنْ نِسْوَتِکَ وَاَوْلَادِکَ حَتّٰی نَکَسُوْکَ عَنْ جَوَادِکَ

رہے تھے یہاں تک کہ انہوں نے آپؑ کو گھوڑے سے گرا دیا آپؑ زخموں سے چور ہو کر زمین پر

فَهَوَیْتَ اِلَی الْاَرْضِ جَرِیْحًا تَطَاکَ الْخُیُوْلُ

گرے لشکر کے گھوڑے اپنے سموں سے آپؑ کو کچل رہے تھے اور سرکش ستمگر اپنی تلواریں

بِحَوَافِرِهَا وَتَعْلُوْکَ الطُّغَاةُ بِبَوَاتِرِهَا قَدْ رَشَحَ لِلْمَوْتِ

لئے آپؑ پر حملہ آور تھے موت کا پسینہ آپؑ کی پیشانی پر آیا ہوا تھا اور آپؑ کے

جَبِیْنُکَ وَاخْتَلَفَتْ بِالْاِنْقِبَاضِ وَالْاِنْبِسَاطِ شِمَالُکَ

دست و پا ادھر اُدھر سمٹتے اور پھیلتے تھے۔

وَیَمِیْنُکَ تُدِیْرُ طَرْفًا خَفِیًّا اِلٰی رَحْلِکَ وَبَیْتِکَ

آپؑ چشم نیم وا سے اپنے کنبہ اور اپنے بچوں کو دیکھ رہے تھے حالانکہ

وَقَدْ شُغِلْتَ بِنَفْسِکَ عَنْ وُلْدِکَ وَاَهَالِیْکَ وَاَسْرَعَ

اس وقت آپؑ کی اپنی حالت تو ایسی تھی کہ آپؑ کو اپنے کنبہ اور بچوں کا دھیان نہ آ سکتا

فَرَسُکَ شَارِدًا اِلٰی خِیَامِکَ قَاصِدًا مُحَمْحِمًا بَاکِیًا فَلَمَّا

تھا اسوقت آپؑ کا گھوڑا تیزی سے ہنہناتا اور روتا ہوا آپؑ کے خیام کی طرف چلا جب

رَاَیْنَ النِّسَاءُ جَوَادَکَ مَخْزِیًّا وَسَرْجَکَ عَلَیْهِ مَلْوِیًّا

اہلِ حرم نے آپؑ کے رہوار کو بے سوار دیکھا اور زین کو نیچے لٹکا ہوا دیکھا تو

بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُوْرِ نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ عَلَی الْخُدُوْدِ

بیقرار ہو کر خیموں سے نکل پڑیں اور بال بکھرائے ہوئے منہ پر طمانچے مارتے جبکہ پردہ

لَاطِمَاتٍ عَنِ الْوُجُوْهِ سَافِرَاتٍ وَ بِالْعَوِیْلِ دَاعِیَاتٍ

کا دھیان نہ تھا نوحہ وبکا کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کو وارثوں کو پکارتے ہوئے جبکہ

وَبَعْدَ الْعِزِّ مُذَلَّلَاتٍ وَاِلٰی مَصْرَعِکَ مُبَادِرَاتٍ

اپنی اس مخصوص عزت وشوکت کے بعد حقارت کی نظر سے دیکھے جا رہے تھے سب کے سب

وَالشِّمْرُ جَالِسٌ عَلٰی صَدْرِکَ وَمُوْلِغٌ سَیْفَهٗ عَلٰی

آپؑ کی قتل گاہ کی طرف تیزی سے جا رہے تھے آہ! شمر اس وقت آپؑ کے سینہ

نَحْرِکَ قَابِضٌ عَلٰی شَیْبَتِکَ بِیَدِہٖ ذَابِحٌ لَکَ

پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنا خنجر آپؑ کی گردن پر پھیر رہا تھا ریش مبارک ظالم اپنے ہاتھ

بِمُھَنَّدِہٖ قَدْ سَکَنَتْ حَوَاسُکَ وَخَفِیَتْ اَنْفَاسُکَ

میں لئے ہوئے اپنی کند تلوار سے آپؑ کو ذبح کر رہا تھا آپ کے دست و پا بے حرکت

وَرُفِعَ عَلَی الْقَنَاۃِ رَاسُکَ وَسُبِیَ اَھْلُکَ کَالْعَبِیْدِ

ہو گئے اور سانس رک گئی نیزہ پر سرِ اقدس کو اُٹھایا گیا اور اہلِ حرم کو غلاموں کی طرح

وَصُفِّدُوْا فِی الْحَدِیْدِ فَوْقَ اَقْتَابِ الْمَطِیَّاتِ تَلْفَحُ

قید کر لیا گیا اور آہنی زنجیروں میں جکڑ کر اونٹوں پر بٹھا دیا گیا دن کی گرمی

وُجُوْھَھُمْ حَرُّ الْھَاجِرَاتِ یُسَاقُوْنَ فِی الْبَرَارِیْ

اُن کے چہروں کو جھلسا رہی تھی اور وہ غریب بیابانوں اور جنگلوں میں پھرائے جا رہے

وَالْفَلَوَاتِ اَیْدِیْھِمْ مَغْلُوْلَۃٌ اِلَی الْاَعْنَاقِ یُطَافُ

تھے ہاتھ ان کی گردنوں سے بندھے ہوئے تھے اور بازاروں میں ان کو پھرایا جا رہا تھا

بِھِمْ فِی الْاَسْوَاقِ فَالْوَیْلُ لِلْعُصَاۃِ الْفُسَّاقِ لَقَدْ

وائے ہو ان نافرمانوں فاسقوں پر جنہوں نے آپؑ کو قتل کر کے اسلام کو تباہ کر دیا

قَتَلُوْا بِقَتْلِکَ الْاِسْلَامَ وَعَطَّلُوا الصَّلٰوۃَ وَالصِّیَامَ

نمازوں کو اور روزوں کو معطل کر دیا۔

وَنَقَضُوا السُّنَنَ وَالْاَحْکَامَ وَھَدَمُوْا قَوَاعِدَ الْاِیْمَانِ

شریعت کے چمن کو اور احکام کو توڑ دیا ایمان کی عمارت کو ڈھا دیا اور قرآن کی

وَحَرَّفُوا اٰيَاتِ الْقُرْآنِ وَهَمَجُوا فِي الْبَغْيِ وَالْعُدْوَانِ
آیتوں کو جلا دیا اور بغاوت وسرکشی میں دھنسے چلے گئے آپ کے قتل سے رسولؐ

لَقَدْ اَصْبَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
اللہ مظلوم قرار پا گئے مظلوم بھی ایسے کہ اپنے بچے کے خون کا بدلہ نہ لے سکے آپ

مِنْ اَجْلِكَ مَوْتُورًا وَعَادَ كِتَابُ اللّٰهِ مَهْجُورًا وَغُودِرَ
کے قتل سے کتاب خدا پر لاوارثی چھا گئی آپ کے ستائے جانے سے اصل میں حق

الْحَقُّ اِذْ قُهِرْتَ مَقْهُورًا وَفُقِدَ لِفَقْدِكَ التَّكْبِيرُ
ستایا گیا آپ کے نہ ہونے سے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کی آوازوں میں کوئی روح نہ

وَالتَّهْلِيلُ وَالتَّحْرِيمُ وَالتَّحْلِيلُ وَالتَّنْزِيلُ وَالتَّاوِيلُ
رہی حرام وحلال کا امتیاز قرآن اور قرآن کے معنی کا تعین سب ضائع ہو گیا آپ

وَظَهَرَ بَعْدَكَ التَّغْيِيرُ وَالتَّبْدِيلُ وَالْاِلْحَادُ
کے بعد شریعت میں کھلی ہوئی تبدیلیاں فاسد عقیدے حدود شریعت کا تعطل نفسانی

وَالتَّعْطِيلُ وَالْاَهْوَاءُ وَالْاَضَالِيلُ وَالْفِتَنُ وَالْاَبَاطِيلُ
خواہشوں کا زور گمراہیاں فتنے اور غلط چیزوں کا ظہور ہوا غرض آپ کی سنائی سنانے والا

فَقَامَ نَاعِيكَ عِنْدَ قَبْرِ جَدِّكَ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
آپکے جد امجد کی قبر کے پاس کھڑا ہوا اور آپکی شہادت کی خبر برستے ہوئے آنسو

وَآلِهِ فَنَعَاكَ اِلَيْهِ بِالدَّمْعِ الْهَطُولِ قَائِلًا يَارَسُولَ
کیساتھ رسولؐ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنائی کہ یا رسولؐ اللہ!

اللّٰهِ قُتِلَ سِبْطُکَ وَفَتَاکَ وَاسْتُبِيحَ اَهْلُکَ وَحِمَاکَ

آپ کا فرزند آپ کا بچہ قتل کر دیا گیا اور آپ کے گھر والوں اور جاں نثاروں کو مار دیا

وَسُبِيَتْ بَعْدَکَ ذَرَارِيُکَ وَوَقَعَ الْمَحْذُوْرُ بِعِتْرَتِکَ

گیا آپ کے بعد آپ کی ذریت کو قید کیا گیا اور آپ کی ذریت و اہلِ بیت کو وہ دکھ

وَذَوِيْکَ فَانْزَعَجَ الرَّسُوْلُ وَبَکٰى قَلْبُهُ الْمَهْلُوْلُ وَعَزَّاهُ

دیئے گئے جن دکھوں سے ان کو بچانا اُمت پر فرض تھا روحِ رسول کو انتہائی

بِکَ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالْاَنْبِيَاءُ وَفُجِعَتْ بِکَ اُمُّکَ الزَّهْرَآءُ

قلق ہوا اور آنحضرتؐ کا قلبِ نازک گریاں ہوا ملائکہ اور انبیاء نے ان کو آپ کا پرسہ

وَاخْتَلَفَتْ جُنُوْدُ الْمَلٰٓئِکَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ تُعَزِّیْ آبَاکَ

دیا آپؑ کے قتل ہونے سے آپؑ کی والدہ فاطمہؑ زہرا بے تاب ہو گئیں ملائکہ مقربین کے

اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاُقِيْمَتْ لَکَ الْمَآتِمُ فِیْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ وَ

لشکر ایک کے بعد ایک اُترنے لگے جو آپؑ کے والد امیر المؤمنینؑ کو پرسہ

لَطَمَتْ عَلَيْکَ الْحُوْرُ الْعِيْنُ وَبَکَتِ السَّمَآءُ وَسُکَّانُهَا

دے رہے تھے اور اعلیٰ علیین میں آپؑ پر نوحہ و ماتم کر رہے تھے آپؑ کے غم میں حورانِ

وَالْجِنَانُ وَخُزَّانُهَا وَالْاَحْضَابُ وَاَقْطَارُهَا وَالْبِحَارُ وَ

جنت اپنا منہ پیٹ رہی تھیں آسمان اور آسمان کے باشندے آپؑ پر

حِيْتَانُهَا وَمَکَّةُ وَبُنْيَانُهَا وَالْجِنَانُ وَوِلْدَانُهَا وَالْبَيْتُ وَالْمَقَامُ

روئے جنت اور جنت کے خزینہ دار روئے پہاڑ قطار در قطار روئے دریا

وَالْمَشْعَرُ الْحَرَامُ وَالْحِلُّ وَالْاِحْرَامُ اَللّٰهُمَّ فَبِحُرْمَةِ هٰذَا

دریا کی مچھلیاں مکہ اور مکہ کی عمارتیں جنت غلمان کعبہ اور مقامِ ابراہیم مشعر الحرام اور

الْمَكَانِ الْمُنِيْفِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

حل وحرم سب ہی آپ کے غم میں گریاں ہوئے۔ خداوندا اُس بلند مرتبہ

وَّاحْشُرْنِىْ فِىْ زُمْرَتِهِمْ وَادْخِلْنِىْ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهِمْ اَللّٰهُمَّ

مقام کی حرمت کا واسطہ محمدؐ وآلِ محمد پر درود وسلام بھیج

اِنِّىْ تَوَسَّلُ اِلَيْكَ يَا اَسْرَعَ الْحَاسِبِيْنَ وَيَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ

اور مجھ کو ان کے گروہ میں محشور فرما اور ان کی سفارش سے مجھے داخلِ جنت فرما

وَيَا اَحْكَمَ الْحَاكِمِيْنَ بِمُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ رَسُوْلِكَ

اے کم وقت میں ہر ایک کا حساب کرنیوالے اے ہر بزرگ سے کہیں زیادہ بزرگ اے تمام

اِلَى الْعَالَمِيْنَ اَجْمَعِيْنَ وَبِاَخِيْهِ الْاَنْزَعِ الْبَطِيْنِ الْعَالِمِ

حاکموں سے زیادہ زورِ حکومت والے واسطہ حضرت محمدؐ کا جو تیرے آخری پیغمبرؐ اور تمام

الْمَكِيْنِ عَلِيٍّ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَبِفَاطِمَةَ سَيِّدَةِ نِسَآءِ

عالم کی طرف تیرے رسول ہیں ان کے بھائی کا واسطہ جو کشادہ پیشانی معدنِ علم وحکمت

الْعَالَمِيْنَ وَبِالْحَسَنِ الزَّكِىِّ عِصْمَةِ الْمُتَّقِيْنَ وَبِاَبِىْ

ہر علم میں راسخ ہیں یعنی امیر المومنینؑ اور فاطمہ زہرا کا واسطہ جو زنانِ عالم کی سردار ہیں حسنؑ

عَبْدِاللّٰهِ اَكْرَمِ الْمُسْتَشْهِدِيْنَ وَبِاَوْلَادِهِ الْمَقْتُوْلِيْنَ وَ

مجتبیٰؑ کا واسطہ جو پاک وپاکیزہ اور پرہیزگاروں کی پناہ گاہ ہیں اور حسینؑ کا واسطہ

بِعِتْرَتِهِ الْمَظْلُومِينَ وَبِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ زَيْنِ

جو تمام شہداء میں زیادہ بزرگ مرتبہ ہیں ان کی قتل ہونیوالی اولاد کا واسطہ ان کی مظلوم ذریت

الْعَابِدِينَ وَبِمُحَمَّدِبْنِ عَلِيٍّ قِبْلَةِ الْاَوَّبِيْنَ وَ

کا واسطہ علی بن حسین زین العابدینؑ کا واسطہ محمد بن علیؑ کا واسطہ جو عبادت گزاروں کے قبلہ ہیں

وَجَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍاَصْدَقِ الصَّادِقِيْنَ وَمُوْسَى بْنِ

اور جعفر بن محمدؑ کا واسطہ جو مجسمہ صداقت ہیں اور موسیٰ بن جعفرؑ کا واسطہ جو دلائل حق کو

جَعْفَرٍمُظْهِرِ الْبَرَاهِيْنَ وَعَلِيِّ بْنِ مُوْسَى نَاصِرِالدِّيْنَ

ظاہر کرنیوالے ہیں علی بن موسیٰؑ کا واسطہ جو دین کے مددگار ہیں اور محمد بن علیؑ کا واسطہ

وَمُحَمَّدِبْنِ عَلِيٍّ قُدْوَةِ الْمُهْتَدِيْنَ وَعَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدٍ

جو اہلِ حق کے پیشوا ہیں اور علی بن محمدؑ کا واسطہ جو زاہدوں سے کہیں زیادہ زاہد ہیں

اَزْهَدِ الزَّاهِدِيْنَ وَالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَارِثِ الْمُسْتَخْلَفِيْنَ

اور حسن بن علیؑ کا واسطہ جو آئمہ اطہار کے وارث ہیں اور اُس فرد کا واسطہ

وَالْحُجَّةِ عَلَى الْخَلْقِ اَجْمَعِيْنَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ

جو تمام خلق پر حجت ہیں محمدؐ و آلِ محمد پر درود بھیج جو صادقین ہیں

وَّآلِ مُحَمَّدِنِ الصَّادِقِيْنَ الْاَبَرِّيْنَ اٰلِ طٰهٰ وَيٰسٓ وَاَنْ

بہترین نیکیوں کے حامل جو آلِ طٰہٰ و آلِ یٰسین ہیں اور مجھے قیامت

تَجْعَلَنِيْ فِي الْقِيٰمَةِ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ الْمُطْمَئِنِّيْنَ الْفَائِزِيْنَ

میں امن پانے والوں میں سے صاحبانِ اطمینان میں سے کامیاب ہونیوالوں

الْفَرِحِیْنَ الْمُسْتَبْشِرِیْنَ اَللّٰھُمَّ اکْتُبْنِیْ فِی الْمُسْلِمِیْنَ

میں سے خوش وخرم اور بشارتِ جنت پانے والوں میں سے قرار دے۔

وَاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی

خداوندا! مجھے اپنے فرمانبرداروں میں سے قرار دے اور صالحین سے وابستہ

الْاٰخِرِیْنَ وَانْصُرْنِیْ عَلَی الْبَاغِیْنَ وَاکْفِنِیْ کَیْدَ الْحَاسِدِیْنَ

رکھ میرے بعد نیکی بھلائی سے میرا ذکر ہو جو بغاوت وسرکشی کرنیوالے ہیں ان کے

وَاصْرِفْ عَنِّیْ مَکْرَ الْمَاکِرِیْنَ وَاقْبِضْ عَنِّیْ اَیْدِیَ

مقابلہ میں مجھے فتح دے مجھے حاسدوں کے شر سے بچا بری تدبیر کرنیوالوں کی تدبیر

الظَّالِمِیْنَ وَاجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ السَّادَةِ الْمَیَامِیْنَ فِی

کا رُخ میری طرف سے پھیر دے ظالموں کو مجھ پر ظلم کرنے سے روک دے اور

اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ

مجھے اور میرے بابرکت پیشواؤں کو اعلیٰ علیین میں ایک جگہ مجتمع کر دے اے سب سے

وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ بِرَحْمَتِکَ

زیادہ رحم کرنے والے مجھے تیری رحمت سے آخرت میں انبیاء صدیقین شہداء وصالحین کی رفاقت

یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُقْسِمُ عَلَیْکَ بِنَبِیِّکَ

نصیب ہو کیونکہ ان حضرات کو تو نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے قسم دیتا ہوں میں

الْمَعْصُوْمِ وَبِحُکْمِکَ الْمَحْتُوْمِ وَنَھْیِکَ الْمَکْتُوْمِ

تجھ کو تیرے نبی معصوم کی تیرے حتمی احکام کی گناہوں سے بچنے کیلئے تیرے مقررہ ارشادات

وَبِهٰذَا الْقَبْرِ الْمَعْلُوْمِ الْمُوَسَّدِ فِيْ كَنَفِهِ الْإِمَامُ الْمَعْصُوْمُ

کی اس قبر مطہر کی جس کی زیارت کیلئے ہر طرف سے جن وانس وملک پہنچتے ہیں جس کے پہلو

الْمَقْتُوْلُ اَنْ تَكْشِفَ مَابِيْ مِنَ الْغُمُوْمِ وَتَصْرِفَ عَنِّيْ

میں امام معصوم شہید ظلم وستم آرام فرما رہے ہیں کہ میرے رنج وغم کو دور کردے میرے مقدر کی

شَرَّ الْقَدَرِ الْمَحْتُوْمِ وَتُجِيْرَنِيْ مِنَ النَّارِ ذَاتِ السَّمُوْمِ

برائی کو ہٹا دے مجھے جہنم کی آتش سے پناہ دے میرے چاروں طرف اپنی نعمتوں کا انبار

اَللّٰهُمَّ جَلِّلْنِيْ بِنِعْمَتِكَ وَرَضِّنِيْ بِقَسْمِكَ وَتَغَمَّدْنِيْ

لگا دے اور مجھے اتنا دے کہ میں خوش رہوں مجھے اپنے کرم میں چھپالے اور اپنی سزا

بِجُوْدِكَ وَكَرَمِكَ وَبَاعِدْنِيْ مِنْ مَكْرِكَ وَنِقْمَتِكَ اَللّٰهُمَّ

اور عتاب سے دور رکھ۔ خداوندا مجھے ہر لغزش سے بچا

اعْصِمْنِيْ مِنَ الزَّلَلِ وَسَدِّدْنِيْ فِي الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَافْسَحْ

میرے قول و عمل کو درست فرما مجھے عمر دراز دے اور امراض و

لِيْ فِيْ مُدَّةِ الْاَجَلِ وَاَعْفِنِيْ مِنَ الْاَوْجَاعِ وَالْعِلَلِ وَ

اسقام سے بچا اور مجھے میرے پیشواؤں کے وسیلہ سے اور اپنے وسیلہ سے

بَلِّغْنِيْ بِمَوَالِيَّ وَبِفَضْلِكَ اَفْضَلَ الْاَمَلِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ

اپنے فضل سے میری بہترین تمناؤں تک پہنچا خداوندا رحمتِ خاص نازل

عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّاقْبَلْ تَوْبَتِيْ وَارْحَمْ

فرما محمدؐ وآلِ محمد پر اور میری توبہ قبول فرما اور مجھے روتا دیکھ کر رحم فرما میرے

عَبْرَتِی اَقِلْنِی عَثْرَتِی وَنَفِّسْ کُرْبَتِی وَاغْفِرْلِی خَطِیْئَتِی

گناہ بخش دے میرے رنج وملال کو دور کر میری خطا بخش دے میری اولاد کو

وَاَصْلِحْ لِی فِی ذُرِّیَّتِی اَللّٰھُمَّ لَاتَدَعْ لِی فِی ھٰذَاالْمَشْھَدِ

نیک وصالح قرار دے۔ خداوندا اس عظیم المرتبہ شہادت گاہ اور اس بزرگ

الْمُعَظَّمِ وَالْمَحَلِّ الْمُکَرَّمِ ذَنْبًا اِلَّاغَفَرْتَہٗ وَلَاعَیْبًا

مرتبہ مقام پر حاضری کا نتیجہ یہ ہو کہ میرے ہر گناہ کو تو بخش چکا ہو میرے ہر عیب

اِلَّاسَتَرْتَہٗ وَلَاغَمًّا اِلَّاکَشَفْتَہٗ وَلَارِزْقًا اِلَّابَسَطْتَہٗ وَ

کو چھپا چکا ہو میرے ہر زخم کو تو دور کر چکا ہو میرے رزق میں تو کشائش کر چکا ہو

لَاجَاھًا اِلَّاعَمَّرْتَہٗ وَلَافَسَادًا اِلَّااَصْلَحْتَہٗ وَلَااَمَلًا

میری شان کے آباد رہنے کا حکم نافذ کر چکا ہو میرے کاموں کے بگاڑ کو درست

اِلَّابَلَّغْتَہٗ وَلَادُعَاءً اِلَّااَجَبْتَہٗ وَلَامُضَیَّقًا اِلَّافَرَّجْتَہٗ

کر چکا ہو میری ہر آرزو کو تو پورا کر چکا ہو میری ہر دعا کو قبول کر چکا ہو میری

وَلَاشَمْلًا اِلَّاجَمَعْتَہٗ وَلَااَمْرًا اِلَّااَتْمَمْتَہٗ وَلَامَالًا اِلَّا

ہر تنگی کو زائل کر چکا ہو میرے ہر انتشار کو اطمینان سے بدل چکا ہو میرے ہر کام کو مکمل

کَثَّرْتَہٗ وَلَاخُلُقًا اِلَّااَحْسَنْتَہٗ وَلَااِنْفَاقًا اِلَّااَخْلَفْتَہٗ

کر چکا ہو میرے ہر مال کو تو زیادہ کر چکا ہو اور میرے ہر صرف کے بعد اسکا

وَلَاحَالًا اِلَّاعَمَّرْتَہٗ وَلَاسُوْءً اِلَّااَصْلَحْتَہٗ وَلَاحَسُوْدًا

بدل دے کر اس کمی کو پورا کر چکا ہو میرے ہر حال کو بہتر قرار دے چکا ہو میری ہر برائی

اِلَّا قَمَعْتَہٗ وَلَا عَدُوٌّ اِلَّا اَرْدَیْتَہٗ وَلَا شَرٌّ اِلَّا کَفَیْتَہٗ وَ

کو درست کر چکا ہو میرے ہر حاسد کو تباہ کر چکا ہو میرے ہر دشمن کو ہلاک کر چکا ہو

لَا مَرَضًا اِلَّا شَفَیْتَہٗ وَلَا بَعِیْدًا اِلَّا اَدْنَیْتَہٗ وَلَا شَعْثًا

اور مجھے ہر شر سے بچا چکا ہو اور مجھے ہر بیماری سے شفا عطا کر چکا ہو اور میرے ہر ایک

اِلَّا لَمَمْتَہٗ وَلَا سُؤْلًا اِلَّا اَعْطَیْتَہٗ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ

اپنے کو جو دور ہو اُس کو قریب کر چکا ہو میری ہر پریشانی کو اطمینان سے بدل چکا ہو

خَیْرَ الْعَاجِلَةِ وَثَوَابَ الْاٰجِلَةِ اَللّٰھُمَّ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِکَ

میرا ہر سوال مجھ کو عطا کر چکا ہو میں تجھ سے اس دنیا کی بہتری اور اس جہانِ باقی کے

عَنِ الْحَرَامِ وَبِفَضْلِکَ عَنْ جَمِیْعِ الْاَنَامِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ

ثواب کا سوال کرتا ہوں مجھے وجہ حلال سے اتنا دے کہ میں حرام سے بے نیاز ہو جاؤں

اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّقَلْبًا خَاشِعًا وَّیَقِیْنًا شَافِیًا وَّعَمَلًا

اپنا فضل اس درجہ میرے شاملِ حال رکھ کہ مجھے کسی کی ضرورت نہ رہے بارِ الٰہا میں تجھے

زَاکِیًا وَّصَبْرًا جَمِیْلًا وَّاَجْرًا جَزِیْلًا اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ

اس علم کا سوال کرتا ہوں جو نفع بخش ہو اس دل کا جس میں تیرا خوف ہو اس یقین کا

شُکْرَ نِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَزِدْنِیْ اِحْسَانَکَ وَکَرَمِکَ اِلَیَّ

جو ہر شک کو دور کر دے اور اس اجر کا جو فراواں ہو مجھے توفیق دے کہ تیری نعمتوں

وَاجْعَلْ قَوْلِیْ فِی النَّاسِ مَسْمُوْعًا وَّعَمَلِیْ عِنْدَکَ مَرْفُوْعًا

کا شکر ادا کروں اور اپنا احسان و کرم مجھ پر زیادہ سے زیادہ فرما اور ایسا کر کہ سب لوگ

وَاَثَرِیْ فِی الْخَیْرَاتِ مَتْبُوْعًا وَعَدُوِّیْ مَقْمُوْعًا اَللّٰهُمَّ

میری بات کو مانیں میرا ہر عمل تیری بارگاہ میں قبولیت کی بلندی حاصل کرے نیکیوں

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدِنِ الْاَخْیَارِ فِیْ اٰنَآءِ الَّیْلِ

میں لوگ میرے نقش قدم پر چلیں اور میں ایک نمونہ بن جاؤں۔ میرے دشمن کو

وَاَطْرَافِ النَّهَارِ وَاکْفِنِیْ شَرَّ الْاَشْرَارِ وَطَهِّرْنِیْ مِنَ

برباد کردے۔ بارالٰہا رحمت خاص نازل فرما محمدؐ و آل محمدؐ پر جو تیری تمام مخلوق

الذُّنُوْبِ وَالْاَوْزَارِ وَاَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَحِلَّنِیْ دَارَ الْقَرَارِ

میں بہتر ہیں سلسلہ رحمت تیرا ان حضرات پر شب و روز جاری رہے اور شریر

وَاغْفِرْلِیْ وَلِجَمِیْعِ اِخْوَانِیْ فِیْکَ وَاَخَوَتِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ

لوگوں کے شر کے مقابلہ میں تو میری حمایت کر اور مجھے گناہوں سے پاک فرما

وَالْمُؤْمِنَاتِ بِرَحْمَتِکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ.

اور مجھ کو جہنم سے پناہ دیدے اور راحت و آرام کے مقام (جنت) میں آباد کردے اور میرے تمام دینی بھائی بہنوں، مومنین و مومنات کو، اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے، اپنے رحم و کرم سے بخش دے۔

" مولانا شہید کی تقریریں ہوں یا تحریریں، دونوں میں قدرِ مشترک آپ کا منفرد طرزِ استدلال اور سلاستِ زبان اور بیان ہے۔ استدلال اِس درجہ محکم و مستحکم کہ ہر مخالف دلیل کے لیے برہان قاطع اور ہر معترض کو قائل کر دینے والا۔ سلاستِ زبان و بیاں اس درجہ دلکش، دل پسند کہ ہر سامع اور ہر قاری کے قلب و ذہن کو مسخر کرنے کے لیے تمام تر قوتوں کی حامل "

(ہادی نقوی صاحب مدظلہٗ)

" فنِ تحریر اور فنِ تقریر دونوں ہی محمدؐ و آلِ محمدؐ کے علوم کی تبلیغ کے سلسلہ میں کام آتے رہے ہیں۔ ایسے علماء اور ادباء کم ہی نظر آئے جو بیک وقت دونوں فنون پر دسترس رکھتے ہوں۔ دورِ جدید میں علامہ علی نقی مرحوم کے بعد مولانا سیّد محمد جعفر شہید نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے مفاہیم قرآنی نہایت واضح اور تفصیلی رنگ سے آشکار کیے ہیں "

(سیّد وحید الحسن ہاشمی)

" مولانا سیّد جعفر زیدی شہید کی مجالس کا یہ مجموعہ، جو اُن کی پوتی محترمہ انجم مسعود صاحبہ نے نہایت جانفشانی اور عرق ریزی سے ترتیب دیا ہے، نہ صرف مومنین کے ذوقِ عزا کی تسکین بلکہ علماء و خطباء کے ذوقِ خطابت کی تربیت کا نہایت عمدہ سامان ہے "

(سیّد نیاز محمد ہمدانی)